تقدیر کیا ہے؟

تالیف: علامہ ابن عطاء اسکندری رحمہ اللہ
ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

عمر پبلی کیشنز
یوسف مارکیٹ
غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا در انتظارِ حمد ما نیست محمدؐ چشم بر راہِ ثنا نیست
خدا مدح آفریں مصطفیٰ بس محمدؐ حامد حمد خدا بس
منا جاتے اگر خواہے بیان کرد بہ بیتے ہم قناعت میتوان کرد
محمدؐ از تو میخواہم خدارا الٰہی از تو حب مصطفیٰ را

امابعد عرض کرتا ہے یہ احقر خدام آستانہء فیض کا شانہ امام العارفین مقدام الراسخین سراج الاولیاء تاج الکبراء زبدۃ الواصلین قدوۃ الکاملین شیخ المشائخ سید السادات جنید الزمان بایزید الدوران سیدی وسندی نہ معتمدی ومستندی ذخیرۃ یومی وغدی مکان الروح من جدی حضرت مرشد تا ومولانا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ المہاجر التھانوی مولداً والمکی مورداً الفاروقی نسباً ومحتداً الحنفی مذہباً الصوفی مشرباً ادامہ اللہ تعالیٰ کا سمہ الشریف امداداً من اللہ علی العباد۔ وافاضۃ علی طالبی الرشاد کہ ہمارے ملک میں اکثر لوگ تحصیل دنیا پر اس قدر گری ہیں کہ حلال وحرام میں بھی تمیز نہیں کرتے اور اوامر ونواہی کی خبر نہیں رکھتے کارروائی پر نظر ہے نہ حساب کی خبر نہ عقاب کا خطر ہے منشاء اس انہماک واستغراق کا یہی ہے کہ تقدیر پر اعتماد نہیں پھر ان میں بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ مسئلہ تقدیر کو عقیدہ حق جانتے ہیں مگر پست ہمتی سے ظاہر کو باطن کے موافق نہیں کرسکتے اور بعض ایسے ہیں کہ مسئلہ تقدیر ہی کو فسانہء بے معنی سمجھتے ہیں اور ایسے اعتقاد والوں پر ہنستے ہیں۔ یہ خیال باطل مدعیان تہذیب وروشنی جدید کا جمایا ہوا ہے جنہوں نے اس کے علاوہ دین میں اور بھی بہت سا فتور مچایا ہے۔

ایک روز حضرت والا ممدوح الذکر دام ظلہم کی محفل قدس و مجلس انس میں کہ منبع فیوض و انوار و معدن برکات و اسرار ہے۔ منجملہ افادات اس مضمون کا بھی تذکرہ ہوا۔ ازانجا کہ مقبولانِ الٰہی مظہر اتم صفت رحمت کے ہوتے ہیں۔ حضور ممدوح دام ظلہم کو براہِ شفقت و دلسوزی خیال ہوا کہ ان غریقان بحر غفلت کو ساحل ہدایت پر لانے کی کوئی صورت نکالی جائے۔ ارشاد فرمایا کہ کتاب تنویر فی اسقاط التدبیر تصنیف حجت الاولیاء ابن عطاء صاحب حکم قدس سرہ اس مبحث میں خوب ہے جس کا ہر مضمون مدلل بدلائل عقلیہ ونقلیہ و کشفیہ ہونے کے سبب سے مقبول ومرغوب ہے۔ اگر اردو زبان میں اس کا ترجمہ ہو جائے تو نفع اس کا عام اور فیض اس کا تام ہو اور عجب نہیں کہ مدعیان مذکور بھی بشرط فہم و انصاف وترکیب تعصب و اتنساف راہ راست پر آئیں' ورنہ اور سارے مسلمان تو اس اعتقاد فاسد اور خیال کاسد سے محفوظ رہیں گے اور کسی کے دام میں نہ پھنسیں گے اور نیز اس سے طلباء کو علم اور علماء کو عمل اور عابدوں کو معرفت اور عارفوں کو حال اور اہل حال کو مقام اور اہل مقام کو کمال اور اہل کمال کو دوست بے زوال نصیب ہوگی اور اس نادان ناکارہ کو جو خاص واسطے استفادۂ معانی و برکات کے حضور میں ہند سے چند ماہ کا آیا ہوا تھا اور اس وقت حاضر محفل فیض منزل تھا ترجمہ کیلئے فرمان ہوا جس پر میں باوجود اپنی نااہلیت کے امتثالاً للامر مستعد بدل وجان ہووا۔ روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھتا اور حضور میں سنا دیتا' یہاں تک بہت تھوڑی مدت میں بحمد للہ اتمام کو پہنچا اور اکسیر فی اثبات التقدیر نام رکھا گیا' میری بداستعدادی و کاہلی پر اس امر کا سرانجام ہونا محض حضور دام ظلہم کا فیضان ہے۔

کار زلف مشک افشانی اما عاشقان مصلحت را تہمتے بر آہو چین بستہ اند

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

بعض مواقع پر تفصیل اجمال یا توضیح اغلاق کے لئے ترجمہ سے زائد متن میں کچھ بڑھایا گیا اس کے شروع پر حروف ف اور اس کے ختم پر حرف ت لکھ دیا گیا اور کہیں کہیں حاشیہ پر حضور دام ظلہم کے بعض ارشادات جو وقت استماع ترجمہ فرماتے

جاتے تھے لکھ کر ختم پر ملفوظ لکھ دیا اور بعض جگہ جو خود ہی کچھ لکھا اس کے بعد مترجم لکھ دیا اور اس ترجمے میں حضرات اخوان الطریقت وخلان الحقیقت جناب مولوی محبؒ الدین صاحب پشاوری و جناب مولوی حمزہ صاحب دہلوی و جناب مولوی ابو احمد صاحب بمبوی و جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب سنبھلی سلمہم اللہ تعالیٰ وکرمہم و نعمہم سے بہت مدد ملی خاص طور پر جناب مولوی سید حمزہ صاحب نے سب سے زیادہ مدد فرمائی (بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بنیاد و ترجمے کی مولوی صاحب ہی نے ڈالی اور احقر نے صرف دیواریں اٹھادیں) جزاہم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء پھر یہ ترجمہ تاج الادباء سراج الفضلاء مولانا ذوالفقار علی صاحب رئیس دیوبند ضلع سہارنپور مدظلہ العالی کی خدمت میں اصلاح کے لئے بھیج دیا گیا مولانا ممدوح کے نظر فرمانے کے بعد اب یہ ترجمہ انشاء اللہ تعالیٰ قابل اطمینان ہے پھر بھی اگر کہیں کوئی لغزش پائی جائے تو وہ اس نا دان کی طرف سے شمار کی جائے اور ناظرین سے امید ہے کہ جب اس کا مطالعہ کریں تو مذکورہ بزرگان کے ساتھ اس احقر کو بھی دعائے خیر میں جگہ دیں۔ یاالٰہی اس ترجمہ کو مقبول فرما کر ذریعہ ہدایت بنا اور ہم کو بھی توفیق عطاء فرما، آمین۔ **یـــا رب العـالـمین وصلی الله علی سید نا و مو لانا محمد و علی آله و اصحابه وازواجـه و زریاتـه و عترته و اولیا ء امتهٗ اجمعین ابد الا بدین و دهر الداهرینo**

__عرض ضروری:__ چونکہ تفصیل بعد الاجمال خوب دلنشین اور ذہن میں جا گزین ہو تی ہے اس لئے اس کتاب کا خلاصہ مضمون سرسری طور پر پہلے لکھ دینا مناسب معلوم ہوا کہ اہل فہم تکرار سے محظوظ ہوں اور کم فہم غلط فہمی سے محفوظ رہیں۔ وھوھذا

جاننا چاہئے کہ تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی پھر بھی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں سے کہ ان میں بعض باسرار وحقائق ہیں کہ تدبیر مشروع ہوئی مگر چند شرائط کے ساتھ مشروط کی گئی اس اصول میں اس کے سات امر ہیں۔ اول۔ وہ تدبیر شریعت کے خلاف نہ ہو۔ دوئم۔ تدبیر پر بھروسہ نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب پر نظر

رہے۔سوئم۔دنیا کی تدبیر کرے اس میں آخرت مقصود ہو۔چہارم۔دنیا کی تدبیر میں اتنا غرق نہ ہو کہ اللہ سے اور اس کے احکام سے غافل ہو جائے۔پنجم۔صلحاء اور علماء کی صحبت ترک نہ کرے تا کدورت اسباب اثر نہ کرے۔ششم۔حقوق شرعی ادا کرتا رہے۔ھفتم۔ہر شخص اپنی حالت کے اعتبار سے ضرورت سے زیادہ جمع نہ کرے یہ تو ہم نے درخت شمار کرا دیئے اب بسم اللہ کر کے باغ میں چلو اور علم و حکم کے پھل نوش جان کرو آگے ترجمہ شروع ہوتا ہے

واللہ الموافق و ھو الھادی الی صراط مستقیم

اشرف علی تھانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوں فرماتے ہیں حضرت امام عارف پیشوا محقق تاج العارفین لسان المتکلمین امام زماں یکتائے دوراں حجۃ السلف امام الخلف قدوۃ السالکین حجۃ المتقین تاج الدین ابوالفضل احمد بن محمد بن عبد الکریم بن عطاء اللہ سکندری اللہ جل شانہ ان سے خوش ہو اور ان کو خوش کرے اور ہم سب کو اور تمام مسلمانوں کو ان کی ذات مقدسہ سے نفع بخشے۔ بیشک وہ سب کی سنتا ہے اور سب سے قریب ہے۔ اور سب کی دعا قبول کرتا ہے۔

حمد

حمد کے قابل اللہ جل شانہ ہے جو کہ خلق اور تدبیر میں یکتا ہے حکم اور تدبیر میں یکتا ہے ایسا بادشاہ جس کو کسی سے مماثلت نہیں کسی کو اس کی سی سماعت و بصارت نہیں اس کی سلطنت کو حاجت وزیر نہیں، ایسا مالک جس کی ملک سے کوئی بڑا یا چھوٹا نہیں، کمال وصف میں کوئی اس کا مقابل اور ہمسر نہیں۔ کمال ذات میں امکان تمثیل وتصویر نہیں ایسا علیم کہ اس سے کسی کا ارادہ تک پوشیدہ نہیں چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَؕ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ۝

یعنی بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا حالانکہ وہ بڑا راز داں اور نہایت خبردار ہے۔

وہ ایسا عالم ہے جو ہر امر کی ابتداء اور انتہا سے خوب واقف ہے۔ وہ ایسا سننے

والا ہے جس کے آگے چیخنا اور چپکے سے بولنا برابر ہے، وہ رزاق ہے تمام مخلوقات کا روزی رساں ہے، وہ قیوم ہے اور سب کا ہر حالت میں ذمہ دار ہے۔ وہ بخشش کرنے والا ہے اور اس نے اپنے کمال احسان سے روحوں کو وجود حیات بخشا، وہ قدرت والا ہے اور اپنے کمال قدرت سے مخلوق کو پھر دوبارہ زندہ کرے گا، وہ بڑا حساب کرنے والا ہے اور ان کو بدلہ دے گا جس روز وہ اچھے اور بُرے عمل لے کر اس کے روبرو حاضر ہوں گے۔ پس ہر عیب سے پاک وہی ذات مقدس ہے جس نے بندوں پر ان کے وجود سے پہلے انعام فرمایا اور ان کو ہر حال میں رزق پہنچاتا ہے، خواہ اس کا حکم مانیں یا نہ مانیں اور اپنے کرم سے ہر موجود کی مدد کی اور اس کے وجود با جود کی مدد سے تمام عالم کے وجود کی بقاء ہے اور زمین پر اس کی حکمت کا ظہور ہے اور آسمان پر اس کی قدرت کا اور میں گواہی دیتا ہو کہ سوائے اس یکتا کے کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور کوئی اس کی شرکت کا مستحق نہیں اور ایسی گواہی دیتا ہوں جیسے تابعدار اور حکم کا ماننے والا بندہ دیا کرتا ہے۔

نعت

میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ﷺ جو سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور اللہ جل شانہٗ نے ان کو اپنے کمال اور فضل وعطا سے مخصوص فرمایا ہے، ابتداء بھی انھیں سے ہے اور انتہاء بھی انھیں پر ہوئی اور یہ فضیلت اور کسی میں نہیں، اور جس روز اللہ جل شانہٗ اپنے بندوں کو فیصلہ کرنے کیلئے جمع کرے گا اس روز وہ سب کی شفاعت کریں گے، اللہ پاک کی رحمت ان کی ذات مقدس اور جمیع انبیاء اور ان کے آل واصحاب پر نازل ہو جو کہ آپ کی محبت کو مضبوط تھامے ہوئے ہیں اور اللہ جل شانہٗ ان پر بہت سا سلام بھیجے۔

تمہید مقصود

بعد حمد وصلوۃ کے اے بھائی! اس بات کو جان لے اللہ جل شانہٗ تجھے اپنے عاشقوں میں کر دے اور تجھے اپنا قرب نصیب کرے اور اپنے مستوں کی محبت کی چاشنی تجھے چکھائے اور ہمیشہ تجھے اپنے وصل میں رکھ کر اعراض اور روک ٹوک سے مطمئن کر دے اور اپنے ان بندوں میں شامل فرمائے جن کو اس نے پیام وسلام کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور ان کو اپنی انوار وتجلیات سے مشرف فرما کر ان کی دلجوئی کی جب کہ وہ یہ سمجھ کر دل شکستہ ہو گئے تھے کہ ان آنکھوں سے دیدار نہیں ہو سکتا اور ان کیلئے دروازے باغ قرب کے کشادہ فرما کر ان کے قلوب پر اپنے قرب کی خوشبودار ہوائیں چلائیں اور ان کو تقدیر ازلی کا مشاہدہ کرا دیا۔ ان لوگوں نے اپنا کلی اختیار اس کے حوالے کر دیا اور ان لوگوں پر یہ ظاہر کر دیا کہ ہمارے کام میں ہماری مہربانی پوشیدہ ہوتی ہے اس کے معلوم ہونے سے انہوں نے جھگڑا اور عناد چھوڑ دیا اور اس کے حکم کے مطیع ہو گئے، اور ہر کام میں اس پر بھروسہ کرنے لگے۔ کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ جب مقام رضا جب نصیب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہے اور وہ جان گئے کہ کھلم کھلا بندہ ہونا جب میسر آتا ہے کہ اس کی تقدیر کو مان لیا جائے، پس ایسے بندے اغیار اور کدورات سے محفوظ رہتے ہیں جیسے کسی نے کہا ہے۔

حوادث کی پہنچ ان تک کہاں ہے
کہ اس کے ہاتھ میں اس کی عنان ہے

ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم جاری ہوتے ہیں اور وہ لوگ اس کی عظمت کے آگے دبے رہتے ہیں اور اس کے حکم کے سامنے گردن جھکائے رکھتے ہیں۔ جیسے کسی کا قول ہے۔

مگر دل نے جھکایا ہے تیرا سر! تصرف اس کے گو جاری ہیں تجھ پر!

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ کی جناب میں رسائی چاہتا ہے اس کیلئے لازم ہے کہ دروازے میں سے آئے۔ دروازہ تن بہ تقدیر ہوتا ہے۔ اور رسائی کے سامان پیدا کرے اور سب سے زیادہ چھوڑنے اور منہ موڑنے کے قابل تدبیر ہے جو اصل میں مقابلہ تقدیر ہے پس میں نے یہ کتاب اسی امر کے بیان اور اس میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کرنے کیلئے تصنیف کی ہے اور تنویر فی اسقاط التدبیر اس کا نام رکھا تا کہ اس کا اسم اس کے مسمی کے مطابق ہو جائے اور اس کی عبارت اس کے مطلب کے مطابق۔ یعنی تدبیر کے چھوڑنے کی خوبی کا روشن کر دینا ہے اور اللہ سے درخواست ہے کہ اس تصنیف میں اخلاص پیدا فرمائے اور اپنے فضل سے قبول فرمائے اور ہر خاص و عام کو اس سے نفع عطا کرے بوسیلہ ﷺ کے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے اور قبول فرمانے کی قابلیت رکھتا ہے۔

بیان آیۃ فلا و ربک لا یئومنون الآیتہ

اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

فَلاوربِّکَ لَایُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیْمَا شَجَرِبینهم ثُمَّ لایَجِدُوافِی انفسهم حَرَجًا مما قَضیت وَیُسَلِمُوْ اتَسْلِیْمَا۔

قسم ہے تیرے رب کی وہ لوگ ایمان دار نہیں ہوں گے جب تک اختلافات میں تجھ کو (اے محمد ﷺ) حکم نہ بنائیں۔ اور پھر تیرے حکم سے تنگ دل نہ ہوں اور اس حکم کو تسلیم کریں۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ:

وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَایَشَاءُ وَیَخْتَارَ مَا۔کَانَ لهم الخیرة سُبْحَانَ اللهِ عَمَا یُشْرِکُوْنَ۔

تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ مختار ہے مخلوق کو کچھ اختیار نہیں۔ اللہ جل شانہ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی

کیا انسان کو اس کی ہر آرزو مل جاتی ہے۔ پس اللہ ہی کی ہے دنیا اور آخرت۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو اللہ کو رب بنا کر اور اسلام کو دین ٹھہرا کر اور محمد ﷺ کو نبی سمجھ کر راضی ہوا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا''۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''اللہ سے راضی رہ کر اس کی عبادت کر اور اگر راضی رہنے کی تجھے قدرت نہ ہو تو نامرغوب طبع پر صبر کرنے میں بھی بڑی خیر ہے''۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات اور احادیث تدبیر کے ترک کرنے اور تقدیر سے نہ جھگڑنے پر قائل کرتی ہیں خواہ صراحۃً یا اشارۃً اور اہل معرفت نے فرمایا ہے: جو شخص تدبیر نہیں کرتا اس کیلئے تدبیر ادھر سے ہوتی ہے اور شیخ ابو الحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں: ''اگر تدبیر ضروریات سے ہے تو یہی تدبیر کرو کہ تدبیر کو چھوڑ دو'' اور انھوں نے فرمایا ہے: کسی کام میں اپنی پسند کو دخل نہ دے اور اپنی پسند کو چھوڑ دینا پسند کرے اور اپنی پسند سے بھاگ اور اپنی اس بھاگنے بلکہ ہر شئے سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف بھاگے اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے پس پہلی آیت جو ہے یعنی: فلاو ربک لا یؤمنون حتی یحکموں فیما شجر بینهم. وہ اس امر پر قائل کرتی ہے کہ ایمان حقیقی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنے نفس پر حاکم بنا دے۔ قول اور فعل میں اور کسی شئے کو اختیار کرنے اور ترک کرنے میں اور محبت میں بغض میں اور ارشاد احکام تکلیفی اور احکام تصریفی دونوں میں شامل ہے دونوں میں اتباع اور تسلیم واجب ہے۔ احکام تکلیفی سے مراد شریعت کے اوامر و نواہی ہیں جو کہ افعال عباد سے متعلق ہیں اور احکام تصریفی سے مراد وہ امور ہیں جو اپنے مقصود کے خلاف وارد ہوتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حقیقت ایمان دو امروں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک

اس کا حکم ماننا اور دوسرا اس کے قہر کے آگے گردن جھکا دینا۔ پھر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسی پر بس نہیں کیا کہ اس شخص کے ایمان کی نفی کر دیں جو رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ مانے یا مانے مگر آپ کے حکم سے دل میں تنگی محسوس کرے بلکہ اس نفی پر اپنی ربوبیت کی قسم بھی کھائی جو جناب ختمی مآب کے ساتھ از راہ رعایت وعنایت کے خصوصیت رکھتی ہے۔ کیونکہ فَلاَ وَالرَّبِّ نہیں فرمایا بلکہ فَلاَ وَ رَبِّکَ فرمایا پس اس میں قسم بھی اور جس بات پر قسم کھائی ہے وہ بھی موکد ہوگئی۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتا ہے کہ دلوں میں کیا چیز بسی ہوئی ہے یعنی غلبہ اور نصرت کی محبت ہر حال میں خواہ اپنا حق کسی اور پر ہو یا کسی کا حق اپنے اوپر اور اس کلام میں اظہار اس امر کا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ جل شانہٗ کی کیسی کچھ عنایت ہے کیونکہ آپ کے حکم کو اپنا حکم اور آپ کے فیصلے کو اپنا فیصلہ قرار دیا۔ پس بندوں پر آپ کا حکم ماننا اور اطاعت کرنا واجب کر دیا اور خدائی پر ایمان لانا مقبول نہیں فرمایا۔ تاوقتیکہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کو نہ مانے کیونکہ جب آپ کی صفت میں یہ فرمایا کہ آپ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سوائے وحی کے اور کچھ نہیں ہے۔ پس آپ کا حکم، حکم الٰہی اور آپ کا فیصلہ، فیصلہ خداوندی ہے۔ جیسا تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اس قول کو مؤکد فرمانے کیلئے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے اور اس آیت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی رفعت قدر وعظمت امر کی طرف ایک دوسرا اشارہ ہے اور وہ قول یہ ہے: فَلاَ وَرَبِّکَ اس میں اللہ جل شانہٗ نے اپنی ذات کو رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا جیسے کہ دوسری آیت میں کٓھٰیٰعٓصٓ ۝ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَهٗ زَکَرِیَّا ۝ پس حق تعالیٰ نے اپنے نام پاک کو محمد ﷺ کی طرف مضاف کیا اور زکریا علیہ السلام کے نام مبارک کو اپنے نام مبارک کی طرف مضاف کیا تا کہ بندے دونوں مرتبوں کا فرق سمجھ لیں۔ پھر اللہ جل شانہ نے تحکیم ظاہری پر اکتفاء نہیں کیا کہ اس سے مسلمان بن جائیں بلکہ یہ شرط لگائی کہ تنگ دلی بھی نہ ہونے پائے، خواہ حکم ان کی خواہش کے مطابق ہو یا مخالف اور دلوں کے تنگ ہونے کا سبب یہی

ہے کہ انوار سے خالی اور اغیار سے پُر ہوتے ہیں اور مومن ایسے نہیں ہیں کیونکہ نور ایمان سے ان کے دل لبریز ہیں پس ان میں وسعت ہے اور انشراح اور خدائے واسع علیم کے نور نے ان کو وسعت والا بنایا ہے اور اللہ کے فضل عظیم نے ان کی مدد فرمائی اسکے احکام کے تسلیم کرنے کو تیار ہیں اور ہر حال میں اس کی رضا پر راضی فائدہ جاننا چاہئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ جب ارادہ کرتا ہے کہ کسی بندے سے اپنے احکام کی سہار کرائے تو اس کو اپنی انوار وصف سے خلعت عطا فرماتا ہے پس حکم الٰہی پیچھے نازل ہوتا ہے اور اس سے پہلے انوار نازل ہو جاتے ہیں جن سے وہ شخص اپنے رب کا بن چکا ہے اپنا نہیں رہا پس وہ اس حکم کی گرانی وشدت پر قوی وصابر ہو جاتا ہے۔

اسباب رضا بقضا

بات یہی ہے کہ انوار وارد ہوتے ہیں اور تقدیر کی برداشت کرا دیتے ہیں خواہ یوں کہو کہ فہم کا دروازہ کھل جاتا ہے فہم آکر ان سے احکام قبول کرا دیتی ہے خواہ یوں کہو کہ عطائیں آتی ہیں اور بلاؤں کا بوجھ اٹھوا دیتی ہیں خواہ یوں کہو کہ اس کی خوبی اختیار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور تقدیر کا بوجھ اٹھا لیتی ہیں، خواہ یوں کہو کہ اس کے علم کا یقین اس کے حکم پر صابر بنا دیتا ہے، خواہ یوں کہو کہ جب وہ جان گئے کہ وہ دیکھتا ہے ان کو واقعات پر صبر آ گیا، خواہ یوں کہو کہ اس کے ظہور جمال نے اس کے افعال پر صابر کر دیا۔ خواہ یوں کہو جب ان کو یقین ہوا کہ صبر سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے ان کو صبر آ گیا۔ خواہ یوں کہو کہ حجاب اور پردوں کے اٹھ جانے نے ان کو صابر بنا دیا۔ خواہ یوں کہو کہ ورود اسرار تصریف نے بار تکلیف کے برداشت کرنے پر قوت دے دی، خواہ یوں کہو کہ جب ان کو علم ہوا کہ اس کے احکام میں کیا کچھ لطف واحسان ہیں وہ صابر ہو گئے۔ پس یہ دس اسباب ہیں کہ بندے کے صابر ہونے اور ثابت رہنے کا باعث ہوتے ہیں اپنے آقا کے احکام پر اور قوی رہنے کے موجب ہیں ان کے وارد ہونے کے وقت اور ان اسباب کا اپنے فضل سے عطاء فرمانے والا اور مستحقان عنایت پر احسان کرنے والا وہی ہے۔ اب ہم کو ہر قسم پر ان اسباب سے

مفصل گفتگو کرنا چاہئے تا کہ فائدہ کامل ہو۔

سبب اول: وہ یہ کہ ورودِ انوار تقدیر کی برداشت کرا دیتا ہے یہ یوں ہے کہ انوار جب وارد ہوتے ہیں اور بندے کو حق سبحانہ وتعالیٰ کا قرب ہونا مکشوف ہوتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہ احکام اسی کی طرف سے ہیں، اس کا یہ جاننا کہ یہ احکام میرے آقا ہی کی طرف سے ہیں اس کی تسلی اور صبر کا باعث ہو جاتا ہے، تو نے ارشاد خداوندی نہیں سنا کہ: واصبر لحکم ربک رسول اللہ ﷺ کو فرمایا صبر کرو اپنے پروردگار کے حکم پر کیونکہ تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو یعنی یہ کسی غیر کا حکم نہیں کہ تم پر شاق ہو بلکہ وہ حکم تمہارے آقا کا ہے جس کا تم پر احسان قائم ہے اور ہمارا شعر ہے اس مضمون میں:

سبک ہو گیا مجھ پر جو تھا غم و بلا سنا جب سے ہے تم نے کیا مجھ کو مبتلا
نہیں حکم حق سے آدمی کو کہیں پناہ نہیں چلتا بس اس پر جو خود منتخب کیا

اس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی آدمی اندھیری کوٹھری میں ہو اس کے کوئی چیز آ کر لگے۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ مارنے والا کون ہے جب روشنی ہوئی تو دیکھتا ہے کہ اس کا شیخ ہے، یا باپ، یا حاکم ہے، پس بے شک اس کا یہ جاننا ایسے مقام پر اس کے صبر کا موجب ہوگا۔

سبب دوم: کہ دروازہ فہم کا کشادہ ہو جانا قبول احکام پر معین ہو جاتا ہے جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کوئی حکم وارد فرماتا ہے اور دروازہ فہم کا اس پر کشادہ کر دیتا ہے تو یہ بات بتلا دیتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس حکم کے قبول کرنے کو چاہتا ہے اور یہ اس طرح ہے کہ فہم تجھ کو خدا کی طرف لیجاتی ہے اور اس کی طرف ترغیب دیتی ہے اور اس پر توکل کرا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کو کافی ہے۔

اور غیروں پر اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کی رعایت فرماتا ہے کیونکہ جو اللہ

کی طرف سے فہم ہو گی وہ راز عبودیت کو منکشف کر دے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الیس اللہ بکاف عبدہ کیا نہیں اللہ کافی اپنے بندے کو اور ان دس اسباب کا حاصل یہی فہم ہے اور سب اسی کی قسمیں ہیں۔

سبب سوم: یہ کہ واردات عطایا برداشت بلیات پر معین ہوتی ہیں، یہ ایسے ہے کہ جو عطائیں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہو چکی ہیں ان کا یاد کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام قبول کرنے میں معین ہوتا ہے کیونکہ جیسے اس نے تم کو بہت سی محبوب نعمتیں دیں تجھ کو چاہیے کہ اس کے محبوب احکامات پر صبر کرے کیا تم نے یہ ارشاد نہیں سنا:

اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت میں تسلی اس چیز سے دی جو ان کے ہاتھ آئی تھی۔

یہ تحریر تو عطایائے سابقہ میں ہے کبھی خود بلا کے وارد ہونے کے وقت اس کے ساتھ ایسی چیز مقترن ہوتی ہے جو اس بلا کو بندگان مقربین پر خفیف کر دیتی ہے، ایک اس میں سے یہ ہے کہ اس بلا میں جو ثواب عظیم ذخیرہ رکھا ہے اس کو کھول دیتا ہے یا پھر ان کے قلوب پر استقلال اور سکون نازل کر دیتا ہے، ایک اس میں یہ ہے کہ اس پر دقائق لطف وارد فرماتا ہے اور منتیں نازل فرماتا ہے، یہاں تک کہ بعض صحابہؓ اپنے مرض میں فرماتے تھے خفگی کو اور سخت کر دے اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ میں ایک بار بیمار ہوا میں چاہتا تھا کہ یہ بیماری نہ جائے کیونکہ مجھ پر اس میں اللہ کی امداد ہوئی اور غیب منکشف ہوا اور اس کے سبب میں پاس کلام کرنے کا ایک اور موقع ہے۔

سبب چہارم: یہ کہ مشاہدہ حسن اختیار کا تحمل تقدیرات پر قوت دے دیتا ہے اس طرح سے جب بندہ اس کے حسن اختیار کو اپنے لئے مشاہدہ کر لیتا ہے، یقیناً جان لیتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دکھ دینا نہیں چاہتا کیونکہ وہ اس پر بڑا مہربان ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتا ہے: وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًاO اور رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کے پاس بچہ تھا، آپ نے صحابہؓ سے فرمایا: کیا تم خیال کرتے ہو کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے۔ صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا: نہیں یا

رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا: ''جیسے اس کو اپنے بچے سے محبت ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی زیادہ اپنے بندوں سے محبت ہے۔ مگر بعض دکھ تم پر ڈالتا ہے، کیونکہ ان پر فضل وانعام مرتب ہوتا ہے'' کیا تم نے یہ ارشاد نہیں سنا: انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب. کہ پورے دیئے جاتے ہیں صبر کرنے والے اپنا اجر بیشمار اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان اختیار کے حوالے کر دیتا تو اس کے منت واحسان سے محروم رہتے اور بہشت میں داخل نہ ہو پاتے پس اس کا شکر ہے حسن اختیار پر، کیا تم نے سنا نہیں ارشاد حق تعالیٰ کا: عَسٰی اَن تَکرَھُوْ شَیْئًا وَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ. شاید ناپسند کرو تم کسی چیز کو اور وہ بہتر ہو تمہارے لئے اور شاید کہ پسند کرو تم کسی چیز کو اور وہ بُری ہو تمہارے لئے۔ مشفق باپ اپنے بیٹے کیلئے پچھنے لگانے والے کو لاتا ہے اور دکھ پہنچانا مقصود نہیں ہوتا اور جیسے خیر خواہ طبیب کہ تیز تیز مرہموں سے تجھ کو رنج پہنچاتا ہے گو ان مرہموں سے تجھے تکلیف ہو اور اگر وہ تیرے اختیار کا اتباع کرے تو شفا کوسوں دور بھاگے اور جس کو کوئی چیز نہ دی جائے اور وہ یہ جانتا ہو کہ یہ نہ دینا محض شفقت کے باعث ہے تو یہ نہ دینا ہی اس کیلئے دینا ہے۔ جیسے مہربان ماں اپنے بچوں کو بدہضمی کی وجہ سے زیادہ کھانے کو نہیں دیتی۔ اسی لئے شیخ ابوالحسن نے فرمایا ہے کہ اس کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اگر کوئی چیز نہیں دیتا تو یہ نہ دینا بوجہ بخل نہیں بلکہ عین رحمت ہے پس اللہ تعالیٰ کا نہ دینا بھی دینا ہے لیکن اس بات کو وہی سمجھتا ہے جو صدیق ہو اور ہم نے ایک اور کتاب میں ثابت کیا ہے کہ جب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بلا میں مبتلا کیا ہے تو بلا کا الم کم ہو جاتا ہے، پس جس کی طرف سے تجھ پر یہ احکام تقدیری متوجہ ہوتے ہیں، وہی تو ہے جو تیرے حق میں حسن اختیار رکھتا ہے۔

سبب پنجم: یہ کہ اس کے علم کا اعتقاد اس کے حکم پر صابر بنا دیتا ہے، وہ اس طرح کہ جب بندہ یقین کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس بلا میں مبتلا کیا ہے وہ اس پر مطلع بھی ہے تو بار بلا شک سبک ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا

صبر کر اپنے پروردگار کے حکم کیلئے کیونکہ تم ہماری آنکھوں کے روبرو ہو۔

یعنی اے محمد ﷺ کفار قریش سے جو عناد اور تکذیب آپ کو پیش آتی ہے وہ ہم پر مخفی نہیں ہے، ایک حکایت مشہور ہے کہ کسی شخص کے ننانویں تازیانے لگے اس نے آہ نہیں کی جب سواں تازیانہ مارا گیا تو آہ کرنے لگا کسی نے اس کا سبب پوچھا، اس نے کہا کہ جس کے سبب میں مارا گیا ہوں ننانوے میں تو وہ یہاں تماشائیوں میں موجود تھا اور مجھ کو دیکھ رہا تھا تو مجھ کو کچھ درد محسوس نہیں ہوا آخر تازیانے میں وہ چلا گیا اس وقت درد محسوس ہوا۔

سبب ششم: یہ کہ اس کے ظہور جمال نے اس افعال پر صابر بنا دیا یہ اس طرح ہے کہ بندے پر کسی تلخ بلا پڑنے کے وقت اللہ تعالیٰ جب تجلی فرماتا ہے تو وہ حلاوت تجلی میں اس کی سختی کو جھیل لیتا ہے اور اکثر اوقات غلبہء تجلی میں دکھ بھی نہیں معلوم ہوتا اور تمہارے اس مضمون میں یہ آیت کافی ہے،

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ

پس جب دیکھا عورتوں نے یوسف کو اس کی بڑائی کی اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

سبب ہفتم: یہ کہ ان کے اس اعتقاد نے کہ صبر سے رضا پیدا ہوتی ہے ان کو قضاء پر صابر بنا دیا یہ اس طرح ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر صبر کرتا ہے یہ اللہ کی رضا کا باعث ہو جاتا ہے پس وہ اس کی تیزی کو طلب رضا کیلئے برداشت کر لیتا ہے جیسے کڑوی دوا بامید شفا پی لی جاتی ہے۔

سبب ہشتم: یہ کہ پردوں کے اٹھ جانے نے ان کو تقادیر پر صابر بنا دیا ہے یہ اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے اس پر وارد ہونے والی بلائیں اٹھانا چاہتا ہے تو اس کی بصیرت قلب سے حجاب اٹھا دیتا ہے اور اپنا قرب اس کو دکھلاتا ہے پس انس قرب اس قدر غالب ہوتا ہے کہ ادراک الم کا پتہ نہیں رہتا، اور اگر اللہ تعالیٰ اہل نار پر اپنے جمال و کمال سے تجلی فرما دے تو ان کو عذاب معلوم نہ ہو۔ اسی

طرح اگر اہل جنت سے حجاب کرلے تو کوئی نعمت ان کو اچھی نہ لگے، عذاب اصل میں وجود حجاب ہے اور انواع عذاب اس کے مظاہر ہیں اور نعیم ظہور اس کی تجلی سے ہے اور انواع نعیم اس کے مظاہر ہیں۔

سبب نہم: کہ تصریف کے وارد ہونے نے بار تکلیف اٹھانے پر قوت دے دی اور یہ اس طرح ہے کہ تکالیف تو بندوں پر بے شک شاق ہیں اور اس میں یہ امور سب داخل ہیں۔

۱۔ بجالانا احکام کا۔

۲۔ نواہی سے باز رہنا۔

۳۔ احکام پر صبر کرنا۔

۴۔ اور انعامات پر شکر کرنا۔

یہ چار چیزیں ہوئیں، ۱۔اطاعت، ۲۔معصیت، ۳۔نعمت، ۴۔بلا اور پانچویں کوئی چیز نہیں اور ان چاروں میں جدا جدا تیرے ذمے اللہ تعالیٰ کا حق عبودیت ہے کہ بمقتضائے ربوبیت تجھ سے اس کا تقاضہ کرتا ہے، پس اس کا حق اطاعت میں تو تیرے ذمہ یہ ہے کہ اس کا احسان مشاہدہ کرے اور معصیت میں یہ حق ہے کہ اس میں جو کچھ ضائع کیا ہے اس سے استغفار کرے اور بلا میں یہ حق ہے کہ اس پر صبر کرے اور نعمت میں یہ حق ہے کہ اس پر شکر کرے اور یہ تمام بار فہم کی بدولت اٹھ سکتے ہیں۔ جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ اطاعت کا نفع تجھ ہی کو ملے گا اس پر قیام کرنا آسان ہو جائے گا، جب یہ جان لیا کہ معصیت پر اصرار کرنا اور گناہ میں پڑنا آخرت میں عقاب الٰہی اور دنیا میں زوال نور ایمان کا باعث ہے، یہی موجب ترک ہو جائے گا۔ اور جب یہ یقین ہو گیا کہ صبر کا پھل تجھ کو ملے گا اور اس کی برکت تیری طرف آئے گی تو ضرور اس کی طرف دوڑے گا اور اس کا سہارا پکڑے گا، اور جب یہ اعتقاد کرلیا کہ شکر کی بدولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت بڑھے گی کیونکہ اس کا فرمان ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ یہ سبب ہوگا صبر بر دوام اور آمادگی

کرنے کا اور ان چاروں میں کلام وسیع کریں گے اس کیلئے جلدی فصل مقرر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سببِ دہم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے احکام تقدیری میں جو کچھ اپنا لطف و احسان پوشیدہ کیا ہے جب ان لوگوں کو اس پر اطلاع ہوتی ہے تو صبر آ جاتا ہے یہ اس طرح کہ نا گوار چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے اوہلاف کو امانت رکھا ہے کیا تم نے سنا نہیں فرمانا اللہ تعالیٰ کا: عَسٰی اَن تَکْرِهُوْ شِیْئًا وَهُوَ خَیْرٌ لَکُمْ اور فرمانا ہے رسول اللہ ﷺ کا کہ جنت نا گوار چیزوں کے ساتھ اور دوزخ شہوات سے گھیری گئی ہے اور بلیات و امراض اور فاقوں میں اس قدر اسرار الطاف ہیں کہ ان کو سوائے اہل بصیرت کے کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا تم نے خیال نہیں کیا بلاؤں سے نفس دب جاتا ہے اور ذلیل ہو جاتا ہے اور اپنے حظوظ کی خواہش سے مدہوش ہو جاتا ہے اور بلاؤں کے ساتھ ذلت ہے اور ذلت کے ساتھ نصرت، فرمایا اللہ تعالیٰ نے: وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اور اس میں زیادہ گفتگو کرنے سے مقصود کتاب سے علیحدہ ہوئے جاتے ہیں۔ اس لئے پھر آیت کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں اور وہ آیت یہ ہے: فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اجاننا چاہتے ہیں کہ تین احوال ہیں، ا۔ قبل تحکیم، ۲۔ بعد تحکیم، ۳۔ عین حالت تحکیم، پس قبل تحکیم میں عبودیت یہ ہے کہ تحکیم کریں اور عین تحکیم اور بعد تحکیم میں عبودیت یہ ہے کہ اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ تنگی نہ پانا تو حاکم بنانے کو لازم ہے جواب دیا جائے گا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو حاکم بنائے تو وہ تنگی بھی نہ پائے، کبھی ظاہر میں حاکم بناتا ہے لیکن دل میں کراہت موجود ہوتی ہے۔ پس بالضرور تحکیم کے ساتھ فقدان حرج اور وجود تسلیم کو ملانا چاہیے، اگر کوئی اعتراض کرے جب تنگی نہ پائی تو تسلیم کرلیا پھر اس کہنے سے کیا فائدہ ہوا۔ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اس کا جواب یہ ہے کہ جمیع امور میں تسلیم کرلیں اگر کوئی کہے کہ یہ تو حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ سے لازم آ گیا جواب یہ ہے تحکیم کو مطلق نہیں لائے بلکہ کہ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ کے ساتھ مقید کیا گیا پس یہ آیت تین امر کو شامل ہوئی ایک حاکم بنانا

آپس کے جھگڑوں میں، دوسرا تنگی نہ پانا، تیسرا تسلیم مطلقاً پایا جانا آپس کے جھگڑوں میں بھی اور اپنے ذاتی حالات میں بھی پس یہ تعمیم بعد تخصیص ہے سمجھ لو۔

فوائد آیہ وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ

دوسری آیت وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَایَشَاءُ وَیخارُ مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ہ چند فائدوں کو شامل ہے۔

پہلا فائدہ: یہ جوفرمایا کہ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ اس سے معلوم ہو کہ بندے کو لازم ہے اللہ کے سامنے کوئی تدبیر نہ کرے کیونکہ جب وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے تو تدبیر بھی جو وہ چاہے کرے گا، جو پیدا کرنے کا مالک نہیں وہ تدبیر کا بھی مالک نہیں۔ کیا پیدا کرنے والا اور نہ پیدا کرنے والا برابر ہوسکتا ہے۔ آیا نہیں نصیحت قبول کرتے تم اور یَخْتَارُ سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار میں وہ یکتا ہے اور اس کے افعال صادر بالاضطرار نہیں ہوتے بلکہ وہ صفت اختیار کے ساتھ موصوف ہے اور اس میں بندے پر لازم ٹھہراتا ہے کہ اپنا اختیار اور تدبیر اللہ کے سامنے ساقط کردے کیونکہ جو صفت اس کی ہے وہ تیری نہیں ہوسکتی۔ اور یہ قول مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ لوگ اس لائق نہیں کہ ان کیلئے اختیار حاصل ہو اور اس کے مستحق ہوں، دوسرے یہ کہ ہم نے ان کو یہ اختیار نہیں دی یعنی اس کا مستحق نہیں بنایا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کے آگے ان کا اختیار چلے اور اس آیت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختیار کا دعویٰ کرے وہ مشرک ہے زبان حال سے دعویٰ ربوبیت کا کر رہا ہے اگرچہ زبانی اس سے براءت کا اظہار کرتا ہو۔ تیسری آیت میں فرمایا: اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی یعنی کیا انسان کو اس کی ہر آرزو مل جاتی ہے پس اللہ ہی کی ہے آخرت اور دنیا۔ یہ آیت دلیل ہے اس کی کہ اللہ کے آگے تدبیر ساقط کرنا چاہیے کیونکہ یوں فرمایا کہ انسان کو کیا اس کی ہر آرزو مل جاتی ہے یعنی

ایسا نہیں ہوتا اور اس کو یہ شایاں نہیں کیونکہ ہم نے اس کو اس کا مالک نہیں کیا پھر اس کو موکد کیا اس قول سے فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی یعنی جب دنیا اور آخرت دونوں ہی اللہ کے ہوئے تو انسان کا کچھ نہ ہوا تو اس کو مناسب نہیں کہ غیر کی ملک میں تدبیر کرے البتہ دارین کی تدبیر کرنا اس ذات کو زیبا ہے جو ان دونوں کا مالک ہے اور وہ فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ فرمانا رسول اللہ ﷺ کا ذاق طعم الایمان اس میں دلیل ہے کہ جو ایسا نہ ہوگا ایمان کی حلاوت او ذوق نہ پاوے گا اس کا ایمان ایک صورت بے جان اور ظاہر بے معنی اور نقش بے حقیقت ہوگا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو قلب امراض غفلت اور ہوا سالم ہیں وہ لذاید معانی سے مزے لیتے ہیں، جیسے تمام نفوس لذیذ کھانوں سے خوش ہوتے ہیں اور ایمان کا مزہ وہی چکھے گا جو اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو کیونکہ جب اس کے رب ہونے پر راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکا دے گا اس کے حکم کا مطیع ہوگا اپنا اختیار اس کے حوالے کرے گا اس کے حسن تدبیر و اختیار کے روبرو اپنا اختیار اور تدبیر چھوڑ دے گا اس وقت لذت عیش اور راحت تفویض دیکھے گا اور جب یہ اس سے راضی ہوگا۔ رب بنانے میں اس کے لئے ادھر رضا ہوگی جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؁

یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔

اور جب اس کیلئے اللہ سے رضا ہوئی اور اللہ تعالیٰ اس کی حلاوت پیدا کرتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی منت و احسان کو جانے اور یہ رضا باللہ بغیر فہم کے نہیں ہوتی اور فہم بغیر نور کے نہیں ہوتا اور نور بغیر قرب کے نہیں ہوتا اور قرب بغیر عنایت کے نہیں ہوتا۔

پس جب عنایت اس بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے یہ تمام دولتیں خزانہ منت سے اس کیلئے ظاہر ہوتی ہیں۔ پس جب اللہ کی امدادیں اور انوار اس پر پے در پے آتے ہیں اس کا قلب امراض و اسقام سے صحت پاتا ہے تو صحیح الادراک ہو جاتا ہے، پس ایمان کی لذت اور حلاوت کا ادراک بوجہ صحت ادراک و سلامت ذوق کے

ہے، اور اگر بیماری غفلت عن اللہ میں اس کا قلب مبتلا ہوتا تو اس کا ادراک میسر نہ ہوتا کیونکہ بخار والا اکثر اوقات شکر کا مزہ تلخ پاتا ہے اور حالانکہ واقعہ میں ایسا نہیں۔

پس جب امراض زائل ہو جاتے ہیں حقائق اشیاء کو دریافت کرتا ہے پس پا لیتا ہے حلاوت ایمان و لذت واطاعت کو اور تلخی قطع تعلق اور مخالفت کو پھر اور جب حلاوت ایمان کو پائے گا تو اس پر خوش ہوگا، اور اس میں اللہ کا احسان مشاہدہ کرے گا اور ان اسباب کو طلب کرے گا جن سے ایمان محفوظ رہے اور حاصل ہوا۔ اور جب لذت اطاعت کو پائے گا تو اس پر دوام کرے گا اور اس میں اللہ کا احسان مشاہدہ کرے گا، اسی طرح جب تلخی کفران و مخالف کو پائے گا تو ضرور ہے کہ اس کو ترک کرے گا اور اس سے نفرت کرے گا اور اس کی طرف مائل نہ ہوگا۔

پس یہ باعث ہو جائے گا ترک گناہ کا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہونے کا، اور دونوں مفہوم جدا جدا ہیں، اور یہ نفرت گناہ سے اس لئے ہوگی کہ نور بصیرت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی مخالفت اور اس سے غافل ہونا قلوب کے حق میں زہر قاتل ہے۔

پس مومنین کے قلوب میں اللہ کی مخالفت سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے۔ جیسے تم کو زہر آلود کھانے سے نفرت ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

رضیت وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو۔

کیونکہ جب اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوا تو اپنے آقا کی پسندیدہ اور مختار چیز پر راضی ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

یعنی بے دین حق اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

اور فرمایا۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ

جو شخص ڈھونڈے سوائے اسلام کے کوئی اور دین، ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ

یعنی بے شک اللہ نے برگزیدہ کیا تمارے لئے دین پس مرنے نہ پاؤ تم مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

۔۔۔جب اسلام کے دین بنانے پر راضی ہوگا تو لازم ہے کہ اوامر کو مانے گا اور نواہی سے باز رہے گا اچھی باتیں دوسروں کو بتائے گا اور بری باتوں سے منع کرے گا اور جب کسی ملحد کو دیکھے گا کہ غیر دین کو دین میں شامل کرنا چاہتا ہے تو اس کو جوش پیدا ہوگا اور برہان مغز پاشی کرے گا اور قوت بیانیہ سے اس کی بیخ کنی کرے گا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے و بمحمد نبیا یعنی محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہو پھر اس کو لازم ہے کہ آپ کا محبّ ہو اور آپ کے آداب اخلاق اختیار کرے۔

دنیا سے بے رغبت ہونے میں اس سے علیحدگی کرنے میں لوگوں کی خطاء سے درگزر کرنے میں جو اس سے برائی کرے اس اسے معاف کرنے میں اور اس کے سوا جتنے امور ہیں سب میں آپ کا اتباع ہو کہنے میں، کرنے میں، اختیار کرنے میں، ترک کرنے میں، محبت میں، بغض میں، ظاہر میں، باطن میں، پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکا دے گا جو اسلام سے راضی ہوگا اس کے مطابق عمل کرے گا جو رسول اللہ ﷺ سے راضی ہوگا آپ کی متابعت کرے گا اور ان تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہوتی جب تک سب نہوں کیونکہ یہ امر محال ہے کہ اللہ کے رب ہونے پر تو راضی ہو اور اسلام کے دین ہونے پر راضی نہ ہو یا اسلام کے دین ہونے پر تو راضی ہو اور رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے پر راضی نہ ہو۔ اور ان سب کا لازم و ملزوم ہونا ظاہر ہے کہ کچھ مخفی نہیں۔

نو مقامات یقین: جب یہ بیان ہو چکا تو اس بات کو جان کر کہ مقامات یقین کے نو ہیں۔ ا۔توبہ، ۲۔زہد، ۳۔صبر، ۴۔شکر، ۵۔خوف، ۶۔رضا، ۷۔رجا، ۸۔توکل، ۹۔محبت اور کوئی مقام ان میں سے بغیر ختم کرنے ساقط کرنے کے تدبیر و

اختیار صحیح نہیں ہوتا۔

تدبیر سے توبہ: یہ اس طرح کہ توبہ کرنے والے کو جیسا اپنے گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے ایسے ہی پروردگار کے آگے اپنی تدبیر سے بھی توبہ کرنا واجب ہے، کیونکہ تدبیر اور اختیار قلوب کے کبیرہ گناہوں میں سے ہیں اور توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا ان تمام امور سے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور تدبیر بھی اللہ کو پسند نہیں کیونکہ وہ شرک ہے ربوبیت (خدا کے پالن ہار ہونے) میں اور کفران ہے نعمت عقل کا اور وہ کفر کو اپنے بندوں کیلئے پسند نہیں فرماتا اور ایسے آدمی کی توبہ کیسے درست ہوگی کہ تدبیر دنیوی میں مبتلا ہے اور اپنے آقا کے حسن رعایت سے غافل ہے۔

زہد کا صحیح طریقہ: اسی طرح زہد ٹھیک نہیں ہوتا جب تک کہ تدبیر سے علیحدگی نہ کرے کیونکہ جن چیزوں سے خارج اور بے رغبت ہونے کا حکم ہے ان میں سے تدبیر بھی ہے کیونکہ زہد دو طرح کا ہے ایک زہد ظاہر اور دوسرا زہد مخفی زہد ظاہر تو یہ ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے پہننے وغیرہ کی حاجت سے زائد ہیں ان کی رغبت نہ رہے اور زہد خفی یہ ہے کہ سرداری اور ناموری کی ہوس نہ رہے اسی کی قسم ہے زہد کرنا تدبیر میں اللہ کے آگے۔

تدبیر اور صبر و شکر: کسی طرح صبر و شکر تدبیر کو چھوڑے بغیر ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ صابر وہ ہے جو اللہ کی ناپسند چیزوں سے صبر کرے اور اللہ کی ناپسند چیزوں میں تدبیر و اختیار بھی ہے کیونکہ صبر کئی قسم پر ہے۔ ایک صبر کرنا حرام چیزوں سے، دوسرا صبر کرنا واجبات پر، تیسرا صبر کرنا تدبیر و اختیار سے خواہ اس طرح کہہ لیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک صبر کرنا نفس کی لذتوں سے، دوسرے صبر کرنا لوازم عبودیت پر اور لوازم عبودیت سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے اسی طرح شکر ٹھیک نہیں ہوتا مگر اس آدمی کیلئے جو تدبیر کو اللہ کے روبرو ترک کر دے کیونکہ شکر کے معنی بقول جنیدؒ کے یہ ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنائے اور اگر انسان کو عقل نہ ہوتی جس کی بدولت اللہ نے انسان کو ممتاز کیا اور اس کو اس کے کمال

کا سبب ٹھہرایا تو ہرگز تدبیر نہ کرتا، کیونکہ جمادات اور حیوانات کچھ تدبیر نہیں کرتے کیونکہ انھیں کو عقل نہیں دی گئی جس کا کام ہے انجام کو دیکھنا اور اس کا اہتمام کرنا۔

ف: پس ایسی نعمت عظمی یعنی عقل کو تو نے اس کی نافرمانی یعنی تدبیر کا ذریعہ ٹھہرایا۔

تدبیر اور امید و بیم

تدبیر کرنا مقام خوف ورجا کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب خوف کا قلب پر غلبہ ہوتا ہے تو اس کو اس قدر چین نہیں لینے دیتا کہ تدبیر کرے اور رجا کا بھی یہی حال ہیکیونکہ رجا کرنے والے کا دل تو خوشی سے بھرا رہے گا اور اس کے اوقات اللہ کے معاملے میں مشغول ہوں گے، کون سے وقت میں تدبیر کی گنجائش ہوگی۔

تدبیر اور توکل: تدبیر کرنا مقام توکل کے بھی خلاف ہے کیونکہ متوکل تو وہ ہے جو اپنا کلی اختیار اس کے حوالے کر دے اور تمام امور میں اس پر اعتماد کرے، پس اس کے لوازم میں سے ہے تدبیر نہ کرنا اور اجرائے احکام کیلئے گردن جھکا دینا اور ترک تدبیر کا تعلق مقام توکل و رضا کے ساتھ بہ نسبت تعلق دوسرے مقامات کے زیادہ ظاہر ہے۔

تدبیر اور مقام محبت: تدبیر کرنا مقام محبت کے بھی خلاف ہے کیونکہ عاشق اپنے محبوب کے عشق میں مستغرق ہے اور اس کا عین مطلوب یہ ہے کہ اس کے رو برو راپنے ارادے سے دست بردار ہو جائے اور عاشق کو کسی وقت بھی تدبیر کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ اس کو اللہ کی محبت نے اس سے غافل کر رکھا ہے اسی واسطے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے جس نے اللہ کی خالص محبت کا کچھ بھی مزہ چکھ لیا اس نے ماسوا سے اس کو غافل کر دیا۔

تدبیر اور مقام رضا: تدبیر کرنا مقام رضا کے بھی خلاف ہے اور یہ بہت ظاہر ہے اس میں کچھ اشکال ہی نہیں اور یہ اس لئے ہے کہ جس کو مقام رضا حاصل ہے وہ اللہ کی اگلی تدبیر پر بس کرے گا، پھر وہ کیوں تدبیر کرے گا کہ اس کی تدبیر پر تو

راضی ہو چکا۔ کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ نور رضا قلوب سے تدبیر کا میل کچیل دھوڈالتا ہے پس رضا والا نور رضا سے اس کے احکام میں خموش ہے اور اللہ کے روبرو کچھ تدبیر نہیں کرتا اور غلام کیلئے اس کے آقا کا حسن اختیار ہی بہت ہے سمجھ لو۔

فصل: جاننا چاہیے کہ ترک تدبیر و اختیار کے اسباب چند باتیں ہیں اول تو یہ اعتقاد کہ اللہ نے تیرے لئے پہلے سے تدبیر کر رکھی ہے اور اس کو اس طرح سمجھنا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ تیرا اس وقت بھی تھا جب کہ تو بھی اپنا نہ تھا۔ پس جیسے اس نے تیرے ہونے سے پہلے تیرے لئے تدبیر فرمائی تھی وہ تیرے ہونے کے بعد بھی تدبیر کر سکتا ہے۔ پس تو اس کے ساتھ ایسا رہ جیسا پہلے تھا، وہ بھی تیرے ساتھ ایسا ہی رہے گا جیسا پہلے تھا۔ اسی لئے حسین حلاجؒ نے دعا کی کہ میرے لئے ایسا ہو جا جیسا میرے نہ ہونے کے وقت تھا۔ حاصل دعا یہ ہے کہ میرے وجود کے بعد میری تدبیر فرما جیسا میرے وجود سے پہلے میری تدبیر فرماتا تھا کیونکہ وجود سے پہلے اللہ کے علم میں بندے کی تدبیر ہو چکی ہے اور اس کا کہیں وجود بھی نہ تھا کہ دعوی تدبیر کرتا اور اس وجہ سے اس کی نصرت نہ ہوتی اگر کوئی اعتراض کرے کہ قبل وجود تو معدوم محض تھا پس تدبیر کیسے اس کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یوں آتا ہے کہ تمام اشیاء علم آگہی میں موجود ہیں اگر چہ خارج میں ان کا وجود نہ ہو پس اللہ تعالیٰ ان کے وجود علمی کے مرتبے میں ان کی تدبیر فرماتا ہے اور یہ مسئلہ بہت غور طلب ہے اور یہ موقع اس کی تفصیلی بحث کا نہیں۔

اللہ کی تدبیریں بندوں کیلئے

ترک تدبیر پر پہلی حجت: جاننا چاہیے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہر طرح تیری تدبیر کا ذمہ دار ہوا، اور تمام حالات میں تیری ایجاد کا اہتمام فرمایا یوم میثاق میں تیرے لئے تدبیر فرمائی جس روز پوچھا گیا کیا میں تمہارا رب نہیں، سب بولے کیوں نہیں، اس وقت تیرے لئے یہ تدبیر فرمائی کہ تجھ کو اپنی شناخت دی تب تو نے اس کو پہچانا اور تجھ

کو اپنی جھلک دکھلائی تو اس کا مشاہدہ کیا تجھ کو گویا کیا، تیرے دل میں اپنی ربوبیت کا اقرار ڈالا تب تو نے اس کی توحید کی، اس کے بعد تجھ کو نطفہ بنایا جو باپ دادا کی پشت میں امانت تھا، اور اس مقام پر تیری تدبیر کا سامان کیا تیری حفاظت کی، جس جگہ تو رہا اس کی حفاظت کی، جس شخص میں تو رہا اس کے ذریعہ سے برابر تجھ کو مدد پہنچتی رہی یہی سلسلہ آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے، پھر تجھ کو ماں کے رحم میں ڈالا وہاں تیرے کام بنائے اور رحم قابلیت رکھ کر اس کو ایک زمین بنایا جس میں تو پھولے پھلے اور اس کو ایک محل امانت بنایا جس میں تجھ کو زندگی ہو پھر دونوں نطفوں کو جمع کیا، دونوں کو ملایا پھر تو دونوں سے بنا، اس کا سبب حکمت الٰہی ہے، تیرے پورے وجود کا تعلق میاں بیوی کے ملنے سے ہوا تو یہ محض اللہ کی حکمت ہے ورنہ میاں بیوی کے ملنے سے تیرا وجود ضروری نہیں تھا۔ پھر نطفے کے بعد تجھ کو علقہ یعنی خون بستہ بنایا۔ جس میں صلاحیت اس صورت کی رکھی جو اس کے بعد پیدا کرنا منظور ہے پھر علقے کے بعد مضغہ بنایا پھر مضغے میں تیری صورت نقش کی اور تیری بنیاد قائم فرمائی پھر اس کے بعد تیرے اندر روح پھونکی پھر ماں کے رحم میں خون حیض سے تجھ کو غذا دی پس تیرے وجود میں آنے سے پہلے تیرا رزق جاری فرمایا پھر تجھ کو ماں کے رحم میں باقی رکھا یہاں تک کہ تیرے اعضا قوی ہو گئے اور ہاتھ پاؤں مضبوط ہو گئے تا کہ تو ایسی جگہ آنے کے قابل ہو جائے جہاں تیرا نفع ونقصان ہے اور جو کہ تجھ کو ایسے گھر کی طرف لائے جس میں تجھ کو اپنے فضل وعدل کے ساتھ اپنی شناخت کرائے پھر جب تجھ کو زمین کی طرف لایا تو اس کو معلوم تھا کہ تو سخت چیزیں نہیں کھا سکتا اور نہ تیرے دانت ہیں اور نہ داڑھ جن سے تو کھانے میں کام لے سکے پس ماں کی چھاتیوں میں لطیف غذا جاری فرمائی اور ان پر جوش دینے والی مہربانی ماں کے دل میں مسلط کی جہاں دودھ نکلنا موقوف ہوا اس ماں کی محبت نے اس کو جوش دیا جوش دینے والا بھی کیسا جو کبھی سست نہیں ہوتا ایسا مستعد جو کبھی بند نہیں ہوتا، پھر ماں باپ کو اس کام میں لگا دیا کہ تیرے فائدے کی چیزیں حاصل کریں اور تجھ پر شفقت کریں اور تجھ کو محبت کی نگاہ

سے دیکھیں اور یہ وہی شفقت ہے جس کو تیری طرف اور دوسری شخصوں کی طرف بھیجنے میں ماں باپ کو مظہر قرار دیا تا کہ صفت مودت ماں کی محبت سے اللہ کو پہچان لے اور حقیقت میں اس کی ربوبیت کے سوا تیرا کوئی کفیل نہیں اور اس کی الوہیت کے سوا کوئی پرورش کرنے والا نہیں پھر باپ کے ذمے لازم ٹھہرایا کہ وقت بلوغ تک تیری خبر گیری کرے اور اپنی عنایت سے یہ اس پر واجب کر دیا پھر کمال فہم تک تجھ کو مرفوع القلم (جوان ہونے تک غصہ سے محفوظ) فرما دیا اور یہ بلوغ کا وقت ہے، پھر تب سے ادھیڑ ہونے تک اپنی عطا و فضل کو موقوف نہیں کیا پھر جب تو بڑھاپے کو پہنچے گا پھر جب تو مریگا پھر جب قیامت میں زندہ ہوگا پھر جب تجھ کو اپنی روبرو کھڑا کرے گا پھر جب اپنی عقاب سے تجھ کو بچائے گا پھر جب تجھ کو بہشت میں داخل کریگا۔ پھر جب اپنا پردہ تیرے سامنے سے اٹھا دے گا اور اپنے اولیاء اور احبا (دوستوں) کی مجلس میں تجھ کو بٹھلائے گا، فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کہ: متقی لوگ ہوں گے بہشتوں میں اور نہروں میں سچی مجلس میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔ یعنی سب جگہ تجھ پر فضل رہا۔ بس تو اس کے کس کس احسان کا شکر کر سکتا ہے اور کون کون سی نعمتوں کو ذکر میں لا سکتا ہے اور پڑھو ارشاد اللہ تعالیٰ کا:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ.

یعنی جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ تو اس کے احسان سے نہ کبھی نکلا ہے نہ نکلے گا اور اس کا فضل و امتنان تجھ سے کبھی جدا نہ ہوگا اور اگر اپنے تغیر حالات کا معلوم کرنا منظور ہو تو یہ ارشاد اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا پڑھ لو:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ

اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ o ثُمَّ اَنَّکُمۡ بَعۡدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوۡنَ o ثُمَّ اِنَّکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تُبۡعَثُوۡنَ o

ترجمہ: یعنی بیشک پیدا کیا ہم نے آدمی کو خلاصہ مٹی سے پھر بنایا ہم نے اس کو نطفہ ٹھہرنے کی جگہ میں پھر پیدا کیا ہم نے نطفہ کو خون بستہ، پھر پیدا کیا ہم نے خون بستہ کو گوشت کی بوٹی، پھر پیدا کیا ہم نے بوٹی کو ہڈیاں پھر پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت پھر پیدا کیا ہم نے اس کو دوسری پیدائش (یعنی روح پھونکی) پس بڑی برکت والا ہے اللہ بہتر سب تجویز کرنے والوں کا پھر بیشک تم بعد اس کے البتہ مرنے والے ہو۔ پھر بیشک تم قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے۔

اس آیت کی جھلک تجھ پر ظاہر ہوگی اور اس کی چمک تجھ پر پھیلے گی اور اس کا مضمون گردن جھکا دینے اور توکل کرنے کو تجھ پر لازم ٹھیرا دے گا اور تدبیر کے ترک اور تقدیر کے ساتھ اعتراض نہ کرنے کی طرف تجھ کو کھینچ لے جائے گا اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

ترک تدبیر پر دوسری حجت: یہ جان لے کہ اپنے لئے تیرا تدبیر کرنا ناواقفی کی دلیل ہے اپنے فائدہ کی سوچنے سے کیونکہ ایمان والے کا اعتقاد ہے کہ جب وہ اللہ کے روبرو تدبیر کو ترک کر دیتا ہے، تو خدائے تعالیٰ اس کیلئے بخوبی تدبیر فرما دیتا ہے اللہ کا فرمان ہے:

وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ.

یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کیلئے کافی ہے۔

پس تیری تدبیر یہی ہے کہ تدبیر نہ کرے اور اپنی بڑی خیر خواہی یہی ہے کہ اس کی خیر خواہی کی فکر نہ کرے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے قول کو سمجھو کہ: ''آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے'' پس تدبیر کا دروزہ اللہ کی طرف سے یہی ہے کہ اپنے لئے تدبیر نہ کرو۔

تیسری حجت: تیسرا امر یہ ہے کہ جان لو کہ یہ ضروری نہیں کہ تقدیر تیری تدبیر کے موافق جاری ہوا کرے بلکہ اکثر وہی بات ہوتی ہے جس کی تو تدبیر نہیں کرتا اور

بہت کم وہ ہوتا ہے جس کی تو تدبیر کرتا ہے اور عاقل بے ٹھکانے مکان نہیں بناتا پس تیری عمارتیں کہاں پوری ہونے پائیں گی تقدیر تو ان کو گرا رہی ہے پوری ہونے سے روک رہی ہے۔

عمارت کب وہ پوری ہو کہ تو اس کو بناتا ہو مگر ہو دوسرا اس جا کہ وہ اس کو گراتا ہو۔

اور جس حالت میں تیری طرف سے تو تدبیر ہو اور تقدیر برخلاف تیری تدبیر کے جاری ہوتی ہو تو ایسی تدبیر سے کیا فائدہ جس کی حمایت تقدیر نہ کرے اور تدبیر تو اسی کو سزاوار ہے جس کے ہاتھ میں تقدیر کی باگ ہے اسی لئے کہا گیا ہے۔

پایا میں نے قضا کو جب کاری اور نہیں کوئی اس میں شک طاری
کر لیا اعتماد خالق پر خود چلا جس طرف وہ ہو جاری

چوتھی حجت: یہ ہے کہ جان تو کہ اللہ ہی ذمے دار ہے اپنی تمام سلطنت کی تدبیر کا اس کی بلندی کا اس کی پستی کا اس کے غائب کا اس کی شہادت کا، اور جیسا عرش و کرسی اور آسمان و زمین میں اس کی تدبیر کو تم نے تسلیم کر لیا اسی طرح اپنے وجود میں بھی اس کی تدبیر کو تسلیم کر لو کیونکہ تیرے وجود کی نسبت ان عالموں کے ساتھ ایسی ہے کہ تیرا پتہ بھی نہ لگنے دیتی، جیسا کہ سات آسمانوں اور ساتوں زمین کی نسبت کرسی کے ساتھ ایسے ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں ایک حلقہ پڑا ہو اور کرسی اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمین عرش کے سامنے یہی نسبت رکھتے ہیں پس تو بیچارہ اس کے ملک میں کیا چیز ہے۔ بس تجھ کو اپنے نفس کی فکر کرنا اور اس کے لئے تدبیر کرنا بالکل اللہ سے ناواقفی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جیسے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا قَدَرُو اللهَ حَقَّ قَدْرِہٖ

یعنی انھوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنا چاہیے تھا۔

پس اگر بندہ اپنے رب کو پہچان لے تو اس کے آگے تدبیر کرتا ہوا شرمائے اور تجھ کو جو اللہ تعالیٰ سے آڑ ہے اسی نے تجھ کو دریائے تدبیر میں پھینکا ہے کیونکہ اہل یقین کی باطنی بینائی (دل) سے جو پردہ اٹھا تو انھوں نے دیکھا کہ ہماری تدبیر تو کوئی

اور کر رہا ہے ہم خود کچھ تدبیر نہیں کر سکتے اور ہم میں کوئی دوسرا تصرف کر رہا ہے ہم خود کوئی تصرف نہیں کر سکتے، اور ہم کو کوئی دوسرا حرکت دے رہا ہے ہم خود کو کوئی حرکت نہیں دے سکتے، اسی طرح سکان عالم بالا (آسمانوں پر رہنے والے) مشاہدہ کر رہے ہیں اس کے ظہور قدرت کا اور نفوذ ارادے کا اور مقدورات کے ساتھ قدرت مراد کے ساتھ ارادے کے متعلق ہونے کا اور اسباب ان کی نگاہ میں سب برطرف ہیں اسی لئے وہ دعویٰ سے پاک ہیں کیونکہ ان کو معائنہ اور مواجہہ حاصل ہے اسی لئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ

یعنی ہم وارث ہیں زمین کے اور جو اس کے اوپر بستے ہیں اور سب ہماری طرف پھیرے جائیں گے۔

اس میں ملائکہ کا ذکر نہیں ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے جو ان کو عنایت کیا وہ اس میں مدعی نہیں اور جو ان کی طرف منسوب کیا اس میں وہ خود نسبت کرنے والے نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یوں فرماتے:

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَالسَّمَآءَ

بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو نسبت ہے اور اس سے ہیبت کرتے ہیں اور اس کی عظمت سے حیران ہیں یہ امور ان کو مانع ہیں کہ وہ کسی غیر کی طرف میلان کریں، پس جیسا آسمان اور زمین کے مقدمے میں اللہ کی تدبیر کو تسلیم کر لیا ہے اسی طرح اپنے وجود میں بھی تسلیم کر لے کیونکہ آسمان زمین کی خلقت تو بہرحال انسان کی خلقت سے بڑی ہی ہے۔

پانچویں حجت: یہ ہے کہ جان لے کہ تو اللہ کی ملک ہے اور تجھ کو ایسی چیز کی تدبیر کرنے کا حق نہیں پہنچتا جو غیر کی ملک ہو پس جو چیز تیری ملک میں نہیں تجھ کو اس کی تدبیر کا کوئی استحقاق نہیں اور جو چیز تیری ملک میں ہے اس میں جب کوئی تجھ سے کوئی منازعت نہیں کرتا اور حالانکہ تیری ملک صرف اس کے مالک بنانے سے ہوئی اور

تیری ملک حقیقی نہیں صرف ایک نسبت شرعی ہے جو تیری ملک کا موجب ہوگئی یہ نہیں کہ کوئی چیز تیرے وصف کے ساتھ قائم ہوگئی جس سے تو مالک بننے کا مستحق ہو گیا تو اللہ کے ساتھ اس کی ملک میں منازعت نہ کرنا تو زیادہ تر مناسب اور سزاوار ہے، خصوصا جب کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ

یعنی اللہ نے مول لے لیا اہل ایمان سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس معاوضے میں کہ ان کیلئے جنت ہے۔

تو فروخت کرنے کے بعد تدبیر و منازعت کرنا مناسب نہیں کیونکہ جس چیز کو تو فروخت کر چکا ہے اس کا تسلیم کر دینا اور منازعت نہ کرنا تجھ پر واجب ہو چکا پھر اس میں تدبیر کرنا عقد بیع (خرید وفروخت کے وعدے) کو توڑنا ہے، میں ایک روز شیخ ابو العباس مرسیؒ کی خدمت میں گیا اور کسی قصے کی شکایت کی فرمانے لگے اگر تیرا نفس تیری ملک ہے تو اس کے ساتھ جو چاہے کر اور یہ تجھ سے ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ اور اگر اپنے پیدا کرنے والے کی ملک ہے تو اس کو تسلیم کر وہ جو چاہے کرے پھر فرمایا کہ: چین اسی میں ہے کہ اللہ کے سپرد کر دو اور تدبیر چھوڑ دو اور عبودیت کے یہی معنی ہیں۔

ابراہیم بن ادہمؒ کا واقعہ: ابراہیم بن ادہمؒ سے منقول ہے کہ میں ایک شب سو گیا اور میرا معمول قضا ہو گیا میں جاگا اور نادم ہوا۔ پھر تین دن ایسا سویا کر فرض قضا ہو گیا جب بیدار ہوا ایک ہاتف کی آواز سنی کہ کہتا تھا:

ہر خطا سے کرتے ہیں ہم درگزر　　مگر اعراض ہم سے سخت تر

رہ گئی تجھ سے جو طاعت بخشدی　　رہ گیا جو اجر وہ ہے مدخر

پھر مجھ کو حکم ہوا اے ابراہیم بندہ بنا رہ پس میں بندہ بنا اور چین میں ہو گیا۔

چھٹی حجت: یہ جان لے کہ تو اللہ کا مہمان ہے کیونکہ دنیا اللہ کا گھر ہے اور تو وہاں آ کر اس کا مہمان ہوا اور مہمان کو سزاوار ہے کہ میزبان کے ہوتے ہوئے کوئی غم نہ پالے۔

شیخ ابو مدینؒ کا فرمان: شیخ ابو مدینؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ اور مشائخ کو ہم اسباب میں پھنسا ہوا دیکھتے ہیں اور آپ بالکل نہیں پھنستے فرمانے لگے: ''اے بھائی! انصاف تو کرو دنیا اللہ کا گھر ہے اور ہم اس کے مہمان ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہمانی تین دن کی ہے تو تین روز تک تو اللہ کے ہاں ہماری ضیافت ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وان یوماً عندربک کالف سنۃٍ مماتعدون

ایک دن تیرے رب کے یہاں ایک ہزار سال کے برابر ہے جس کو شمار کیا کرتے ہو۔

اس حساب سے تین ہزار برس ہماری مہمانی کے ٹھہرے جس میں کچھ مدت تو دنیا میں مقیم ہیں اور باقی کو اپنے فضل سے آخرت میں پورا کرے گا اور خلود دائم مزید برآں (جنت میں ہمیشہ رہنا) ہے۔

ساتویں حجت: یہ ہے کہ بندہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی قیومیت کو دیکھے کیا اس کا یہ قول تو نے نہیں سنا:

اَللّٰہُ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا۔

پس حق سبحانہ وتعالیٰ قیوم ہے دنیا کا اور آخرت کا دنیا کا قیوم تو رزق اور عطا سے ہے اور آخرت کا اجر و جزا سے جب بندہ اپنے رب کی قیومیت اور اس کی نگرانی کا یقین کرلے گا تو اپنا کلی اختیار اس کے حوالے کرے گا اور اپنے کو اس کا مطیع اور منتظر حکم کر کے اس کے آگے ڈال دے گا۔

آٹھویں حجت: یہ ہے کہ بندہ کو عمر بھر احکام عبودیت میں مشتغل رہنے کا حکم ہے بدلیل قول اللہ تعالیٰ کے:

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ

اپنے رب کی عبادت کرتا رہ یہاں تک آپہنچے تجھ کو موت۔

جب اس کی ہمت رعایت عبودیت کی طرف متوجہ ہوگی یہ اس کو تدبیر و فکر کی فر

صت نہ لینے دے گی۔

ایک شیخ کا فرمان: شیخ ابوالحسنؒ کا فرمان ہے کہ جان لینا چاہیے کہ تجھ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا عبودیت میں ایک حق ہے کہ اللہ تعالیٰ بمقتضائے ربوبیت اس کو چاہتا ہے اور بندے سے اس کا مطالبہ ہوگا اور اس حق سے اور اس کی سانسوں سے جو اس کے پاس اللہ کی امانت ہے سوال ہوگا پس اہل بصیرت کو اللہ کے حقوق سے فرصت کہاں ہے کہ اپنے نفس کیلئے تدبیر کر سکیں اور اس کی مصلحتوں میں باعتبار اس کے حظوظ (لذتیں) اور حوائج کی فکر کر سکیں اور اللہ کی منت کاملہ (احسان شناسی) تک کوئی بھی نہیں پہنچتا بغیر اس کے کہ اپنے نفس سے غائب ہو اس کے مقدمے میں زہد اختیار کرے اس کی ہمت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں میں مصروف ہو، اس کی موافقت کے اسباب بکثرت ہوں اور اس کی خدمت اور معاملے پر دوام (ہمیشگی) کرے پس جس قدر تجھ کو اپنے نفس سے غیبت یعنی فنا و دوری ہوگی اسی قدر بقاباللہ (معرفت الٰہی) میسر ہوگا، اسی لئے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں۔ اے وہ شخص جو اپنی راہ نجات کی طرف دوڑتا ہے اس کی درگاہ کا شائق ہے اگر چاہتا ہے کہ تیرا باطن اسرار ملکوت کیلئے کشادہ ہو جائے تو اپنے ظاہر کی طرف نظر کم کیا کر۔

نویں حجت: یہ ہے کہ تو ایک تربیت یافتہ غلام ہے۔ اور غلام کو سزاوار ہے کہ آقا کے ہوتے ہوئے کوئی غم نہ پالے اور ساتھ اس کے وہ آقا افضال کے ساتھ متصف ہے اور اس کو کبھی مہمل نہ چھوڑے گا کیونکہ مقام عبودیت کی جان تو یہ ہے کہ اللہ پر کامل بھروسہ ہو۔ اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے اور یہ دونوں امر تدبیر اور اختیار کے منافی ہیں، بلکہ غلام کا کام یہ ہے کہ خدمت میں لگا رہے۔ آقا اپنی عنایت سے آپ ہی اس کی خبر گیری کرے گا اور غلام کے ذمے خدمت کا سرانجام دینا ہے اور آقا خود ہی اس کی روزی کا انتظام فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا

نَحْنُ نَرْزُقُکَ... آلایہ

اور حکم کرتو اپنے گھر والوں کو نماز کا اور اس پر قائم رہ نہیں مانگتے ہم تجھ سے روزی ہم روزی دیں گے تجھ کو۔

یعنی تم ہماری خدمت کرو ہم اپنی روزی تم تک پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔

دسویں حجت: یہ ہے کہ تجھ کو انجام کار کی خبر نہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی بات میں نفع سمجھ کر اس کی تدبیر کی اور اس میں الٹا نقصان ہو گیا اور بسا اوقات مصیبت کی راہ سے فوائد حاصل ہو گئے اور فوائد کی راہ سے مصیبتیں اور مضرت کی راہ سے مسرت اور مسرت کی راہ سے نقصان اور اکثر بار محنت میں منت اور منت میں محنت پوشیدہ ہوتی ہے، بہت دفعہ دشمنوں کے ہاتھ سے منفعت اور دوستوں کے ہاتھو سے ایذاء پہنچتی ہے جب ایسا قصہ ہے تو عاقل سے کیسے ممکن ہے کہ اللہ کے آگے تدبیر چلائے، حالانکہ اتنی خبر نہیں کہ مسرت کہاں ہے کہ اس کو حاصل کرے اور مضرت کہاں ہے کہ اس سے بچے۔

شیخ ابوالحسنؒ کی دعا: اسی لئے شیخ ابوالحسنؒ کی دعا ہے کہ یا اللہ! ہم جس جگہ جانتے ہیں اور اس کا طریقہ بھی جانتے ہیں وہاں تو اپنے سے ضرر دفع کر ہی نہیں سکتے پس جس جگہ ہم جانتے نہیں نہ اس کا طریقہ معلوم ہو وہاں ہم کیسے عاجز نہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عَسٰۤی اِنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ...الآیۃ

اور بہت مرتبہ تو نے کسی بات کا ارادہ کیا ہوگا اور اللہ نے اس کو ہٹا دیا اور اس وجہ سے اپنے دل میں غم اور تنگی پائی ہوگی مگر جب اس کا انجام معلوم ہوا ہوگا تو سمجھا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے کیسی شفقت فرمائی کہ تجھ کو خبر بھی نہ ہوئی اور اس ارادہ کرنے والے سے بدتر کون ہوگا جس کو فہم نہ ہو اور غلام سے بدتر کون ہوگا جس میں

اطاعت نہ ہو جیسا کسی نے کہا ہے:

بہت کاموں میں چاہا نہیں ہونے دیا تو نے
ہمیشہ مجھ سے زیادہ مجھ پہ تیری مہر بانی ہے
کیا ہے عزم میں نے نہ دیکھوں دل میں خطرہ بھی
مگر سمجھوں یہ تیری جہت سے حکمرانی ہے
ارادہ یہ بھی ہے نہ جاؤں منہیات کے نزدیک
کہ میرے دل میں عظمت ہے تیری کبر شانی ہے

ایک حکایت: کسی کی حکایت ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو کہتا تھا اسی میں کچھ خیر ہے ایک شب اتفاق ہوا کہ اک بھیڑیا آ کر اس کے مرغ کو کھا گیا اس کو اطلاع ہوئی کہنے لگا اسی میں خیر ہوگی اُسی شب اس کے کتے کے کہیں چوٹ لگی اور مر گیا اس کو خبر ہوئی کہنے لگا اس میں خیر ہوگی پھر اس کے گدھے نے چلانا شروع کیا اور مر گیا کہنے لگا اسی میں کچھ خیر ہوگی۔ اس کے گھر والے اس بات سے تنگ ہونے لگے اتفاق ایسا ہو کہ اسی رات کچھ بدو آئے اور محلے والوں کو لوٹا مارا اور بجز اس شخص کے اور اس کے گھر والوں کے کوئی نہ بچا وہ بدو مرغ کتے اور گدھے کی آواز کے پتہ پر آئے تھے اور اس کے یہ سب مر چکے تھے پس ان چیزوں کا ہلاک ہونا اس کیلئے نجات کا باعث بن گیا پس پاک ہے وہ تدبیر کرنے والا حکمت والا، اور جب تک انجام نہیں ظاہر ہوتا اس وقت تک اللہ کی تدبیر کی خوبی بندے کو نظر نہیں آتی اور خاص لوگوں کے مقام سے اس کو کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ جن کو اللہ کی طرف سے فہم عنایت ہوتی ہے وہ تو قبل انجام ظاہر ہونے کے اللہ کی تدبیر کی خوبی کو مشاہدہ کر لیتے ہیں اور ایسے لوگ اس باب میں کئی طرح کے ہیں بعض لوگوں کو اللہ کے ساتھ حسن ظن ہے اللہ تعالیٰ نے جو ان کو اپنے احسان ولطف کا عادی کر رکھا ہے اس سے وہ گردن جھکا دیتے ہیں اور بعضوں کو حسن ظن اس وجہ سے ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اہتمام اور تدبیر اور منازعت (تقدیر سے لڑائی) نہ تو تقدیر کو ٹال سکتی ہے نہ غیر مقسوم (جو قسمت میں

نہیں) چیز کو حاصل کرا سکتی ہے۔ بعضوں کو اس وجہ سے حسن ظن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حکایت فرمائی ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں جس طرح کا گمان میرے ساتھ رکھتا ہے اس لئے وہ حسن ظن کو اور اس کے اسباب کو اختیار کرتا ہے اس امید سے کہ اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہو، پھر اللہ بھی اس کے ساتھ اس کے گمان کے موافق اس کیساتھ برتاؤ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کی راہیں مسلمانوں کیلئے نہایت آسان کردیں کہ ان کے گمانوں کے موافق معاملہ فرمایا۔ خود ارشاد فرماتے ہیں:

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا۔

ان سب مراتب سے بڑھ کر یہ ہے کہ تسلیم تفویض اس وجہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہے نہ ایسی وجہ سے جس کا نفع لوٹ کر اپنی ہی طرف آئے کیونکہ مراتب مذکورہ بالا میں بندہ ابھی اسباب میں گرفتار ہے کیونکہ جو شخص اپنے فوائد کیلئے اس کا مطیع بنا اس کا مطیع بننا تو الطاف بیشمار مہربانیوں کی وجہ سے ہوا اگر یہ الطاف نہ ہوتے تو یہ مطیع بھی نہ ہوتا، دوسرے کا بھی یہی حال ہے کیونکہ یہ سمجھ کر تدبیر سے کچھ فائدہ نہیں، اگر تدبیر کو چھوڑ دیا یہ اللہ کیلئے تو نہیں ہوا کیونکہ اگر اس کو تدبیر کا نافع ہونا معلوم ہوتا تو شاید تدبیر کو نہ چھوڑتا اور جس نے حسن ظن اور اطاعت اس لئے اختیار کی کہ میرے گمان کے موافق مجھ سے معاملہ ہو تو دراصل وہ اپنے حظوظ نفس (نفسانی خواہش) میں سعی کر رہا ہے اس کو اندیشہ صرف یہ ہے کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو افضال جاتے رہیں گے اور جو شخص اللہ کی اطاعت اور حسن ظن اس وجہ سے کرے کہ وہ عظمت الوہیت اور صفت ربوبیت کے ساتھ موصوف ہے پس یہ شخص ہے جو حقیقت حال کو پہنچ گیا اور اس گروہ میں داخل ہونے کے لائق ہو گیا جن کے حق میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: اللہ کے بعضے بندے ایسے ہیں کہ ان کی ایک تسبیح جبل احد کے برابر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام بندوں سے ترک تدبیر کا عہد

لیا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِ هِمْ... آلآیة

کیونکہ اقرار ربوبیت کو یہ بات لازم ہے کہ اس کے آگے تدبیر نہ کریں پس یہ عہد اس وقت ہو چکا ہے کہ جب نفس بھی نہ تھا جو محل اضطراب (پریشانیوں کی جڑ) ہے اور اللہ کے سامنے تدبیر چلاتا ہے اور اگر بندہ اس پہلی حالت پر رہتا کہ پردہ اٹھا رہتا اور حضوری میسر رہتی تو خدا کے آگے اس سے تدبیر کرنا ممکن نہ ہوتا چونکہ حجاب حائل کر دیا ہے اس سے تدبیر و اضطراب واقع ہوا اسی واسطے جو اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اور اسرار ملکوت کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ کے سامنے تدبیر نہیں کرتے کیونکہ اللہ کی معارفت تدبیر کو نہیں ہونے دیتی اور ان کی پکی پکی تدبیریں توڑ دیتی ہے اور اللہ کے روبرو ایسا شخص کیونکر تدبیر کر سکتا ہے جو اس کی درگاہ میں حاضر ہے اور اس کی کبریائی اور عظمت کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

حضرت آدم کا واقعہ اور اس کی حکمتیں

جاننا چاہیے کہ تدبیر و اختیار کا وبال عظیم ہے اور اس کا خطرہ شدید ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے جو غور کیا تو حضرت آدم علیہ السلام میں یہی بات پائی کہ اپنے لئے تدبیر کرنا درخت کھانے کا سبب ہوا کیونکہ شیطان نے آدم و حوا علیہما السلام سے وہ بات کہی تھی جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس قول میں دی۔

قَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْتَكُوْنَا مِنَ الْخَالِدِيْنَo

شیطان نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے اس درخت کے کھانے سے اور کسی سبب سے منع نہیں کیا صرف یہ وجہ ہے کہ کبھی تم دونوں فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ یہاں ہی بس پڑو۔

آدم علیہ السلام نے جب فکر کی تو معلوم ہوا کہ محبوب کے جوار (اللہ کے قریب) میں رہنا تو اعلیٰ درجے کا مقصود ہے اور آدمی سے جو فرشتہ ہونے کا خیال ہوا یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فی الواقع وصف ملکیت افضل ہو یا آدم علیہ السلام کے گمان

میں افضل معلوم ہوا ہو پس اپنے دل میں یہ تدبیر ٹھہرا کر درخت سے کھالیا، پس صرف تدبیر ہی سے ان پر بلا آئی اور اللہ کو یہی منظور تھا تا کہ ان کو زمین کی طرف اتاریں اور اس میں خلیفہ بنا دیں، پس ظاہر میں تو یہ مرتبہ گھٹ جانا تھا اور حقیقت میں ترقی تھی اسی واسطے ابو الحسنؒ نے فرمایا: قسم ہے اللہ کی آدم علیہ السلام کو ان کی شان گھٹانے کیلئے نہیں اتارا گیا بلکہ ان کی تکمیل کیلئے اتارا پس آدم علیہ السلام ہمیشہ ترقی میں رہے کبھی معراج قرب و خصوصیت میں کبھی معراج زاری و انکساری میں اور یہ معراج عند التحقیق اکمل ہے اور ہر ایماندار پر اس کا اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ نبی اور رسول کی جب کوئی حالت بدلتی ہے تو اس سے کامل حالت حاصل ہوتی ہے اس مقام میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کو سمجھو: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ابن عطیہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ پچھلی حالت تمہارے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے اور جب اس کو پہچان چکے تو اب یہ سمجھو کہ حق سبحان وتعالیٰ کے صفات میں سے تدبیر و مشیت (ارادہ) ہے اور اس کی مشیت میں یہ بات ٹھہر چکی تھی کہ بنی آدم سے زمین کو آباد فرمائے گا۔ اور اس میں اس کی مشیت کے موافق اچھے بھی ہوں گے اور اپنی جان پر صریح (کھلا) ظلم کرنے والے بھی ہوں گے اور یہ امر اس کی تدبیر حکمت سے تھا کہ اس کا پورا ہونا اور عالم شہادت میں ظاہر ہونا ضرور ہے پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے چاہا کہ آدم علیہ السلام کا اس درخت سے تناول کرنا ان کے زمین پر جانے کا سبب ہو اور ان کا زمین پر آنا مرتبہ خلافت کے ظہور کا باعث ہو۔ جس سے آدم علیہ السلام پر منت (احسان جتلانا) رکھی ہے۔

شیخ ابو الحسنؒ کا ارشاد: اسی لئے شیخ ابو الحسنؒ نے فرمایا: وہ معصیت کیسی مبارک ہے جس نے خلافت کو ظاہر کیا اور پچھلے لوگوں کیلئے قیامت تک قانون توبہ مقرر کر دیا اور ان کا زمین پر آنا بحکم قضائے الٰہی تھا جو زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے مقدر ہو چکا تھا، اسی واسطے شیخ ابو الحسنؒ نے فرمایا: خدا کی قسم حق تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے زمین پر اتار چکے ہیں جیسے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط

میں بے شک بنادوں گا زمین پر ایک خلیفہ۔

پس یہ اللہ کی تدبیر کی خوبی ہے آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا اور ان کا زمین پر آنا اور منصب خلافت و امامت کے ساتھ ان کو مکرم بنانا جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو ہم کو چاہیے ان فوائد اور خصائص کو ڈھونڈھیں جو اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عنایت فرمائے تا کہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ خاص لوگوں کے حالات اللہ کے ساتھ کیسے ہیں جو اوروں کو میسر نہیں اور ان کے باب میں اللہ کی ایسی تدبیر ہے جس سے اوروں کی طرف توجہ نہیں فرمائی پس آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے میں چند فوائد ہیں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جنت میں آدم و حوا علیہما السلام کو حق تعالیٰ کی معرفت صرف صفت رزق و عطا و احسان و انعام کے ساتھ حاصل تھی اللہ کو اپنے لطف خفی (خاص مہربانی) سے جو اس کی تدبیر میں ہوتا ہے یہ منظور ہوا کہ یہ دونوں اس درخت سے کھائیں تا کہ صفت حلم و ستاری و مغفرت و توبہ و قبولیت دعا کے ساتھ بھی معرفت میسر ہو جائے۔ حلم تو اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس فعل کے کرتے ہی جلدی سزا نہیں دی اور حلیم اسی کو کہتے ہیں جو کسی فعل پر جلدی سزا نہ دے بلکہ مہلت دے اس کے بعد خواہ عفو و انعام ہو یا گرفت و انتقام ہو، دوسری بات کہ حق تعالیٰ نے صفت ستاری کے ساتھ اپنی معرفت ان کو دی یہ اس طور پر ہے کہ جب دونوں نے اس درخت سے کھایا اور تمام لباس جنت کے اتار کر ان کی شرمگاہیں کھل گئیں برگ جنت سے ان کی پردہ پوشی فرمائی جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ o

یعنی دونوں اپنے بدن پر جنت کے پتوں کو ملا ملا کر رکھنے لگے۔

یہ اس کی ستاری ہوئی، تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کو یہ بتلانا منظور ہوا کہ تم ہمارے برگزیدہ ہو اور اس برگزیدگی سے دو مقام پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی طرف

رجوع اور توبہ کرنا اور اس کی طرف سے ہدایت ہونا پس اللہ کو منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام کو ان کی برگزیدگی اور اپنی عنایت سابقہ جتلائیں۔ پس درخت سے کھانا مقدر کر دیا پھر اس کھانے کو نہ اعراض کا سبب بنایا نہ اپنی مدد ان سے موقوف کی بلکہ اس میں اپنی مودت وعنایت کا اظہار فرمادیا جیسا بزرگوں کا قول ہے: جس کے حال پر عنایت ہوتی ہے غلطی اس کو نقصان نہیں پہنچاتی بعضی دوستی کو مخالفت قطع کر دیتی ہے مگر حقیقی دوستی وہی ہے جو دوست کی طرف سے ہمیشہ ہو خواہ موافقت کر و یا مخالفت اور جو اللہ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ یعنی پھر ان کے رب نے ان کو برگزیدہ کرلیا۔

اس سے یہ مت سمجھ جانا کہ اجتباء حادث ہے بلکہ وہ قبل وجود آدم ہے البتہ ظہور اثر اجتبائیت بے شک حادث ہے اسی کو فرمایا اللہ تعالیٰ نے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ یعنی ان کو توبہ کی توفیق اور ہدایت دے کر اثر اجتبائیت اور عنایت کو ظاہر کر دیا پس اس آیت میں:

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى

تین باتیں بتلائیں ایک اجتبائیت دوسرے توبہ جو نتیجہ اجتبائیت کا ہے تیسرے ہدایت جو نتیجہ توبہ ہے اچھی طرح سمجھ لو کہ پھر ان کو زمین پر لا کر اپنی صفت حکمت کے ساتھ ان کو اپنی معرفت دی۔ جیسا جنت میں صرف غلبۂ قدرت کے ساتھ معرفت دی تھی اور یہ اس طرح ہے کہ دنیا وسائط اور اسباب کا مقام ہے، جب آدم علیہ السلام زمین پر آئے جوتنا بونا جس قدر سامان زندگی کی حاجت ہوتی ہے سب ان کو سکھایا تاکہ اس چیز کو محقق (ثابت) کر دے جو قبل ان کے زمین پر اتارنے کے یہ کہہ کر ان کو بتلا دی تھی۔

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى۝

کہیں شیطان تم کو جنت سے نہ نکال دے پھر مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

پس مراد تشقیٰ سے مشقت ہے نہ شقاوت دلیل اس کی یہ ہے کہ تشقیٰ مفرد لائے

جس میں صرف آدم علیہ السلام مخاطب ہیں۔ تشقیا تثنیہ نہیں لائے کہ آدمؑ وحوّا دونوں مخاطب ہوتے، کیونکہ تعب اور کلفت تو سب کا سب مردوں کی جان پر ہوتا ہے نہ کہ عورتوں پر جیسا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ

اور اگر شقاوت مراد ہوتی جو قطع تعلق یا وجوب حجاب سے ہوتی ہے تو فتشقیا فرماتے پس مفرد لانا دلیل ہے اس پر کہ یہاں شقاء وہ نہیں جو قطع و دوری سے ہوتی ہے پھر اگر تثنیہ بھی ہوتا تب بھی نیک گمان پر اس کو حمل کر کے یہی ظاہری تکلیفیں تاویل میں مراد لیتے۔

فائدہ جلیلہ: جاننا چاہیے کہ آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا عنادہ خلاف کی راہ سے نہ تھا پس یا تو آدم علیہ السلام بھول گئے کھانے کے وقت یاد نہیں رہا اور بعضوں کا قول یہی ہے اور اسی پر محمول ہے قول اللہ تعالیٰ کا: فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْلَہٗ عَزْمًا ○ یا یوں کہو کہ کھانے کے وقت یاد تھا، پھر کیوں کھایا؟ پس یا تو یہ وجہ ہے کہ شیطان نے یوں بہکایا کہ تم کو جو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے صرف اس وجہ سے ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ یہاں ہی رہ پڑو چونکہ ان کو اللہ کے ساتھ محبت اور فریفتگی تھی ایسی چیز کو پسند کیا جو اللہ کے جوار میں ان کو ہمیشہ یاد رکھے یا ان کو فرشتہ بنادے کیونکہ آدم علیہ السلام ملکیت کا قرب معائینہ فرما چکے تھے، (فرشتوں کے مرتبے کو قریب سے دیکھ چکے تھے) اس لئے درخت سے کھالیا تاکہ رتبہ ملکیت کا حاصل کریں جو کہ واقع میں یا صرف ان کے گمان میں افضل تھا، چنانچہ علماء اور عرفا میں اختلاف ہے کہ ملکیت افضل ہے یا نبوت خصوصاً جبکہ اس ملعون نے قسم کھا کر یہ بھی کہہ دیا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں آدم علیہ السلام کو گمان بھی نہ تھا کہ کوئی اللہ کی قسم جھوٹی کھائے گا۔ پس وہی ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے دونوں کو دھوکے میں لٹکا دیا۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ آدم علیہ السلام جو کھاتے تھے اس کی گندگی نہ ہوتی تھی بلکہ پسینہ آجاتا تھا جس میں مشک کی خوشبو ہوتی تھی، جیسے جنت والوں کو جنت میں ہوگا،

لیکن جب اس درخت سے کھایا جس سے ممانعت تھی پیٹ میں درد اٹھا، حکم ہوا اے آدم! یہاں کہاں موقعہ ہے، آیا تخت پر یا چھپر کھٹ پر یا نہروں کے کناروں پر زمین پر جاؤ جہاں یہ ممکن ہے، پس جب ذریعہ معصیت کے آثار آدم علیہ السلام تک پہنچے تو حقیقی معصیت کے آثار عاصی تک کیسے نہ پہنچیں گے خوب سمجھ لو۔

تنبیہ و اعتبار: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ مشابہ اس درخت کے ہے اور جنت اللہ کی حضوری ہے، اور آدم تیرا قلب ہے اور جو تیرا نفس ان دونوں کو خطاب ہوتا ہے کہ اس درخت کے پاس مت جانا کبھی ظالموں سے ہو جاؤ، لیکن اتنا فرق ہے کہ آدم علیہ السلام کو عنایت گھیرے ہوئے تھی جب انھوں نے درخت سے کھایا، خلافت کیلئے زمین پر بھیج دیئے گئے اور تو اگر درخت نہی سے کھائیگا زمین عداوت پر پھینک دیا جائے گا۔ اور تیرا دل کہ مشابہ آدمؑ ہے مشقت میں پڑ جائے گا اور اس عداوت کی کلفت قلب کو ہوتی ہے نہ کہ نفس کو کیونکہ ایسے وقت میں تو اس کے مزاج کے مناسب چیزیں ہوتی ہیں۔ یعنی تلذذات اور شہوات اور غفلت میں غرق ہونا۔

ترتیب و بیان: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آدم علیہ السلام کو اپنی معرفت عنایت فرمائی صفت ایجاد کے ساتھ تو پکارا انھوں نے یَا قَدِیْرُ پھر صفت ارادے کے ساتھ پکارا یَا مُرِیْدُ پھر صفت حکومت کے ساتھ جو اکل شجر (درخت سے کھانے) سے منع کرنے میں تھی تو پکارا یَا حَاکِمُ پھر کھانا ان پر مقدر کیا تو پکارا یَا قَاہِرُ پھر کھانے کے بعد جلدی سے سزا نہیں دی تو پکارا یَا حَلِیْمُ پھر اس مقدمے میں ان کو رسوا نہیں کیا تو پکارا یَا سَتَّارُ پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تو پکارا یَا تَوَّابُ پھر اس کا مشاہدہ کرایا کہ درخت کھانے سے دوستی قطع نہیں کی تو پکارا یَا وَدُوْدُ پھر ان کو زمین پر بھیجا اور سامان زندگی کا ان کیلئے آسان کر دیا تو پکارا یَا لَطِیْفُ پھر اپنے احکام میں ان کو قوت بخشی تو پکارا یَا مُعِیْنُ پھر کھانے اور منع کرنے اور زمین پر آنے کے اسرار ان کو مشاہدہ کرائے تو پکارا یَا حَکِیْمُ پھر ان کو دشمن (یعنی شیطان اور نفس) اور

مکار پر غالب کیا تو پکارا یــاانصِیرُ پھر بار عبودیت برداشت کرنے میں ان کی مدد فرمائی تو پکارا یــاظَہِیرُ پس زمین پر ان کو اسی واسطے بھیجا کہ احکام تصریف کی تکمیل فرمائے اور احکام تکلیف میں ان کو قائم کردے تو آدم علیہ السلام میں دونوں عبودیتیں کامل ہوگئیں، عبودیت تصریف بھی اور عبودیت تکلیف بھی، پس اللہ تعالیٰ کی ان پر بڑی منت ہے اور اس کا بڑا احسان ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو۔

رجوع بمطلب: جاننا چاہیے کہ سب سے بڑا مقام جس میں بندے کو قائم ہونا چاہئے مقام عبودیت ہے اور تمام مقامات اس مقام کی نسبت مثل خادم کے ہیں اور دلیل اس دعوی کی کہ عبودیت سب سے بڑا مقام ہے اللہ تعالیٰ کے یہ قول ہیں:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاًo وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَاo کٓھٰیٰعٓصٓo ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّاo وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰہِ یَدْعُوْہُo

ان سب آیات میں رسول اللہ ﷺ کو عبد فرمایا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ کو نبی یا بادشاہ یا نبی یا بندہ ہونے کا اختیار دیا گیا۔ آپ نے عبودیت کو ہی اختیار کیا پس یہ بڑی دلیل ہے اس کی کہ یہ سب مقامات سے افضل اور تمام طرق قرب سے اعظم ہے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: میں تو بندہ ہوں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور فرمایا کہ: میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور میں کچھ لڑائی نہیں کرتا۔ میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے لاَ فَخْرَ کے معنی یہ ہیں کہ میں سرداری پر فخر نہیں کرتا میرا فخر تو عبودیت سے ہے اور اسی لئے ایجاد واقع ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِo

اور عبادت صورت عبودیت ہے اور عبودیت روح عبادت ہے جب اس کو تم نے سمجھ لیا تو اب سمجھو کہ عبودیت کی روح ترک اختیار اور تقدیر سے منازعت نہ کرنا ہے، پس اس سے ظاہر ہوا کہ بندگی کی حقیقت یہ ہے کہ پروردگار کے آگے

تدبیر و اختیار ترک کر دے۔ ہر گاہ اتمام مقام عبودیت کا جو اشرف المقامات ہے ترک تدبیر پر موقوف ہے تو بندے کو سزاوار ہے کہ اس کو ترک کر دے اور تسلیم و تفویض کی راہ پر چلے تاکہ مقام اکمل اور مسلک افضل تک پہنچے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا کہ آہستہ پڑھتے ہیں اور حضرت عمرؓ کو سنا کہ پکار پکار کر پڑھ رہے ہیں آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ تم آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے؟ عرض کیا: جس سے باتیں کرتا تھا وہ سنتا تھا۔ حضرت عمرؓ سے پوچھا تم پکار کر کیوں پڑھتے تھے عرض کیا میں سوتوں کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ: تم اپنی آواز ذرا اونچی کرو اور حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ تم اپنی آواز ذرا پست کرو۔ ہمارے شیخ ابو العباسؒ فرماتے تھے اس مقام پر رسول اللہ ﷺ کو منظور یہ تھا کہ دونوں صاحبوں سے ان کا ارادہ چھڑا کر اپنے ارادے کی طرف لائیں۔

__تنبیہ:__ خدا تیرا بھلا کرے اس حدیث میں غور کر تجھ کو معلوم ہو جائیگا کو اپنے ارادے سے باہر آنا تیری عبادت ہے۔ کیونکہ ابوبکرؓ و عمرؓ سے جب رسول اللہ ﷺ نے وجہ پوچھی تو ہر ایک نے ایک وجہ وجیہ وقصد صحیح عرض کیا اس کے بعد بھی رسول اللہؐ ان کو ان کے ارادہ و اختیار سے علیحدہ کر کے اپنے اختیار کی طرف لائے۔

__فائدہ:__ جاننا چاہیے کو بنی اسرائیل جب وادی تیہ میں داخل ہوئے اور من وسلویٰ ملنے لگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی کیلئے یہی پسند فرمایا تھا کہ بلا محنت و مشقت محض منت و احسان سے عنایت ہوتا تھا چونکہ وہ اس کے عادی نہ تھے اور اللہ کی تدبیر کا مشاہدہ نصیب نہیں ہوا تھا ان کی کیفیت طبائع اسی پرانی عادت کی طرف راغب ہوئی اور کہنے لگے: اپنے رب سے دعا کرو کہ زمین کے ان نباتات میں سے ہمارے لئے پیدا کرے، ساگ ہے، ککڑی ہے، لہسن ہے، مسور ہے، پیاز ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم ادنیٰ چیز اچھی چیز کے بدلے چاہتے ہو۔ شہر میں اترو وہاں پر تمہاری منہ مانگی چیز ملے گی اور ان پر ذلت وخواری جم گئی اور اللہ کے غضب میں پھر آئے اور

یہ اس لئے ہوا کہ انہوں اللہ کی پسندیدہ چیز کو جو ان کی حالت کے مناسب تھی اپنی پسند کی ہوئی چیز کے سامنے چھوڑ دیا تو ان کو بطریق توبیخ کہا گیا:

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ

اس کی ظاہری تفسیر تو یہی ہے کہ آیا لہسن، پیاز، مسور، کو من وسلوٰی کے عوض میں چاہتے ہو، حالانکہ کہ یہ دونوں عین لذت اور بے مشقتی میں برابر نہیں۔

یعنی من وسلوٰی لذیذ ہے اور بے محنت ملتا ہے بخلاف تمہاری عادی چیزوں کے کہ ان میں نہ تو وہ لذت ہے اور مصیبت و مشقت الگ رہی۔ اور معنی اسراری یہ ہیں کہ کیا ادنیٰ چیز کو کہ وہ تمہارا ارادہ ہے اعلیٰ سے کہ وہ ہمارا ارادہ ہے بدلنا چاہتے ہو۔

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ. الآیته

اس کے معنی اسراری یہ ہیں کہ آسمان تفویض اور تدبیر و اختیار مابدولت سے اپنی تدبیر و اختیار کی زمین پر اترو اور ذلت اور خواری کے ساتھ موصوف ہو کیونکہ اللہ کی تدبیر و اختیار کے روبرو اپنی تدبیر و اختیار چلاتے ہو اور اگر یہ امت تیہ میں ہوتی تو ایسی بات کبھی نہ کہتی جو بنی اسرائیل نے کہی کیونکہ ان کے انوار شفاف ہیں اور اسرار دور تک پہنچے ہیں کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ بنی اسرائیل نے ابتداء میں حضرت موسی علیہ السلام سے کہا تھا:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۝

اور اسی سے تیہ میں مبتلا ہوئے اور آخر میں یہ کہا: اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ الخ اول میں اللہ کی فرمانبرداری سے انکار کیا اور آخر میں اختیار خداوندی کے غیر کو اپنے لئے اختیار کیا، اور ان سے بار بار ایسی بہت سی باتیں ہوئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طریقت اور حقیقت سے بالکل بے بہرہ تھے، کہیں کہتے ہیں: اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا دکھلا دے کہیں موسی علیہ السلام سے فرمائش ہے: اَجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ یعنی ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو جیسا ان لوگوں کے

پاس ایک معبود ہے یہ اس وقت کہا تھا کہ جب دریا رشگافتہ ہوا (یعنی پھٹ گیا) او ر یہ پار اتر گئے، وہاں ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے بتوں کے روبرو بیٹھک جمائے بیٹھی تھی، حالانکہ ابھی دریا کی نمی پیروں سے خشک نہیں ہوئی واقع میں یہ ایسے ہی تھے جیسا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: بے شک تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت کرتے ہو اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری حالت بیان کی۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ.

یعنی ہم نے پہاڑ اٹھا کر ان پر کھڑا کر دیا جیسا سائبان ہوتا ہے اور ان کو یقین ہوا کہ اب اگر حکم ہوا اختیار کرو جو احکام ہم نے تم کو دیئے ہیں ہمت کے ساتھ اور اس امت نے اپنے قلوب پر کوہ ہیبت و عظمت کو اٹھا لیا (یعنی باری تعالیٰ کے جلال و بڑائی کے پہاڑ کو دل پر رکھ لیا) پس قوت ایمان سے کتاب اللہ کو اختیار کر لیا پس اس پر ثابت رہے اور اس امر میں تائید کئے گئے اور گئو سالہ پرستی وغیرہ سے محفوظ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پسند کیا اور احکام کو اس کیلئے پسند فرمایا اور اپنے ان اقوال میں اس کی تعریف فرمائی:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

یعنی تم بہت اچھے گروہ ہو جو لوگوں کے فائدہ وہدایت کیلئے پیدا کئے گئے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

یعنی ہم نے بنایا تم کو گروہ وسط یعنی عادل نیک۔

پس اس سے تجھ کو ظاہر ہو گیا کہ تدبیر و اختیار بڑا سخت گناہ اور وبال ہے جب تجھ کو یہ منظور ہو کہ اللہ کی طرف سے تیرے لئے کوئی اچھی بات تجویز کی جائے تو اپنی تدبیر کو ساقط کر دے اور اگر یہ منظور ہو کہ تیرے لئے عمدہ تدبیر کی جائے تو اپنی تدبیر کا اس کے آگے دعویٰ مت کر اور اگر تجھ کو مراد تک پہنچنا منظور ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ اس کے آگے کچھ مراد نہ رہے۔

حضرت بایزید کی تمنا: اسی لئے حضرت بایزید سے پوچھا گیا کہ کیا چاہتے ہو، تو کہا یہی چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں پس ان کی آرزو اور خواہش اللہ سے یہی ہوئی کہ ان کا ارادہ جاتا رہے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ بڑی کرامت ہے اور بڑی قربت ہے کبھی خاص لوگوں سے ظاہر میں کرامتیں ہوتی ہیں مگر کچھ بقیہ تدبیر کا اس میں مخفی ہوتا ہے حقیقی اور کامل کرامت یہی ہے کہ تدبیر کو ترک کردے اور اس کے حکم کے آگے تفویض اختیار کرے۔

شیخ کا ارشاد: اسی لئے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ دو ہی تو جامع کرامتیں ہیں ایک کرامت ایمان جس سے یقین بڑھے اور عیاں مشہود ہو، دوسری کرامت عمل کہ جس میں اقتدا و متابعت ہو (یعنی تقدیر پر راضی رہنا ہو) اور دعوی اور دھوکے سے اجتناب ہو جس کو یہ دونوں کرامتیں نصیب ہوگئیں پھر وہ کسی اور کرامت کا طالب ہو اپس وہ آدمی یا تو فریب خوردہ جھوٹا ہے یا علم اور عمل میں غلط کار ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کو بادشاہ کی حضوری کا اعزاز خوشنودی کے ساتھ دیا گیا پھر وہ گھوڑوں کی سائیسی کا مشتاق ہوا اور بادشاہ کی خوشنودی کا لباس اتار دیا اور جس کرامت کے ساتھ۔۔۔ اللہ سے راضی ہونا مقرون (حاصل) نہ ہو وہ کرامت والا یا تو استدراج ہے یا دھوکے میں ہے یا ناقص ہے یا ہلاکت میں ہے۔ اب یہ معلوم کرو کہ کرامت کا کرامت ہونا اللہ کی رضا حاصل ہونے پر موقوف ہے اور لوازم رضا سے یہ ہے کہ تدبیر ترک کردے اور اس کے روبرو اختیا معدوم کردے۔ جاننا چاہیے کہ بعضوں نے بایزیدؒ پر اعتراض کیا ہے کہ جب انہوں نے ارادہ کیا کہ کچھ ارادہ نہ کریں، تو یہ بھی ایک ارادہ ہے اور یہ اعتراض کسی بے علم کا ہے کیونکہ مراد بایزیدؒ کی یہ ہے کہ میں ارادہ نہ کروں کیونکہ اللہ کو ان کے اور تمام بندوں کیلئے یہ بات پسند ہے کہ ارادہ نہ کریں، پس یہ اس ارادہ میں اللہ کے ارادہ موافق ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ مراد بایزیدؒ کی مطلق ارادے کی نفی نہیں بلکہ جو ارادہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔ اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے کہ: جتنی چیزیں شرع کی

پسندیدہ اور ترتیب دادہ ہیں، یعنی مقرر کی ہوئی ہیں تیرا اس میں کچھ اختیار نہیں بس سنا کر اور مانا کر، یہ مقام فقہ ربانی اور علم لدنی کا ہے اور یہ علم حقیقت کے نزول کی زمین ہے جو اللہ سے حاصل کیا جاتا ہے، اس شخص کیلئے جو قرار پکڑے۔ ختم ہوا کلام شیخ کا۔ پس شیخ نے اپنے کلام میں یہ بات بتلا دی کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ ہیں ان کا اختیار کرنا مقام و عبودیت کے خلاف نہیں جس کی بنیاد ترک اختیار پر ہے۔ تاکہ کوئی عقل نا حقیقت شناس اس سے دھوکہ نہ کھائے اور یہ نہ سمجھنے لگے کہ وظائف اور اورا دو سنن موکدہ کے ارادہ کرنے سے مقام عبودیت سے نکل جائے گا کیونکہ اختیار تو کر لیا اسی لئے شیخ نے بیان فرمادیا کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ اور ترتیب دادہ ہیں ان میں کچھ اختیار نہیں۔

کہ اس کو بھی چھوڑ کر بیٹھ جائے لیکن وہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ تجھ کو یہ حکم ہے کہ اپنی تدبیر و اختیار سے نکل، نہ کہ اللہ اور رسولؐ کی تدبیر سے بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو پس تم کو معلوم ہو گیا کہ بایزیدؒ نے جو ارادہ نہ کرنے کا ارادہ کیا وہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے۔ ارادہ نہ کریں اس ارادے کے سبب وہ عبودیت سے خارج نہیں ہو سکتے جو ان سے مطلوب ہے پس معلوم ہو گیا کہ طریق موصل الی اللہ محو کرنا ہے (اللہ تک پہنچنے کا صحیح اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ ارادہ و اختیار چھوڑ دے) ارادے کا اور چھوڑنا ہے خواہش کا یہاں تک کہ شیخ ابو الحسنؒ فرماتے ہیں کہ ولی کبھی اللہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس کی ایک تدبیر و اختیار بھی باقی رہے اور میں نے اپنے شیخ ابو العباسؒ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ: بندہ اللہ تک نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ یہ پہنچنے کی خواہش بھی اس کی ختم ہو جائے۔ مراد انقطاع سے واللہ اعلم انقطاع ادب معلوم ہوتا ہے نہ انقطاع ملال۔

انقطاع آرزو کبھی غایت ادب سے ہوتا ہے کہ مانگنے کو خلاف ادب جانتا ہے، اگر چہ مطلوب کا شوق سینہ میں مشتعل ہے اور کبھی ملال سے ہوتا ہے کہ مطلوب سے جی اکتا گیا اس لئے نہیں چاہتا تو اولیاء اللہ کو جو وصول الی اللہ کی آرزو منقطع ہوتی ہے

وہ انقطاع ادب ہے نہ انقطاع ملال۔

یہ انقطاع اس وجہ سے ہے کہ قرب کے وقت مشاہدہ کرتا ہے کہ میں تو اس قابل نہ تھا اور اپنے کو اس مقام کی اہلیت سے حقیر سمجھتا ہے اس وجہ سے خواہش وصول منقطع ہو جاتی ہے، یہ نہیں کہ اس سے جی اکتا گیا، یا بھر گیا، یا ہٹ گیا، پس اگر چاہتے ہو اشراق وتنویر (نور معرفت) کو تو اختیار کرو ترک تدبیر اور اللہ کی طرف بزرگوں کی راہ سے چلو جو ان کو ملا ہے تم کو بھی ملے گا۔

چلو راہ پر ان کی طریقہ دل سے لو ان کا
پہنچ جاؤ گے منزل پر یہی وادی کی جانب ہے

اور ہمارے اس مضمون میں ابتدائے عمر کے چند اشعار ہیں جو کسی دوست کی خاطر لکھے تھے۔

اے یار قافلہ تو یہ جلدی نکل گیا — ہم یوں ہی بیٹھے رہ گئے اب تم کرو گے کیا
کیا اس پہ تم ہو راضی کہ پیچھے پڑے رہو — جھگڑے ہوس تو آہی گرا دے تمہیں ہوا
عالم کی کہہ رہی ہے زباں یہ پکار کر — جتنے ہیں کائنات یہ ہو جائیں گے فنا
رستہ نجات کا نظر اس کو آئے گا — بچ کر طمع سے پھینک دے سب حق کے ماسوا!
جو حق کی دید خلق سے پہلے ہی دیکھ لے — صانع کے آگے دے گا وہ مصنوع کو اڑا
جو راہ چلتے ہیں نظر آتے ہیں ان کو نور — جن کا ہے رخ ادھر ہیں اسرار نہ پہ وا
اٹھ دیکھ خلق کو کہ محیط اس کو ہے نور — اور صبح قریب ہے کہ طلوع اس نے ہی کیا
ہو کر غلام اس کا تو ہو جا مطیع حکم — تدبیر چھوڑ کہ نہیں اس میں فائدہ
تدبیر کیا کرے گا کہ حاکم تو اور ہے — جھگڑا کرے حکم خدا میں کہیں بپا
اپنے ارادے اور مشیت کو محو کر — مقصود خوب سن لے کہ ہے گا یہی بڑا
اگلے یوں ہی چلے تھے کہ مقصد کہ پا گئے — پیرو جو ان کا ہو تو وہ جائے یوں ہی چلا
رو دے وہ اپنی جان کو کرتا جو ہو طلب — محبوب کی نہ دیکھی مگر ایک بھی ادا
رونا جسے ہو رو دے وہ بیٹھ اپنی جان کو — کیا عمر یوں ہی لہو میں ہو جائے گی فنا

جان تو اللہ تعالیٰ تجھ کو توفیق دے کہ اللہ کے ایسے ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تادیب وتعلیم کی وجہ سے وہ لوگ اپنی تدبیر سے خارج ہو گئے، پس انوار نے ان کی پختہ تدبیروں کو توڑ ڈالا اور معارف واسرار نے ان کے کوہ اختیار کو چور چور کر ڈالا۔ پس مقام رضا میں ان کی منزل ہو گئی اس مقام کی لذت ان کو ملی، پس اللہ سے فریاد کرنے لگے اس خوف سے کہ کہیں حلاوت رضا میں مشغول ہو کر اس کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔

یعنی تسلیم وتفویض کا ایسا غلبہ ہوا کہ رضا کا قصد کرتے بھی ڈرتے ہیں۔ شیخ ابو الحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں ابتدائے عمر میں تدبیریں کیا کرتا تھا کہ کیا طاعتیں کروں اور اس کے کیا اسباب مہیا کروں، کبھی کہتا تھا میدانوں اور جنگلوں میں جا پڑوں کبھی کہتا شہروں اور آبادیوں میں رہوں کہ وہاں علماء اور نیک لوگوں کی صحبت میسر ہو، مجھ سے کسی نے ایک ولی کی تعریف کی جو ملک میں مغرب میں کسی پہاڑ پر رہتے تھے، میں اس پہاڑ پر چڑھا اور ان کے پاس شب کو پہنچا اور اس وقت ان کی خدمت میں جانا نامناسب سمجھا، میں نے ان کو یہ دُعا مانگتے ہوئے سنا یا، الٰہی بہت لوگ تجھ سے یہ دُعا کرتے ہیں مخلوق کو ان کا مسخر کر دے اور تو ان کو عنایت کر دیتا ہے اور وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے ہیں، یا الٰہی میری تو یہ دُعا ہے کہ تمام مخلوق مجھ سے ٹیڑھی ہو جائے تاکہ تیرے سوا میری کوئی پناہ ہی نہ رہے میں نے سوچا اے دل تو غور کر یہ شیخ کس دریا سے چلو لے رہے ہیں، شب کو ٹھہرا رہا جب صبح ہوئی ان کے روبرو گیا اور سلام کیا پھر پوچھا کہ جناب کا کیا حال ہے کہنے لگے جیسے تم کو حرارت تدبیر واختیار کی شکایت ہے مجھ کو برودت تسلیم ورضا کی شکایت ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت حرارت تدبیر واختیار سے جو مجھ کو شکایت ہے اس کا مزہ تو چکھ چکا ہوں اور اس وقت بھی چکھ رہا ہوں لیکن آپ کی جو شکایت برودت رضا وتسلیم سے ہے اس کے معنی میری سمجھ میں نہیں آئے، کہنے لگے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ڈرتا ہوں کہ ان دونوں کی حلاوت اللہ تعالیٰ سے مجھے غافل نہ کر دے، پھر میں نے کہا حضرت شب گذشتہ میں

نے آپ کو یہ دُعا کرتے ہوئے سنا کہ: یاالٰہی! بہت لوگ تجھ سے یہ دُعا کرتے ہیں کہ مخلوق کو ان کا مسخر کر دے اور تو ان کو عنایت کر دیتا ہے اور وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے ہیں، یاالٰہی میری تو یہ دُعا ہے کہ تمام مخلوق مجھ سے ٹیڑھی ہو جائے تاکہ تیرے سوا میری کوئی پناہ ہی نہ رہے، پس تبسم فرمایا اور کہا اے میرے بچے! بجائے سَخِّرْ لِیْ خَلْقَکَ (اے اللہ اپنی مخلوق کو میرے لئے مسخر کر دے) کے یوں کہا کر: یَارَبِّ کُنْ لِی (اے پروردگار تو میرا ہو جا)۔ غور کر اگر ساری مخلوق تیری ہو گئی کیا تجھ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے، یہ کیسی کم ہمتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں درسِ عبرت

جاننا چاہئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان اسی واسطے ہلاک ہوا کہ اس نے اپنی تدبیر کی طرف رجوع کیا اور جو تدبیر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے کشتی والے ساتھیوں کیلئے فرمائی اس پر راضی نہ ہوا، نوح علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اے بچہ! تو بھی ہمارے ساتھ چڑھ جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو، کہنے لگا: میں کسی پہاڑ پر جا بیٹھوں گا جو مجھ کو پانی سے بچا لے گا۔ انہوں نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچنے والا نہیں، ہاں مگر جس پر اس کی مہر ہو، پس باعتبار معنی کے اس نے کوہ عقل کی پناہ لی اور ظاہر میں جس پہاڑ کی پناہ لی تھی وہ اس جبل معنوی کی صورت تھی پس وہی حال ہوا جس کی خبر اللہ نے دی۔

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ.

یعنی دونوں کے درمیان ایک موج کی آڑ ہو گئی اور ڈوب گیا۔

ظاہراً تو طوفان میں اور باطناً حرمان میں۔

مقام عبرت

اے بندے! ذرا عبرت حاصل کر جس وقت تقدیر کی موجیں تجھ پر تلاطم کریں اس وقت اپنی عقل باطل کے پہاڑ کی طرف رجوع مت کرنا کہ دریائے فراق میں نہ

ڈوب جائے بلکہ کشتی توکل میں بیٹھ جانا، جس نے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی وہ سیدھی راہ پر پہنچا، اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کو کافی ہے جب تو ایسا کرے گا کشتی نجات تجھ کو لے کر جودی امن (امن اور سلامتی کی پہاڑی) پر قرار پکڑے گی، پھر تو اس پر جا اترے گا سلامتی قرب اور برکات وصل کے ساتھ جو نازل ہوں گی تجھ پر اور ان پر جو تیرے ساتھ جماعتیں ہیں اور وہ تیرے وجود کے عالم ہیں خوب سمجھو غافل مت بنو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور جاہل مت بنو، پس تجھ کو معلوم ہو گیا کہ تدبیر و اختیار کا ترک کرنا بڑی ضروری چیز ہے جس کو اہل یقین لازم سمجھتے ہیں اور عبادت والے اس کو طلب کرتے ہیں اور بڑی شریف چیز ہے جس کے ساتھ اہل معرفت آراستہ ہوتے ہیں، میں نے خانہ کعبہ کے روبرو ایک عارف سے پوچھا کہ آپ کی واپسی کس طرف کو ہوگی، کہنے لگے کہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک عادت ہے کہ میرا ارادہ میرے قدم سے تجاوز نہیں کرنے پاتا۔

مطلب یہ کہ ارادہ بالکل مقدم نہیں ہوتا۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں چلے جائیں اور میں اکیلا رہ جاؤں مجھ کو دونوں گھروں میں کچھ بھی تمیز نہ ہو کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا، پس یہ حال ہوتا ہے اس شخص کا جس کے اختیارات اور ارادے محو ہو گئے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مراد کے آگے اس کی کچھ مراد نہ رہی ہو۔ جیسے بزرگان پیشین سے کسی کا قول ہے کہ: میری خواہش تقدیر الٰہی کے مقام میں ہے ابو حفص حداد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ: چالیس سال سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جس حال میں رکھا میں نے اس کو ناپسند نہیں کیا اور جس حالت کی طرف منتقل کیا اس سے میں ناخوش نہیں ہوا اور ایک بزرگ نے مجھ سے فرمایا کہ چالیس سال سے یہ خواہش کر رہا ہوں کہ مجھے کچھ خواہش نہ رہے تاکہ خواہش کی چیز ترک کر دوں مگر کوئی چیز خواہش کی نہیں ملتی۔ جس کے ترک کیلئے نفی خواہش کی خواہش کروں، پس یہ وہ قلوب ہیں جن کی رعایت و حمایت خود حق تعالیٰ فرماتا ہے، تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا:

إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا (یعنی شیطان کا) کچھ زور نہیں چلے گا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مقام عبودیت کے ساتھ ان کا محقق ہونا ربوبیت کے آگے ان کا اختیار نہیں ہونے دیتا اور نہ گناہ کرنے دیتا نہ کسی عیب میں آلودہ ہونے دیتا ہے اور فرمایا حق سبحانہ وتعالیٰ نے:

انه ليس له سلطان على الذين امنو اورلي ربهم يتو كلون○

بیشک بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان پر نہیں چلتا جو اللہ پر یقین لائے اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔

پس جن قلوب میں شیطان کا قابو نہ چلے اس میں وسوسہ تدبیر اور اس سے قلب کا مکدر ہونا کدھر سے آئے گا اور اس آیت میں اس کا بیان بھی ہے کہ: جو شخص ایمان اور توکل کو ٹھیک کرے اس پر شیطان کا بس نہیں چلتا، کیونکہ شیطان دو طرح سے آتا ہے یا تو عقائد میں شک ڈال دیتا ہے یا مخلوق کی طرف مائل کر کے اس پر اعتماد کراتا ہے، شک کی نفی تو ایمان سے ہوگئی اور اعتماد علی الخلق کی نفی توکل سے ہو جائے گی۔

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ مومن کو کبھی تدبیر سے خطرات آتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کو اس میں نہیں رہنے دیتا اور اس حالت میں نہیں چھوڑتا کیا تم نے اللہ کا فرمان نہیں سنا:

الله ولي الذين امنو النخرجهم من الظلمات الى النور

کہ اللہ دوست ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان تاریکیوں سے طرف نور کے۔

پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ اہل ایمان کو ظلمات تدبیر سے انوار تفویض (حکم الٰہی کے سامنے گردن رکھنے) کی طرف لاتا ہے اور استقلال حق کو اضطراب باطل پر غالب کرتا ہے پس وہ اس باطل کے بنیادوں کو ہلا دیتا ہے اور اس کی عمارت کو گرا دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بل نقذف بالحق على الباطل فيد مغه فاذاهوا زاهق

بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پس وہ اس کا مغز توڑ دیتا ہے اور وہ باطل جاتا

رہتا ہے۔

اور مومن پر اگرچہ اضطراب اور تدبیر کے خطرات آتے ہیں مگر وہ گذرتے چلے جاتے ہیں، ان کو ثبات نہیں ہوتا اور مضمحل ہو جاتے ہیں، ان کا وجود نہیں رہتا، کیونکہ نور ایمان ان کے دلوں میں ٹھہر گیا ہے اور اس کے انوار نے ان کے سرکش نفوس کو دبا دیا ہے اور اس کی چمک نے ان کے قلوب کو بھر دیا ہے اور اس کی روشنی نے ان کے سینے کھول دیئے ہیں، پس ایمان جو ان کے دلوں میں جا ٹھہرا ہے وہ اور کسی کو نہیں بسنے دیتا بلکہ کبھی کچھ اونگھ سی ہو جاتی ہے جس میں تدبیر کی خیالی صورت کا آنا ممکن ہے، پھر ان کے دل جاگ اٹھتے ہیں، وہ خیالی صورت جو ایک خواب کی سی تھی جاتی رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ٥

یعنی جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جب کوئی شیطانی خیال ان کو آ چھوتا ہے وہ فوراً چونک اٹھتے ہیں، پس اس وقت وہ سوجھ والے ہو جاتے ہیں۔

ف: مصنف کی قرائت طیفٌ بروزن ضیفٌ ہے فائدہ دہم سے معلوم ہوتا ہے اور اس آیت میں چند فوائد ہیں۔

فائدہ اول: اِذَا مَسَّهُمْ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حالت تو ان کی یہی ہے کہ ایسے وساوس سے محفوظ رہتے ہیں اگر کبھی ایسا ہوتا ہے تو اتفاقاً ہوتا ہے اس میں ان کی ودیعت (امانت) ایمان بتلانا منظور ہوتا ہے جو ان کے قلب میں رکھی گئی ہے۔

وجہ معلوم ہونے کی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ وساوس میں گرفتار رہتے تو یوں نہ فرماتے کہ جب ان کو خیال چھوتا ہے اس فرمانے سے معلوم ہوا کہ پہلے نہ تھا پھر آ چھوا۔

فائدہ دوم: اِذَامَسَّهُمْ الخ فرمایا جس کے معنی ہیں چھونا اَمْسَكَهُمْ یا اَخَذَ

هُــمْ نہیں فرمایا جس کے معنی ہیں پکڑنا، کیونکہ مس کہتے ہیں چھو لینے کو جس کو ثبات و امتداد (پائیداری) نہ ہو، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شیطانی خیال ان کے دل میں جمنے نہیں پاتا بلکہ یوں ہی ذرا چھو جاتا ہے۔ کافروں کی طرح ان کو پکڑ نہیں سکتا، وجہ یہ کہ شیطان کفار پر تو غالب ہے اور اہل ایمان کے قلوب سے کچھ لے بھاگتا ہے، جس وقت عقل جو قلب کی پہرہ دار ہے سو جاتی ہے جب بیدار ہوتے ہیں تو قلوب میں سے استغفار و ذلت و احتیاج الی اللہ کے لشکر اٹھتے ہیں اور شیطان جو لے بھاگا تھا، سب اس سے واپس کرتے ہیں اور اس نے جو جھپٹا تھا اس سے چھین لیتے ہیں۔

فائدہ سوم: طَیِفٌ کا لفظ فرمانے میں اشارہ ہے کہ جو قلوب ہمیشہ بیدار رہتے ہیں شیطان ان میں نہیں آ سکتا کیونکہ طیف سونے ہی میں ہوتا ہے جو کبھی قلوب پر غفلت ہونے سے طاری ہو جاتا ہے اور جو سوتا نہیں اس کے پاس طیف بھی نہیں آتا۔

فائدہ چہارم: طَیِفٌ فرمایا اور مسھم وارد یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں فرمایا کیونکہ طَیِفٌ کو ثبات وجود واقعی نہیں ہوتا، صرف ایک صورت مثالیہ بے حقیقت ہوتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بتلا دیا کہ اس سے اہل تقویٰ کو نقصان نہیں ہوتا کیونکہ شیطان نے جس چیز کو وارد کیا ہے وہ مثال طیف یعنی صورت خیالی کی ہے جو خواب میں دیکھتے ہو جب جاگ اٹھے اس کا کچھ بھی وجود نہیں۔

فائدہ پنجم: تَـذَكَّـرُوْا فرمایا ذَكَـرُوْا نہیں فرمایا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ غفلت کو خالی ذکر دفع نہیں کرتا جب تک دل متوجہ نہ ہو البتہ تذکر اور اعتبار یعنی نصیحت کو قبول کرنا اور عبرت پکڑنا اس غفلت کو دفع کرتا ہے خواہ ذکر بھی نہ ہو وجہ یہ کہ ذکر کا محل تو زبان ہے اور تذکر کا محل قلب ہے اور طیف کا ورود قلب پر ہوا نہ زبان پر تو اس کی دفع کرنے والی چیز قلب ہی میں ہونی چاہیے کہ اس کے اثر کو مٹا دے اور وہ تذکر ہے۔

فائدہ ششم: تذکروا کا معمول حذف کر دیا یوں نہیں فرمایا:

تَذَكَّرُوا الْجَنَّةَ یَاتَذَكَّرُوْا النَّارَ یَا تَذَكَّرُوا لْعُقُوْبَةَ

یا مثل اس کے، اس حذف میں بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ تذکر جو طیف کو اہل تقویٰ کے قلوب سے مٹاتا ہے وہ علیٰ اقدر مراتب یقین کے ہے اور مرتبۂ تقویٰ میں انبیاء اور مرسلین اور اولیاء اور صدیقین اور صالحین اور مسلمین سب داخل ہیں، ہر ایک کا تقویٰ اس کے مقام و حال کے مطابق ہے ایسا ہی ہر ایک کا تذکر اس کے مقام کے مناسب ہے۔ اگر تذکر کی کسی خاص قسم کو ذکر فرماتے تو صرف اسی قسم والے اس میں داخل ہوتے مثلاً اگر یوں فرماتے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَیْفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَکَّرُوا الْعُقُوْبَۃَ فَاِذَاهُمْ مُبْصِرُوْنَ○

تو جو لوگ ثواب سے تذکر حاصل کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے اور اگر فرماتے:

تَذَکَّرُوْ سَابِقَ الْاَحْسَانِ

یعنی یاد کرتے ہیں پہلے کے احسان کو۔

تو جو لوگ پچھلے احسان کو یاد کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے وعلیٰ ہذا القیاس، پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کا کوئی خاص معمول ذکر نہیں فرمایا تا کہ تمام مراتب کو شامل ہو جائے، اچھی طرح سمجھ لو۔

فائدہ ہفتم: تَذَکَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُبْصِرُوْن فرمایا یوں نہیں کہا:

تذکرو فابصروا یا تذکرو ثم ابصروا یا تذکروا وابصرو

پس واؤ سے تو اس لئے تعبیر نہیں فرمائی کہ اس سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ یہ ابصار یعنی توجہ بسبب تذکر کے ہوئی، حالانکہ مقصود یہی بیان کرنا ہے کہ تذکر کے سبب سے ابصار ہوا تا کہ لوگوں کو اس کی رغبت ہو اور ثمّ اس لئے نہیں لائے کہ ایک تو اس میں وہی بات ہے جو واؤ میں مذکور ہوئی کہ سبب نہ معلوم ہوتی دوسرے اس سے مقصود ہی الٹ جاتا کیونکہ ثمّ میں مہلت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ان کا ابصار تذکر سے تاخیر نہیں کرتا۔ بلکہ معاً تذکر کے ساتھ ہی ابصار ہے۔ اور صرف فا اس

لئے نہیں لائے کہ وہ تعقیب کو مقتضی ہے۔ یعنی یہ بھی خلافِ مقصود ہے، بلکہ فا کے ساتھ اذا بھی لائے اور یوں فرمایا: فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَo گویا ہمیشہ سے صفت البصار ہی پر رہے اس میں اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتا ہے اور ان پر کثرت احسان کو ظاہر فرماتا ہے۔ مثلاً یوں کہو

تذکر زید المسئلة فَاِذَا هِیَ صَحِیْحَةٌ

یعنی زید کو مسئلہ یاد آیا تو وہ صحیح نکلا۔

مراد یہ ہے کہ پہلے ہی سے صحیح تھا اور اب بھی جب وہ معلوم ہوا صحیح ہے، ایسے ہی اہل تقویٰ پہلے سے اہل ابصار ہیں لیکن طیف ہویٰ کے وارد ہونے نے ان کی بصیرت کو جس کا نور ان میں جاگزین ہے چھپا ڈالا تھا پس وہ چونکے ابر غفلت ہٹ گیا اور آفتاب بصیرت چمک اٹھا۔

فائدہ ہشتم: اس آیت میں اور ایسے مضمون کی جتنی آیتیں ہیں ان میں اہل تقویٰ پر بڑی وسعت ہے اور اہل ایمان کے ساتھ بڑا لطف ہے کیونکہ اگر یوں فرماتے:

ان الذین اتقولا یمسھم طیف من الشیطان

یعنی اہل تقویٰ کو کبھی شیطانی خیال لگتا ہی نہیں تو بجز معصوموں کے۔

کہ وہ انبیاء اور ملائکہ ہیں۔ سب خارج ہو جاتے پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے دائرہ رحمت کو وسیع کرے اس لئے یوں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذا مَسَّھُمْ طَیْفٌ مِّنَ الشیطان

تا کہ تجھ کو معلوم ہو جائے کہ طیف کا آنا ان کو حکم تقویٰ سے اور ان پر اس نام کے جاری ہونے سے نہیں نکالتا جبکہ وہ جلدی سے تذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف تبصر کے ساتھ رجوع کریں اور اسی آیت کے مماثل وسعت رجاء میں دوسری یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَo

یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک ہو جانے والوں کو پیار کرتا ہے۔

اور یوں نہیں فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الذین لا یذنبون کہ اللہ تعالیٰ گناہ نہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا فرماتے تو تھوڑے سے لوگ داخل ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ بندوں کی ترکیب (طبیعت) میں غفلت رکھی گئی ہے، اور جو خلاف ورزی مادہ انسانی کا مقتضا ہے کیونکہ مختلف نطفوں سے بنا ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا٥

یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے ہلکا بوجھ کرے اور آدمی بہت کمزور پیدا ہوا ہے۔

اور بعض اہل علم نے یوں تفسیر کی ہے یعنی غلبہء شہوت کے وقت اپنے اختیار میں نہیں رہتا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

هُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اَذْ اَنْشَاءَ کُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو خوب جانتا ہے جبکہ پیدا کیا تم کو زمین سے اور جبکہ تم ماں کے پیٹ میں بچے تھے۔

چونکہ معلوم تھا کہ انسان پر خطا غالب ہے اس لئے باب توبہ کو کشادہ فرمایا (توبہ کا دروازہ پوری طرح کھول دیا گیا) اور لوگوں کو اس کی راہ بتلائی اور اس کی طرف بلایا اور وعدہ فرمایا کہ توبہ کر تو قبول کریں گے ہم، اور رجوع کر تو متوجہ ہوں گے ہم، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: کل ابن آدم خطاؤن وخیر الخطائین التوابون یعنی تمام نبی آدم خطاوار ہیں اور اچھے خطاوار وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں پس حضرت پیغمبر ﷺ نے یہ بات بتلا دی کہ خطا تیرے وجود کو لازم ہے بلکہ تیرا عین وجود ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْ لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ والذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا

عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ٥

یعنی ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی بے حیائی کر گزرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ستم کرتے ہیں اسی وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، پس بخشش چاہتے ہیں اپنے گناہوں کی اور خدا کے سوا گناہوں کو کون بخشتا ہے اور ہٹ نہیں کرتے اپنے فعل پر اور وہ جانتے ہیں۔

یوں انہیں فرمایا: والذین لا یعماون الفاحشة. یعنی بالکل گناہ نہیں کرتے۔

اور فرمایا:

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا ھُمْ یَغْفِرُوْنَ٥

یعنی جب ان کو غصہ آتا ہے معاف کر دیتے ہیں۔

یوں نہیں فرمایا لا یغضبون یعنی غصہ ہی نہیں آتا اور فرمایا:

وَالْکَاظِمِیْنَ الغَیْظَ یعنی غصہ کو ضبط کرنے والے۔

یوں نہیں فرمایا والذین لا غیظ لھم. یعنی جن کو غصہ ہی نہیں اس کو خوب سمجھ اللہ تعالیٰ کی تجھ پر مہر ہو یہ کھلے اسرار ہیں اور یقینی امور ہیں۔

<u>فائدہ نہم:</u> بیان مراتب متذکرین کا اہل تقویٰ سے۔ کیونکہ تذکر ایک مفہوم عام ہے۔ جب اس کو کسی معمول کے ساتھ مقید نہیں کیا، اپنی جمیع جزئیات کو شامل ہو گیا۔ جاننا چاہیے کہ اہل تقویٰ کو جب کوئی شیطانی خیال آ لپیٹتا ہے ان کو تقویٰ مولیٰ کی نافرمانی پر اصرار نہیں کرنے دیتا بلکہ ان کا تذکر یعنی یادداشت ان کو مولیٰ کی طرف پھیر لاتا ہے اور ان کا تذکر کئی قسم پر ہے بعض لوگ ثواب کو دیا کر لیتے ہیں، بعضے عقاب کو، بعضے حساب کیلئے کھڑے ہونے کو، بعضے ترکِ معصیت (گناہ چھوڑنے) کے بڑے ثواب کو، بعضے احسان گزشتہ کو یاد کر کے نافرمانی سے شرما جاتے ہیں، بعضے مابعد (باقی ماندہ زندگی میں ہونے والے) کے احسان کو یاد کر کے اس کے عوض کفران (احسان کے بدلہ میں محسن کی نافرمانی) کرتے ہوئے شرما جاتے ہیں، بعضے اللہ کا قرب یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے محیط ہونے کو یاد کرتے ہیں، بعضے

اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کو یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے عہد کو یاد کرتے ہیں، بعضے لذت گناہ کا فانی ہونا اور اس کے مواخذے کا باقی رہنا یاد کرتے ہیں، بعضے نافرمانی کے وبال ورسوائی کو یاد کر کے اس کو ترک کر دیتے ہیں، بعضے فرمانبرداری کے فوائد و عزت کو یاد کر کے اس راہ چلتے ہیں، بعضے اللہ کی قیومیت کو یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور سلطنت کو یاد کرتے ہیں **علیٰ هذا القياس** جن جن چیزوں سے تذکر متعلق ہو سکتا ہے اوران کا حصر نہیں ہے ہم نے اتنا بھی اس واسطے کہہ دیا کہ اہل تقویٰ کے احوال سے تجھ کو کچھ مناسبت ہو اور اہل بصیرت کے مقامات پر کچھ آگاہی ہو خوب سمجھ لو۔

فائدہ دہم: ہو سکتا ہے کہ آیت میں مراد طیف سے وسوسہ وخطرہ نفسانی ہو جو شیطان کے القا سے آجاتا ہے۔ اور تقریر گزشتہ میں طیف سے مراد صورت خیالی تھی جو خواب میں نمودار ہوئی ہے۔ اس خطرے کو طیف اس واسطے کہا کہ یہ قلب میں طواف کرتا ہے، دوسری قرأت سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے: **اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِفٌ**. بروزن خائف، پس ایک قرأت دوسری قرأت کی مفسر بن جائے گی۔ اور وسوسہ قلب کے گرد گھومتا ہے اگر دیوارِ یقین کے کسی رخنے سے اس کو رستہ مل گیا تو اندر گھس جاتا ہے ورنہ چل دیتا ہے اور مثال مقامات یقین اور نور یقین کی جوان مقامات کو محیط ہے ایسی ہے جیسے شہر پناہ کی دیواریں کہ شہر اور قلعہ کو گھیرے ہوئے ہیں، پس دیواریں تو انوار ہیں اور قلعہ جات مقامات یقین ہیں کہ شہر قلب کو گھیرے ہوئے ہیں، پس جس شخص کے قلب کو دیوارِ یقین گھیرے ہوئے ہے اور اس نے مقاماتِ یقین کو کہ مثل قلعہ کے نوری احاطے ہیں درست کر لیا اس شخص تک شیطان کی رسائی نہیں اور اس کے گھر کہیں اس کا ٹھکانا نہیں۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمانا نہیں سنا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ

یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

یعنی انہوں نے عبودیت کو ٹھیک کر لیا اس لئے نہ وہ میرے حکم سے منازعت کرتے ہیں نہ میری تدبیر میں معارضہ کرتے ہیں بلکہ مجھ پر توکل کرتے ہیں اور اپنے کو میرے حوالے کرتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کی رعایت ونصرت اور حمایت فرماتا ہے اور انہوں نے اپنی ہمتیں اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کو سب سے کافی ہو گیا، کسی عارف سے پوچھا گیا تمہاری شیطان کے ساتھ مجاہدے کی کیا کیفیت ہے؟ جواب دیا شیطان کون بلا ہے، ہم وہ لوگ ہیں کہ اپنی تمام ہمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیں اس نے سب سے ہماری کفالت کی۔

ف: یعنی ہم کو مجاہدے کی حاجت نہیں اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ ہی نمٹ لیتا ہے۔ میں نے اپنے شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جب اللہ نے یہ فرمایا:

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا.

یعنی شیطان تمارا دشمن ہے تم اس کو دشمن سمجھو۔

پس بعض لوگ اس خطاب سے یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے شیطان کے ساتھ عداوت کرنا مطلوب ہے انھوں نے اپنی تمام ہمتیں اس میں مصروف کر دیں اس نے ان کو محبوب کی محبت سے غافل کر دیا اور بعض لوگ یوں سمجھے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور میں دوست ہوں۔۔

لان الاشياء تعرف باضدادهلت وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں لگ گئے اللہ تعالیٰ ان کو سب سے کافی ہو گیا، بعد اس کے عارف کی حکایت بیان فرمائی یہ لوگ اگر شیطان سے پناہ مانگتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نہ اس لئے کہ یہ لوگ غیر اللہ کیلئے کچھ تصرف دیکھتے ہوں اور وہ لوگ غیر اللہ کیلئے کیسے تصرف دیکھ سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کو کہتے ہوئے سنتے ہیں:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۖ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ۖ

یعنی بات کسی کی نہیں چلتی سوائے اللہ کے، اس نے فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی

عبادت نہ کرو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًاo

یعنی شیطان کا داؤ بالکل بودا ہے۔

اور فرمایا۔

اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا۔

اور فرمایا۔

اِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَo

یعنی شیطان کا قابو ان پر نہیں چلتا جو یقین رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرے وہ اس کو کفایت کرتا ہے۔

اور فرمایا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِo

یعنی اللہ اہل ایمان کا دوست ہے نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف۔

اور فرمایا:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَo

یعنی ہمارے ذمہ ہے حمایت کرنا ایمان والوں کی۔

پس ان آیتوں نے اور جو ایسے مضمون کی ہیں مومنین کے قلوب مضبوط کر دیئے اور ان کی کھلی مدد کی پس اگر شیطان سے پناہ مانگتے ہیں تو صرف حق تعالیٰ کے فرمانے سے اور اگر نور ایمان سے اس پر غالب ہوتے ہیں تو اس کی حمایت سے

اور اگر اس کے فریب سے سالم رہتے ہیں تو اس کی تائید و احسان سے۔ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حالت سیاحی میں میری ایک آدمی سے ملاقات ہوئی اس نے مجھ کو نصیحت کی اور کہا کہ توفیق اعمال کیلئے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ سے بڑھ کر کوئی گفتار نہیں اور اللہ کی طرف بھاگنے اور اس کی پناہ لینے سے بڑھ کر کوئی کردار نہیں اور جو اللہ کی پناہ لیتا ہے وہ سیدھی راہ چلا جاتا ہے۔ پھر کہا: بسم اللہ. یعنی اللہ کے نام سے مدد چاہتا ہوں۔ فَـفَـرَرْتُ اِلَـى اللّٰہِ. یعنی بھاگا میں اللہ تعالیٰ کی طرف۔ وَاعْـتَـصَـمْـتُ بِـاللّٰہِ. یعنی میں نے اللہ کی پناہ لی۔ وَلَا حَـوْلَ وَلَا قُـوَّۃَ اِلَّا بِـاللّٰہِ. یعنی گناہ سے بچنا اور عبادت پر قوت ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے۔ وَمَـنْ یَّـغْـفِرُ الذُّنُـوْبَ اِلَّا اللّٰہُ. یعنی اللہ کے سوا گناہ کون بخش سکتا ہے۔ بسم اللہ. زبان کا قول ہے جو قلب سے صادر ہوا، فَـفَـرَرْتُ اِلَـى اللّٰہِ. وصف روح اور سر کا ہے۔ اِعْـتَـصَـمْـتُ بِـاللّٰہِ. وصف عقل اور نفس کا ہے۔ لَا حَـوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وصف ملکوت اور عالم امر کا ہے۔ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ.

اس کلام میں اشارہ ہے طرف لطائف اور ان کے آثار کے۔ یارب شیطان کے عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں بے شک شیطان کھلا بہکانے والا دشمن ہے پھر شیطان سے خطاب کر کے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا علم تیرے حق میں یہی ہے کہ تو عدو مضل مبین ہے اور میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں اور اس پر توکل کرتا ہوں اور تجھ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں اور اگر اس کا حکم نہ ہوتا تو میں تجھ سے پناہ نہ چاہتا تیری حقیقت ہی کیا ہے جو تجھ سے اللہ کی پناہ چاہوں۔

ف: یعنی اللہ تعالیٰ تو بڑا غالب قدرت والا ہے کسی سخت چیز سے اس کی پناہ مانگیں تو ہوسکتا ہے تو بے چارہ کیا چیز ہے۔ پس تو نے سمجھ لیا اللہ تعالیٰ کی تجھ پر مہر ہو کہ شیطان کی ان کے دلوں میں اتنی بھی قدر نہیں کہ اس کی طرف قدرت اور ارادے کو منسوب کریں۔

حکمت تخلیق شیطان: بھید حکمت کا ایجاد شیطان میں یہ ہے کہ وہ ایک مظہر

ہے جس کی طرف اسباب عصیان اور وجود کفران وغفلت ونسیان کہ منسوب کیا جائے تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا: وَمَا اَنسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطَانُ. یعنی یوشع علیہ السلام بولے مجھ کو یہ بات شیطان کے سوا کسی نے نہیں بھلائی اور فرمایا: هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ. یعنی موسیٰ علیہ السلام بولے کہ قبطی کا خون شیطان کے عمل سے ہوا، پس راز حکمت اس ایجاد میں یہ ہوا کو ایسی نسبتوں کا میل کچیل اس سے پونچھا جائے اسی لئے عارفین نے فرمایا ہے کہ شیطان اس عالم کی صافی ہے کہ تمام گناہوں اور زشت وناپاک اعمال کا میل اس سے پونچھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہوتا کہ معصیت نہ ہو تو ابلیس کو پیدا نہ کرتا اور شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں شیطان مثل نر کے اور نفس مثل مادہ کے دونوں کے درمیان گناہ کا پیدا ہونا ایسا ہے جیسے ماں باپ کے درمیان بچے کا پیدا ہونا، یہ نہیں کے ماں باپ نے بچے کو ایجاد کیا بلکہ ان سے بچے کا ظہور ہوا مطلب شیخ کے اس کلام کا یہ ہے کہ جیسا کسی عاقل کو اس بات میں شک نہیں کہ بچہ ماں باپ کا پیدا ہوا ہے، ایجاد کیا ہوا نہیں مگر چونکہ ان دونوں سے اس کا ظہور ہوا ہے اس لئے ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی مومن کو اس میں شک نہیں کہ معصیت نفس وشیطان کی پیدا کی ہوئی نہیں بلکہ ان سے اس کا ظہور ہوا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی طرف معصیت کی نسبت ہوتی ہے اور یہ نسبت اضافی اور اسنادی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت خلقی اور ایجادی ہے، جیسا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اطاعت کو پیدا کرتا ہے ایسا ہی اپنے عدل سے معصیت کو پیدا کرتا ہے خود ارشاد ہوا:

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَا لِهٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا

یعنی اے محمد ﷺ کہد و کہ سب خدا کی ہی طرف سے ہے، پس ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات نہیں سمجھتے۔

اور فرمایا۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور فرمایا۔

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ یعنی کیا سوائے اللہ کے اور بھی کوئی پیدا کرنے والا ہے۔

اور فرمایا۔

اَفَمَنۡ یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ○

یعنی کیا پیدا کرنے والا اور نہ پیدا کرنے والا برابر ہے کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

اور آیت کمر شکن اہل بدعت کی جو دعوی کرتے ہیں کہ اللہ اطاعت کا خالق ہے اور معصیت کا خالق نہیں یہ ہے۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی۔

ف: لفظ ما عام ہے اطاعت و معصیت دونوں کو شامل ہے۔ اگر وہ لوگ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ یعنی اللہ تعالیٰ بری بات کا حکم نہیں دیتا۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ امر اور ہے اور قضا اور ہے۔

ف: یعنی امر کہتے ہیں حکم تشریعی کو اور قضا کہتے ہیں حکم تکوینی کو اس آیت سے نفی امر کی ہوئی اور اہل سنت مدعی قضا کے ہیں۔

اگر وہ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مَا اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ

یعنی جو بھلائی تجھ کو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری طرف سے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو ادب سکھانا مقصود ہے پس ہم کو حکم ہے کہ اچھی چیزیں اس کی طرف منسوب کیا کریں کیونکہ اس کے وجود حق کے لائق یہی ہے۔ اور بری چیزیں اپنی طرف منسوب کیا کریں کیونکہ ہمارے وجود باطل کے مناسب یہی ہے یہ حسن ادب ہے۔

قصہ حضرت خضر علیہ السلام: جیسا خضر علیہ السلام نے فرمایا:

فَاَرَدۡتُّ اَنۡ اَعِیۡبَہَا فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنۡ یَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّہُمَا

یعنی کشتی کو توڑنے میں تو یوں کہا کو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں اور بنائے دیوار کے قصے میں یوں کہا کہ تیرے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں یتیم اپنی بلوغت کو پہنچ جائیں، ابراہیم علیہ السلام نے یوں فرمایا: وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ہ یعنی جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے۔ اور حضرت خضر علیہ السلام نے یوں نہیں کہا: فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّعِيْبَهَا: یعنی تیرے رب نے اس کشتی کو عیب دار کرنا چاہا جیسا یتیموں کے قصے میں کہا: فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا پس عیب کو اپنی طرف منسوب کیا اور اچھی بات کو اپنے مولی کی طرف، ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں نہیں فرمایا: و اذا مرضنی فھو یشفینی یعنی جب وہ مجھ کو بیمار کرتا ہے تو شفا بھی عطا کرتا ہے، بلکہ یوں فرمایا: وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ مرض کو اپنی طرف منسوب کیا اور شفا کو اپنے رب کی طرف باوجود یہ کہ مرض کا خالق اور فاعل حقیقی وہی ہے پس معنی مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ کے یہ ہیں کہ بھلائی اللہ کی صرف سے ہے یعنی از روئے خلق ایجاد کے اور وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط کے معنی ہیں کہ برائی تیری طرف سے ہے یعنی از روئے اضافت و اسناد کے جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ الخیر بیدک والشر لیس الیک. یعنی خیر تو تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف منسوب نہیں، رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ خالق خیر و شر اور نفع و ضرر کا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن تعبیر میں ادب کی رعایت کی اور یوں فرمایا: الخیر بیدک و الشر لیس الیک جیسا ہم نے اوپر بیان کیا خوب سمجھ لے اگر وہ لوگ اعتراض کریں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ معصیت پیدا کرنے سے بھی پاک ہے کیونکہ معصیت قبیح ہے، اور اللہ تعالیٰ قبائح کے پیدا کرنے سے پاک ہے، ہم جواب دیں گے کہ معصیت بندے کے اعتبار سے فعل قبیح ہے کیونکہ حکم کی مخالفت ہے وجہ یہ کہ قبح خود فعل منہی عنہ کی ذات میں نہیں ہوتا بلکہ بسبب تعلق نہی کے اس فعل میں قبح ہو جاتا ہے جیسا حسن کہ فعل مامور بہ کی ذات سے متعلق نہیں ہوتا بسبب تعلق امر کے ہو جاتا ہے، اچھی طرح

سمجھ لو۔ اور حق تعالیٰ کے اعتبار سے وہ ایک مخلوق ہے کہ اس نسبت میں حسن وقبیح دونوں مساوی ہیں۔

کفر ہم نسبت بخالق حکمت ست چوں بما نسبت کنی کفر آفت ست

پھر اہل بدعت نے جو اللہ تعالیٰ کی یہ تنزیہ کی ہے کہ معاصی کے پیدا کرنے سے وہ منزہ ہے اس تنزیہ سے اس کی تنزیہ کرنا واجب ہے، یعنی کہ جب وہ یوں کہیں کہ برتر ہے اللہ اس امر سے کہ معصیت کو پیدا کرے ہم مقابلہ میں کہیں گے کہ برتر ہے اللہ تعالیٰ اس امر سے کہ اس کے ملک میں بغیر اس کے ارادے کے کوئی چیز ہو جائے۔

یعنی اگر معصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق نہ ہوتو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملک میں اس کے خلاف ارادہ دوسروں کا تصرف چل سکتا ہے تو یہ عین نقصان ہے سچ ہے۔

حق تعالیٰ زین چنین خدمت غنی ست؛ دوستی بے خبر چوں دشمنی ست

خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ ہم تم کو سیدھی راہ دکھائے اور دین راست پر اپنے فضل سے قائم رکھے۔

تقریر و بیان جس میں فوائد تدبیر ومنازعت تقدیر کا ذکر ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۔ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور فرمایا: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

اور فرمایا: مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ

اور فرمایا: فَلَهُ اَسْلِمُوْا. اور فرمایا: فَاِنْ حَاجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ. اور فرمایا: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. اور فرمایا: وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهُ

اِلَی اللّٰہِ وَھُوَ مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی. اور فرمایا: تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ. اور فرمایا: وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ اور بہت سی آیتیں اس مضمون کی ہیں تو اب سمجھنا چاہیے کہ اسلام کا اس طرح بار بار جگہ جگہ ذکر کرنا اس کی عالی قدری اور عظمت کی دلیل ہے۔

حقیقی اسلام اور مسلم: اسلام کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن، ظاہر تو اس کا اللہ کے احکام بجا لانا ہے اور باطن منازعت نہ کرنا، پس اسلام بدن کا حصہ ہے اور منازعت نہ کرنا اور اپنے کو حوالے کر دینا قلوب کا حصہ ہے۔ پس اسلام مثال صورت کے ہے اور استسلام اس صورت کی روح ہے، پس اسلام تو ظاہر ہے اور استسلام اس کا باطن ہے، پس مسلم حقیقی وہ شخص ہے جو اپنے کو اس کا مطیع بنائے ظاہر میں اس کے امتثال امر سے اور باطناً اس کی حکومت کے آگے گردن جھکا دینے سے اور حقیقت مقام استسلام کی یہ ہے کہ منازعت احکام الٰہیہ سے بعید ہو جائے اور اپنے کو حل وعقد میں اس کے سپرد کر دے پس جو آدمی دعویٰ کرے گا اسلام کا مطالبہ کیا جائے استسلام کا اس سے کہو کہ دلیل لاؤ اگر سچے ہو۔

قصہ ابراہیم علیہ السلام: تم کو معلوم نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام سے جب پروردگار نے فرمایا: اسلام لا، وہ بولے میں اسلام لایا واسطے رب العالمین کے، پس جب ان کو ڈھیکلی میں بیٹھایا گیا ملائکہ نے شور مچایا اے رب جلیل! یہ تیرا خلیل ہے، اس پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے تو خوب جانتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہو، اے جبرائیل! ان کے پاس جاؤ، اگر تم سے مدد چاہیں تو مدد کرو اور نہیں تو میں جانوں اور میرا خلیل جانے، جب جبرائیل علیہ السلام فضائے ہوا میں ان کے پاس آئے پوچھا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ فرمایا تم سے تو نہیں، ہاں اللہ سے ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: پھر دعا کرو، فرمایا اس کو میرا حال معلوم ہونا دعا سے بس کرتا ہے۔ (روکتا ہے) پس غیر اللہ کی انھوں نے مدد نہ چاہی، نہ ان کا قصد غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوا بلکہ حکم الٰہی کے آگے گردن جھکا دی، بجائے اپنی تدبیر کے اللہ کی

تدبیر پر اور بجائے اپنی نگہبانی کے اللہ کی نگہبانی پر اور بجائے اپنی دعا کے اللہ کے علم پر اکتفا کیا کیونکہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ جمیع احوال میں ان پر مہربان ہے۔ پس خدائے تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف فرمائی اس قول سے۔

وَاِبْرَاھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی یعنی ایسے ابراہیم جنھوں نے اپنا قول پورا کیا۔

اوران کو اس آگ سے بھی نجات دی جس کی خبر خود دیتے ہیں۔

قُلْنَا یَا نَارُکُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلاَ مًا عَلٰی اِبْرَاھِیْم.

یعنی ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر۔

اہل علم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لفظ سلاماً نہ فرماتے تو ایسی سرد ہو جاتی کہ ہلاک کر دیتی، پس وہ آگ بجھ گئی۔ اہل سیر نے کہا ہے کوئی آگ مشرق وہ مغرب میں نہ تھی جو بجھ نہ گئی ہو ہر ایک نے یہی خیال کیا کہ شاید مجھ کو خطاب ہے بعضے علماء نے کہا ہے کہ صرف بیڑیاں اس آگ سے جل گئیں۔

فائدہ جلیلہ: ابراہیم علیہ السلام کا جواب دیکھنے کے قابل ہے کہ جب ان سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے تو یوں فرمایا: تم سے حاجت نہیں اور یوں نہیں فرمایا کہ مجھے حاجت نہیں کیونکہ مقام رسالت وخلت کا مقتضیٰ یہ ہے عبودیت صریح بجا لائے اور مقام عبودیت کے لوازم سے یہ ہے کہ اللہ کی طرف حاجت ظاہر کرے اور احتیاج کے ساتھ اس کے روبرو کھڑا ہو، اور اس کے ماسوا سے قصد اٹھالے پس یہی جواب مناسب تھا کہ تم سے حاجت نہیں یعنی اللہ کا تو محتاج ہوں مگر تمارا نہیں۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کلام میں دونوں باتیں جمع کر دیں اللہ کی طرف احتیاج کا ظاہر کرنا اور ماسوا (یعنی اللہ کے علاوہ اور سب) سے قصد اٹھالینا۔

ایک شبہ کا جواب: وہ بات نہیں جو بعض لوگوں نے کہی ہے صوفی صوفی نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کو اللہ سے بھی حاجت نہ رہے اور یہ کلام مقتدا اور اہل تکمیل کی شان کے لائق نہیں اگرچہ تاویل اس کی ہو سکتی ہے کہ مراد یہ ہے کہ صوفی کو

یقین ہو چکا ہو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی تمام حاجتیں پوری فرما چکا ہے تو جو حاجت ہے وہ ازل میں پوری ہو چکی ہے اور حاجت کی نفی سے احتیاج کی نفی لازم نہیں آتی۔

فائدہ: حاصل یہ کہ بندے کو اللہ کی طرف احتیاج ضرور ہے خواہ حاجت پوری ہو چکی ہو یا نہ ہو چکی ہو اور قائل مذکور نے حاجت کی نفی کی ہے نہ کہ احتیاج کی جو کہ لوازم عبدیت سے ہے۔ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ جو کہا اللہ سے اس کو حاجت نہ ہو مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کو خود طلب کرتا ہے کوئی حاجت اس سے طلب نہیں کرتا اور بڑا فرق ہے اس میں جو خود اللہ کا طالب ہو اور جو اللہ سے طالب ہو اور تیسری تاویل اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ یہ جو کہا کہ اللہ سے اس کو حاجت نہ رہے مطلب یہ کہ اس ہمہ تن اپنے کو اس کے سپرد کر دیا اور اس کے آگے گردن جھکا دی پس اس کی مراد وہی ہے جو اللہ کی مراد ہے۔ یعنی اپنی طرف سے کوئی حاجت نہیں مانگتا بوجہ غلبہ مقام رضا کے۔

دوسرا فائدہ جلیلہ: جب جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کیا تم کو کچھ حاجت ہے اور انھوں نے جواب دیا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اس جواب سے حضرت جبرائیل علیہ السلام سمجھے کہ مجھ سے مدد نہ چاہیں گے، اور ان کا قلب بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو مشاہدہ نہیں کرتا اس واسطے عرض کیا کہ اچھا اسی سے سوال کرو، یعنی اگر آپ نے یہ بات لازم ٹھہرا رکھی ہے کہ وسائط سے کچھ نہ چاہوں گا اور اس وجہ سے مجھ سے مدد نہیں چاہتے تو اپنے رب ہی سے سوال کرو کیونکہ وہ آپ کے ساتھ مجھ سے بھی زیادہ نزدیک ہے ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا حال اس کو معلوم ہونا میرے مانگنے سے کفایت کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں نے غور کر کے دیکھا تو اس کو اپنے ساتھ سوال سے بھی زیادہ نزدیک پایا اور سوال کو وسائط سے دیکھا اور میں سوا اس کے اور کسی چیز سے تمسک کرنا نہیں چاہتا، دوسرے یہ کہ مجھ کو یقین ہے کہ

اللہ تعالیٰ جانتا ہے، پھر سوال کر کے یاد دلانے کی حاجت نہیں اور اس سے رعایت نہ فرمانے کا احتمال نہیں اس لئے میں نے سوال کی بجائے علم الٰہی پر اکتفا کیا اور یقین کر لیا کہ وہ مجھ کو اپنے لطف سے کسی حال میں نہ چھوڑے گا۔ یہی ہے اکتفا کرنا اللہ تعالیٰ پر اور ادا کرنا کلمہ حسبی اللہ کے حقوق کا۔

شیخ کا مقولہ: ہمارے شیخ ابو العباسؒ فرماتے تھے اس آیت کی تفسیر میں وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِي وَفّٰى کہ ابراہیم نے پورا کر دیا حسبی اللہ کے مقتضا کو۔

یعنی جبرائیل کے جواب میں جو فرمایا حسبی اس پر جمے رہے اور کسی پر نظر نہیں کی۔ اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ کھانا دیا مہمان کو اور بیٹا دیا قربان ہونے کو اور بدن دیا آتش سوزان کو اس پر اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی۔ وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِي وَفّٰى۔ آلایہ

انسان کی خلافت الٰہی

جاننا چاہئے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں یعنی آدمؑ اور اولاد آدم فرشتوں نے کہا آپ ایسے شخص کو زمین میں پیدا کرتے ہیں جو اس میں خون ریزی اور فساد کرے گا اور ہم تسبیح وتحمید وتقدیس کرتے ہیں یعنی ہم کو خلیفہ بنا دیجیے جواب میں ارشاد ہوا کہ: ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ تم نہیں جانتے۔ پس ابراہیم علیہ السلام کا جبرائیل علیہ السلام سے مدد نہ مانگنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں پر بڑی بھاری حجت ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہاں ہیں جنہوں نے آدمی پر اعتراض کیا تھا کہ یہ فساد وخون ریزی کریں گے، تم نے میرے بندے ابراہیم کو کیسا دیکھا۔ اس سے اس قول کی تشرح ہوگئی کہ ہم جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔ حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: نوبت بہ نوبت آتے ہیں فرشتے رات میں اور دن میں جو فرشتے رات کو دنیا میں رہے تھے وہ آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم جب گئے

تھے تب بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ (یعنی عصر کی) اور جب چھوڑ کر آئے ہیں تب بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔ (یعنی فجر کی) کیونکہ بدلی انہی دو وقتوں میں ہوتی ہے۔

فائدہ: شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا: گویا اللہ تعالیٰ کے پوچھنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اے معترضین تم نے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ پس جبرائیل علیہ السلام کے بھیجنے سے حق سبحانہ وتعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ خلیل علیہ السلام کا رتبہ اور شرف وعظمت ملائکہ کے آگے ظاہر کر دیں اور بھلا ابراہیم علیہ السلام کیسے کسی غیر سے مدد چاہتے، وہ تو اسی کو دیکھتے تھے اور کسی کا مشاہدہ نہ کرتے تھے اور خلیل کو خلیل اسی واسطے کہتے ہیں کہ ان کے خلل قلب میں یعنی رگ وریشہ میں اللہ کی محبت اور عظمت اور احدیت سما گئی تھی، کسی غیر کی گنجائش نہیں رہی تھی، جیسے کسی کا قول ہے۔

مثل جاں مجھ میں ہو گیا پیوست ہے اسی سے خلیل نعت تیری
بولتا ہوں تو ہے تو میرا کلام روزہ رکھوں تو تشنگی ہے مری

تنبیہہ: جاننا چاہیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے قلب کو نور رضا سے منور کر دیا تھا اور ان کی روح کو استسلام عطا فرمائی تھی اور ان کے قلب کو نظر الی الخلق (اللہ کے سوا کسی کے بھی طرف دیکھنے) سے محفوظ رکھا تھا۔ پس آگ اسی لئے ان پر سرد و سلامتی والی ہو گئی کہ ان کا قلب اطاعت کے ساتھ اللہ کے سپرد ہو گیا، پس استسلام سے رہے سلامت اور باطن مقام کے ٹھیک کرنے سے ہوئی یہ عزت و کرامت۔ پس یہاں سے مومن کو سمجھنا چاہئے جو مواقع امتحان میں اللہ کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خار کو گل اور خوف کو امان کر دیتا ہے، پس جب شیطان تجھ کو منجنیق امتحان میں پھینکنا چاہے اور کائنات تیرے روبرو آ کر دریافت کرے کہ تجھ کو کچھ حاجت ہے، تو یہی جواب دینا کہ تم سے کچھ حاجت نہیں، ہاں اللہ سے ہے۔ اگر کائنات یہ کہیں کہ اللہ ہی سے سوال کر لے تو اس کا جواب دینا کہ اس کا علم میرے سوال سے کفایت کرتا ہے، اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ آتش دنیا کو سرد و سلامتی کر دے گا اور منت و کرامت تم کو عطا فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انبیاء اور

مرسلین کے ذریعہ سے ہدایت کے رستے کشادہ کئے ہیں پس اہل ایمان ان کی راہ چلے اور اہل یقین نے ان کی پیروی کو لازم جانا، جیسے اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ

یعنی کہہ دو اے محمد ﷺ یہ میرا راستہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف، میں بھی سوجھ والا ہوں اور میری اتباع کرنے والے بھی۔

اور یونس علیہ السلام کی شان میں فرمایا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

یعنی ہم نے ان کی دعا قبول کی اور غم سے نجات دی اور اہل ایمان کو ہم یوں ہی نجات دیا کرتے ہیں۔

یعنی جو اہل ایمان قدم بقدم یونس علیہ السلام کے چلتے ہیں اور ان کے انوار کے مشتاق ہیں اور اللہ سے ذلت واحتیاج کے ساتھ مانگتے ہیں اور مسکنت اور انکسار کا لباس پہنتے ہیں ہم ان اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔

نتیجہ واقعہ خلیل سے: ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ میں بیان ہے عبرت والوں کو اور ہدایت ہے بصیرت والوں کو اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی تدبیر سے نکلتا ہے اللہ اس کیلئے بخوبی تدبیر کر دیتا ہے۔ دیکھو! ابراہیمؑ نے چونکہ اپنی ذات کیلئے تدبیر و اہتمام نہیں کیا بلکہ اللہ کے حوالے کر کے اس پر توکل کیا انجام اس اطاعت کا سلامتی اور عزت اور تعریف کا باقی رہنا مدت گزر جانے پر ہوا اور ہم کو اللہ کا حکم ہے کہ ان کی ملت سے خارج نہ ہوں اور ان کے نام رکھنے کا لحاظ رکھیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ.

یعنی ملت اختیار کرو اپنے باپ ابراہیم کی، انھوں نے ہی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

پس جو شخص ابراہیمی ہو اس کو سزاوار ہے کہ اپنے لئے تدبیر کرنے سے بری ہو اور اعتراض سے خالی ہو اور ملت ابراہیمؑ سے وہی اعراض کرے گا جو سفیہ ہے اور ان کی ملت کو لازم ہے تفویض الی اللہ (یعنی اللہ کے سپرد ہو جانا) اور اطاعت فی احکام اللہ اور جاننا چاہیے کہ مقصود اعظم یہ ہے کہ اللہ کے آگے کوئی مراد باقی نہ رہے اور ہمارے اس مضمون میں اشعار ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ان اشعار میں اللہ تعالیٰ کو متکلم اور بندے کہ مخاطب قرار دیا ہے گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے وہ اشعار یہ ہیں۔

چاہتا ہوں دے مراد اپنی بھلا — رشد کا رستہ اگر ہے چاہتا
چھوڑ دے اپنا وجود اس کو نہ دیکھ — تھام لے مضبوط حلقہ صبر کا
کب تلک مجھ سے ہے غفلت میں تو ہوں — تیری الفت اور رعایت میں سدا
کب تلک دیکھے گا مخلوقات کو — اور پھرے گا جنگلوں میں سرمارتا
میرے در کو چھوڑ جاتا ہے کہاں — راہ سے بے راہ کیوں تو ہوگیا
ہے قدیمی تجھ سے میری دوستی — عہد ''قالوا'' حق میں میرے ہی ہوا
ہے تیرا رب کوئی جس سے ہو امید — لے تجھے محشر کی سختی سے بچا
جس قدر مخلوق ہے عاجز ہے سب — کر رہا عاجز کو ہے عاجز ندا
مجھ سے سب مخلوق کو ہے گا قیام — ''کن'' سے ہے ظاہر مظاہر کو کیا
میرے گھر میں اور میرے ملک میں — اعتماد اوروں پہ ہے تو نے کیا
چشم ایمان تیز کر اور دیکھ تو!! — خلق ساری ہوتی جاتی ہے فنا
ہے عدم سے راستہ سوئے عدم — تو بھی اس میں جائے گا بیشک چلا
تجھ پہ ہے خاحت مرادہ مت اتار — اور رُخ امید خلقت سے ہٹا
میرے در پر لا امیدیں اپنی سب — مال تجھ سے کچھ نہیں میں مانگتا
دیکھ اپنی حیثیت اور رہ ذلیل — آرزو سب تیری آوے گی برآ
بندہ بن جا بندہ ہوجاتا ہے خوش — جو کہ مولا نے اٹھا کر دے دیا

وصف سے اپنے مٹا دوں تیرا وصف | دوں عناد و جہل کی تجھ کو سزا
کیا تو میرے ملک میں رہے گا شریک | جو وضوح حق پہ بھی جھگڑا کیا
گر رسائی چاہے اس دربار کی | بس عدد ہو جا تو اپنے نفس کا
ڈوب بحر نیستی میں ہم کو دیکھ | بہر محشر تو ہم کو اپنا بنا
ہم سے کرباران رحمت تو طلب | دیکھ پھر کرتے ہیں ہم احسان کیا
غیر سے مت کر ہدایت تو طلب | ہے کوئی بتلائے تجھ کو راستہ؟

تدبیر کی قسمیں: جاننا چاہیے کہ تدبیر دو قسم کی ہے، ایک تدبیر محمود، دوسری تدبیر مذموم، تدبیر مذموم تو وہ تدبیر ہے جس کا حظ جس کا حظ تمہاری طرف لوٹ کر آئے ادائے حق اللہ کیلئے نہ ہو، جیسے تدبیر کرنا کسی گناہ کی تحصیل میں یا کسی حظ نفسانی میں غفلت کے ساتھ یا کسی اطاعت میں نمائش اور شہرت کے ساتھ اور مثل اس کے یہ تمام تر مذموم، یا تو اس وجہ سے کہ اس سے استحقاق عذاب (یعنی عذاب کا مستحق) ہوتا ہے یا اسلئے کہ۔۔۔اس سے وقوع حجاب (یعنی خدا کی ناراضگی کا سبب) ہوتا ہے اور جو شخص نعمت عقل کو پہچانے گا وہ اس کو ایسی تدبیر میں صرف کرتے ہوئے شرمائے گا جو اس کو قرب الٰہی تک نہ پہنچائے اور اس کی محبت کا سبب نے بن جائے اور جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنی منت (احسان) سے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں عقل ان سب میں افضل ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کر کے ان پر دو چیزوں سے فضل فرمایا ہے ایک ایجاد اور دوسرا دوام امداد۔ یعنی اول وجود عطا فرمانا پھر اس کو بقاء دینا۔ اور ہر مخلوق کیلئے ان دو نعمتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ نعمت ایجاد

۲۔ نعمت امداد

اس تقریر سے اللہ تعالیٰ کے قول کے معنی بھی سمجھ میں آسکتے ہیں۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

یعنی میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

فائدہ: یہ وہی رحمت ہے جو مذکور ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ ان دونوں نعمتوں میں تمام مخلوق شریک تھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ایک کو دوسری سے امتیاز دے، تاکہ تعلقات ارادہ و مشیئت کی وسعت ظاہر ہو جائے۔ پس بعض موجودات کو توصیف نمو یعنی بڑھوتری سے ممتاز کیا۔ جیسے نباتات وحیوانات وانسان، پس بہ نسبت موجودات غیر نامیہ کے یعنی جن میں نمو نہیں ان تینوں میں قدرت کا زیادہ ظہور ہے۔

کیونکہ ان میں ایک وصف یعنی نمو زیادہ ہے۔ پھر چونکہ یہ تینوں وصف نمو میں شریک تھے حیوانات اور انسان کو حیات دے کر نباتات سے امتیاز دیا اب اس وصف میں حیوان اور آدمی شریک رہے تو بہ نسبت نباتات کے ان دونوں میں ظہور قدرت زیادہ ہوا اب یہ منظور ہوا کہ آدمی کو حیوان سے ممیّز یعنی ممتاز کرے پس اس کو عقل عطا فرمادی۔ اور اس کی وجہ سے تمام حیوانات پر بزرگی بخشی اور اس کی بدولت اپنی نعمت انسان پر کامل فرمائی اور عقل ہی کی افزونی اور روشنی سے دونوں جہان کے کام بنتے ہیں۔ پھر اس نعمت عقل کا تدبیر دنیا میں صرف کرنا جو اللہ کے نزدیک بالکل بے قدر ہے اس نعمت کی بڑی ناشکری ہے۔ اور معاد کے اہتمام و اصلاح میں اس کو لگا دینا واسطے ادائے حق محسن کے کہ جس سے اس نور کا فیضان ہوا نہایت مناسب ہے پس اپنی عقل کو جو اللہ نے اپنی منت سے دی ہے تدبیر دنیا میں مت صرف کر جس کے حق میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

الدنیا جیفة قذرة — یعنی دنیا مردار گندی ہے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ضحاک سے تماری غذا کیا ہے؟ عرض کیا کہ گوشت اور دودھ یا رسول اللہ۔ فرمایا: پھر کیا ہو جاتا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ جانتے ہیں جو ہو جاتا ہے۔ فرمایا: آدمی سے جو نجاست نکلتی ہے اس کو اللہ نے دنیا کے مثال بنایا ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک اتنی بھی ہوتی جتنا مچھر کا پر تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ پلاتا۔ اور جس شخص نے اپنی عقل کو

دنیا میں جو ایسی گندی اور ناپاک ہے صرف کیا اس کی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ نے کسی کو بڑی عظمت اور شان کی تلوار دی جو اور رعایا کو دینا گوارہ نہیں کرتا اور اس لئے دی کہ اپنے دشمنوں کو قتل کرے اور اس کو باندھ کر آراستہ و مزین ہو، یہ تلوار لینے والا مردار لاشوں کی طرف چلا اور اس تلوار سے ان کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کی چمک بے آب ہوگئی اور دھار کند ہوگئی اور اس کی خوبی اور رونق جاتی رہی، جب بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگی نہایت زیبا ہے کہ اس سے تلوار چھین لے اور اس کی بدکرداری پر سخت سزا دے اور اپنی توجہ و عنایت سے اس کو محروم کردے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر دو قسم پر ہے، ایک محمود، دوسری مذموم، تدبیر محمود وہ تدبیر ہے جو تجھ کو اللہ سے نزدیک کرے جیسے یہ تدبیر کرنا کہ مخلوق کے حقوق سے بری ہو جاؤں حقوق ادا کر کے یا معاف کرا کر اور توبہ کرنا اللہ تعالیٰ سے اور ان چیزوں کی فکر کرنا جو ہوائے نفسانی کو قلع قمع کر دیں، جن سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور شیطان سے بچنے کی فکر کرنا جو لوگوں کو بہکاتا ہے اور یہ سب محمود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ساعت کی فکر ۷۰ سال کی عبادت سے افضل ہے اور دنیاوی تدبیر بھی دو طرح کی ہے ایک تو دنیا کی تدبیر کرنا دنیا کیلئے اور ایک دنیاوی تدبیر کرنا اخری کیلئے اور دنیا کی تدبیر دنیا کیلئے کرنا تو یہ ہے کہ اس کے اسباب و سامان جمع کرنے کی تدبیر کرے واسطے افتخار اور دولت بڑھانے کے اور جس قدر اس میں افزائش ہوتی ہے غفلت اور دھوکہ بڑھتا جاتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ بجا آوری احکام سے غافل کردے اور نافرمانی کا باعث بنے اور دنیا کی تدبیر آخرت کیلئے یہ ہے جیسے کوئی شخص تجارت اور پیشہ اور زراعت کی تدبیر اس نیت سے کرتا ہے کہ حلال روزی کھاؤں گا اور فاقہ والوں کو اس میں سے دوں گا اور اپنی آبرو لوگوں سے بچاؤں گا اور جو شخص دنیا کو اللہ کیلئے طلب کرتا ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ زیادہ حاصل نہ کرے اور اندوختہ نہ رکھے لوگوں کے کام اس میں سے نکالتا رہے، اہل حاجت کو اپنے پر مقدم رکھے۔

زہد کی علامتیں: زہد کی دو علامتیں ہیں۔ ایک علامت دنیا نہ ملنے کے وقت، دوسری دنیا ملنے کے وقت، دنیا ملنے کے وقت تو زاہد کی پہچان یہ ہے کہ محتاجوں پر ایثار کرے اور نہ ملنے کے وقت یہ ہے کہ بے چینی نہ ہو۔ پس ایثار تو نعمت وجدان کا شکر ہے اور راحت نعمت فقدان کا شکر ہے۔ یہ ثمرہ فہم وعرفان کا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا جیسا دنیا کے ملنے میں انعام ہے اسی طرح نہ دینے میں بھی یہ نعمت زیادہ کامل ہے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں مجھ سے دنیا کی دور رکھیں اس میں زیادہ نعمت بہ نسبت اس کے کہ مجھ کو عطا کیں۔

شیخ کا خواب: شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خواب میں دیکھا انھوں نے ارشاد فرمایا: کچھ خبر ہے دنیا کی محبت قلب سے خارج ہونے کی کیا پہچان ہے۔ میں نے عرض کیا مجھ کو معلوم نہیں۔ فرمایا: دنیا کی محبت قلب سے خارج ہونے کی یہ پہچان ہے کہ ہوت میں خرچ کرے اور نہ ہوت میں چین سے بیٹھا رہے۔ (ہوت یعنی جب خرچ کرنے کیلئے کچھ اپنے پاس موجود ہو)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر طالب دنیا مذموم نہیں، بلکہ مذموم وہ ہے جو اپنے واسطے طلب کرے نہ رب کے واسطے اور دنیا کیلئے طلب کرے نہ آخرت کیلئے۔ پس دو قسم کے لوگ ہوئے، ایک وہ جو دنیا کو دنیا کیلئے طلب کرے اور دوسرا وہ جو دنیا کو آخرت کیلئے طلب کرے۔ کسی مبتدی صوفی نے کسی کامل صوفی دولت مند سے کہا تھا۔

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد

انھوں نے جواب میں فرمایا۔

اگر دارد برائے دوست دارد

میں نے اپنے شیخ ابوالعباس سے سنا، فرماتے تھے عارف دنیا نہیں رکھتا کیونکہ اس کی دنیا آخرت کیلئے ہوتی ہے اور آخرت رب کیلئے۔

صحابہؓ کی مبارک زندگی اور طلب دنیا

اسی پر محمول کیئے جائیں گے احوال صحابہ اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے جب کبھی وہ لوگ اسباب دنیا میں داخل ہوئے اس سے ان کو اللہ کا قرب مقصود تھا اور اس کی رضا کے اسباب پیدا کرتے تھے دنیا اور اس کی لذت اور زینت مقصود نہ تھی حق تعالیٰ نے بھی ان کا یہی وصف فرمایا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط

یعنی محمد ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھی کفار کے مقابلہ میں سخت ہیں آپس میں مہربان ہیں۔ دیکھے گا تو ان کو رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، ڈھونڈ رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضا مندی کو ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے سجدے کے اثر سے۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ o رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ o

یعنی اللہ کا نور ان گھروں میں ہے کہ اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ وہ گھر اونچے کیئے جائیں اور ان گھروں مین اس کا نام پاک ذکر کیا جائے، اس میں اللہ کی تسبیح صبح وشام ایسے لوگ کرتے ہیں کہ غافل نہیں کرتی ان کو سوداگری اور سودا سلف اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم رکھنے سے اور زکوۃ دینے سے، ڈرتے ہیں وہ لوگ ایسے دن سے کہ بدل جائیں گے اس میں قلوب اور نگاہیں۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:۔

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝

یعنی ایسے لوگ کہ سچ کر دکھایا انہوں نے جو کچھ اللہ سے عہد کیا تھا پس بعضے تو ان میں وہ ہیں جنھوں نے اپنی منت پوری کر دی اور بعض انتظار میں ہیں اور انہوں نے عہد کو بالکل نہیں بدلا۔

اس مضمون میں بہت آیتیں ہیں ایسے لوگوں پر کیا گمان ہوسکتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی صحبت اور مخاطب قرآن بنانے کیلئے پسند کیا۔ پس قیامت تک کوئی مسلمان نہیں جس کی گردن پر صحابہؓ کے بے شمار اور یاد رکھنے کے قابل احسان نہ ہوں کیونکہ وہی لوگ تو ہیں جنھوں نے حکمت اور احکام کو رسول اللہ ﷺ سے ہم تک پہنچایا اور حلال وحرام کو بیان کیا اور خاص و عام کو سمجھایا اور اقالیم اور شہر فتح کئے اور مشرکین اور معاندین کو زیر کیا اور سچ ہے جو ان کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیم اهتدیتم

یعنی میرے سب یار مثل ستاروں کے ہیں جس کے پیچھے لگ لوگے راہ مل جائے گی۔

حق تعالیٰ نے پہلی آیت: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ میں اُن کے بہت سے اوصاف بیان فرمائے یہاں تک کہ فرمایا:

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

یعنی وہ لوگ اللہ کے فضل ورضا کو ڈھونڈتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ جو ان کے اسرار پر مطلع ہے اور ان کے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے وہ خبر دے رہا ہے کہ ان کو اپنے مقاصد میں دنیا مطلوب نہیں اور بجز رضا و فضل خداوندی کے دوسرا مقصود نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَا وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ ۝

یعنی جم کر بیٹھا کر وان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام چاہتے ہیں اس کی رضامندی۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلادی کہ سوا اللہ کے کچھ ان کی مراد نہیں اور اس کے سوا ان کا کوئی مقصود نہیں اور دوسری آیت میں یوں بیان فرماتا ہے کہ پاکی بیان کرتے ہیں اللہ کی ان گھروں میں صبح وشام ایسے لوگ کہ غافل نہیں کرتی ان کو تجارت اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے دل پاک ہو گئے اور ان کے انوار کامل ہو گئے۔ اسی واسطے دنیا ان کے دل کو پکڑ نہیں سکتی اور ان کے چہرہ ایمان پر خراش نہیں کرسکتی اور دنیا ایسے قلوب میں کیونکر جاسکتی ہے جن کو اللہ نے اپنی محبت سے بھر دیا ہو اور اپنے قرب کے انوار اس میں روشن کر دیئے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ ۝

یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا۔

پس اگر دنیا کا زور ان کے دل پر چلتا تو شیطان کا بھی بس چلتا کیونکہ شیطان کی رسائی ان قلوب تک نہیں جن کے قلوب انوار زہد سے روشن ہوں اور حب دنیا کے میل سے پاک وصاف ہو گئے ہوں۔ پس مطلب اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ کا یہ ہے کہ نہ تیرا اور نہ کسی اور مخلوق کا قابو چل سکتا ہے، کیونکہ میری عظمت کا غلبہ جو ان کے قلوب پر ہے۔ وہ میرے سوا کسی کا غلبہ وہاں تک آنے نہیں دیتا۔ پس آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ وصف فرمایا ہے: کہ تجارت اور بیع ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ تجارت اور بیع نہیں کرتے بلکہ اس آیت کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ بیع اور تجارت جائز ہے تم نے کیا یہ قول نہیں سنا۔

اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ

پس اگر غنا (مالداری) سے منع فرمانا منظور ہوتا تو سبب غنا سے بھی کہ بیع و

تجارت ہے منع فرماتے دیکھو اِیتَـاءِ الـزَّکـوٰۃِ میں جب زکوٰۃ کو واجب فرمایا اس سے صاف واضح ہوا کہ جن لوگوں کے یہ اوصاف مذکور ہوتے ہیں ان میں بعض غنی بھی ہوتے ہیں پھر بھی تعریف کے قابل رہتے ہیں، جبکہ اپنے مولیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں۔

بعض مالدار صحابہ کا حال

عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ عثمانؓ جس روز شہید ہوئے ہیں ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم تھے اور اریس وخیبر اور وادی القریٰ کے درمیان میں کچھ زمینیں تھیں جن کی قیمت دو لاکھ دینار تھی۔ اور پورا ترکہ چار لاکھ دینار ہوئے اور زبیرؓ کے ترکہ کا آٹھواں حصہ ۵۰۰۰۰ پچاس ہزار دینار ہے۔ اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے۔ اور عمرو بن العاص نے تین لاکھ دینار چھوڑے اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا غنی ہونا اتنا مشہور ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور دنیا ان حضرات کے ہاتھوں میں تھی، دلوں میں نہ تھی۔ جب نہ ملی تھی تو صبر کیا اور جب ملی تو شکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ابتدائے امر میں ان کو فاقے میں مبتلا فرمایا یہاں تک کہ ان کے انوار کمال کو پہنچ گئے اور اسرار پاک ہو گئے۔ پھر ان کو دنیا دی کیونکہ پہلے مل جاتی تو شاید ان پر اثر کرتی، چونکہ بعد تمکین اور رسوخ یقین کے ملی اس میں اس طرح تصرف کیا جیسا امانت دار خزانچی تصرف کرتا ہے اور اس ارشاد کو پورا کیا۔

وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہِ ۝

یعنی خرچ کرو اس چیز سے جس میں تم کو خلیفہ کیا۔

فائدہ: حاصل یہ کہ مالکانہ تصرف نہ کرتے تھے، بلکہ چاکرانہ کرتے تھے۔ اسی مقام سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اوّل امر جہاد کرنے سے اس ارشاد میں کیوں ممانعت فرما دی تھی کہ:

فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ۝

یعنی معاف کرو اور درگذر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے۔

وجہ یہ کہ اگر ابتدائے اسلام میں جہاد کی اجازت ہوتی تو شاید بعض نومسلموں کو جو اجازت ملتی تو اپنا ذاتی بدلہ لینے لگتے اور خرابی نیت کی خبر بھی نہ ہوتی، یہاں تک کہ حضرت علیؓ جب کوئی ضرب لگاتے تو اس کے ٹھنڈے ہونے تک ٹھہرے رہتے۔ پھر دوسری ضرب لگاتے تھے، اس اندیشے سے کہ شاید اس کے پیچھے اگر معاً ماروں تو کہیں نفس کی آمیزش نہ ہو جائے۔ اس کا باعث یہ تھا کہ آپ نفس کے چھپے دھوکوں کو پہچانتے تھے اور بڑی حفاظت صحابہؓ کو دلوں کی تھی اور اپنے اعمال کو خالص کرنے کی اور اندیشہ ناک رہتے تھے کہ ان کے عمل میں کوئی ایسی چیز نہ مل جائے جس سے رضائے مولیٰ مقصود نہ ہو۔ پس دنیا صحابہ کے ہاتھ میں تھی نہ کہ دلوں میں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ صحابہؓ کرام دنیا سے علیحدہ رہتے تھے اور دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم رکھتے تھے حق تعالیٰ ان کی شان میں فرماتے ہیں۔

یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ج

یعنی اوروں کو اپنی ذات پر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود ان پر فاقہ ہو۔

یہاں تک کہ کسی صحابی کے پاس ایک بکری کی سری ہدیہ میں آئی فرمایا فلاں شخص مجھ سے زیادہ مستحق ہے، اس بزرگ نے کسی اور کا نام بتادیا، انھوں نے کسی اور کا نام لے دیا یوں ہی ایک دوسرے کے گھر بھیجتے رہے یہاں تک کہ ساٹھ آدمیوں میں گھوم گھام کر پھر پہلے ہی صحابی کے پاس لوٹ آئی اور اس کی کافی دلیل ہے۔ حضرت عمرؓ کا نصف مال سے الگ ہو جانا اور حضرت ابوبکرؓ کا کل مال سے الگ ہو جانا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا سات سو اونٹ لدے لدائے دے دینا اور حضرت عثمانؓ کا جیش تبوک کیلئے سامان کر دینا اور بہت سے اچھے کام اور اچھے حالات ان سے منقول ہیں۔ اور دوسری آیت جو ہے۔ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الخ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے پوشیدہ صدق کی خبر دی جس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی مطلع نہیں ہوسکتا اور یہ بہت بڑی تعریف اور فخر کی بات

ہے۔ کیونکہ ظاہر افعال میں باعتبار علم مخلوق کے کبھی حالات مشتبہ ہو سکتے ہیں ان آیات سے ان کا ظاہر اور باطن کا تزکیہ ہوتا ہے اور ان کے محامد اور مفاخر ثابت ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر دنیا دو قسم پر ہے ایک تدبیر دنیا کی واسطے دنیا کے جیسا کہ دُور افتادہ اہل غفلت کا حال ہے۔ دوسری تدبیر دنیا کی واسطے آخرت کے جیسا کہ صحابہؓ اکرام اور سلف صالحین کا حال تھا اور اس کی دلیل حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ میں نماز میں اپنے لشکر کا سامان درست کرتا ہوں، کیونکہ حضرت عمرؓ کی تدبیر معائنہ اور حضوری کی حالت میں تھی، سو تدبیر اللہ کے واسطے تھی اسی لئے نماز فاسد ہوئی نہ کمال میں نقصان آیا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: اگر کوئی اعتراض کرے کہ تمہارا تو یہ دعویٰ ہے کہ ان میں سے کوئی دنیا کا طالب نہ تھا، حالانکہ یوم احد میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو یوں فرمایا کہ بعض تم میں سے دنیا کے طالب تھے اور بعض آخرت کے طالب تھے، یہاں تک کہ بعض صحابہؓ کا قول ہے کہ ہم نہیں سمجھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی دنیا کا طالب ہے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْآخِرَةَ

اب اس کا جواب سمجھ لو۔ اللہ تم کو سمجھنے کی توفیق دے اور اپنے کلام سننے کے لائق کرے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ صحابہؓ کے ساتھ نیک گمان رکھے اور ان کی بزرگی کا معتقد رہے اور ان کے جمیع اقوال و افعال و احوال کو خواہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے ہوں یا ان کے بعد کے، اچھے وجوہ پر محمول کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی پاکی بیان فرمائی تو کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا ایسی ہی رسول اللہ ﷺ نے اصحابی کالنجوم الحدیث میں مطلق ارشاد فرمایا اور اس آیت کے دو جواب ہیں۔

جواب اول: اس آیت کا یہ ہے کہ بعضے تم میں سے دنیا چاہتے تھے یعنی آخرت کے واسطے جیسے وہ لوگ جنھوں نے مال غنیمت لینا چاہا تھا کہ اس میں سے

خرچ وایثار کرکے اللہ کے ساتھ نیک معاملہ کریں اور بعضوں کا یہ مقصود نہ تھا وہ صرف جہاد ہی کی فضیلت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں غنیمت کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا نہ اس کی طرف التفات کیا پس صحابہؓ میں بعض فاضل وکامل تھے۔ بعضے افضل واکمل ناقص کوئی نہ تھا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ آقا اپنے خاص غلام کو جو چاہے کہے ہم کو اس غلام کے ساتھ ادب لازم ہے کیونکہ اس کو آقا کے ساتھ نسبت خاص ہے، یہ نہیں کہ آقا اپنے غلام کو جو کہے ہم بھی وہی نسبت کریں یا اس کو خطاب کرنے لگیں۔ کیونکہ آقا تو غلام کو اس واسطے جو چاہے کہہ لیتا ہے کہ اس کو خدمت کی رغبت پیدا ہو اور اس کی ہمت اور عزم کو ترقی ہو اور ہم کو حدود ادب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اگر قرآن مجید میں تلاش کیا جائے تو بہت سے ایسے مضامین ملیں گے۔ مثلاً ایک تو سورۃ عبس ہی ہے یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ وحی میں سے کوئی چیز چھپاتے تو اس سورۃ کو ضرور چھپالیتے اس سے ثابت ہو گیا کہ اسقاط تدبیر جو ممدوح ہے اس کے معنی نہیں کہ اسباب دنیا اور فکر مصالح میں بقصد اطاعت مولیٰ و کار آخرت کے بھی داخل نہ ہو بلکہ تدبیر ممنوع وہ ہے کہ دنیا کی تدبیر دنیا ہی کیلئے کرے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ذریعہ نافرمانی بن جائے اور حلال وحرام اس کو سمیٹنا شروع کردے۔ جیسا کہ ہمارے دور میں ہو رہا ہے کہ سود، رشوت، موروثی اور دوسری ہر طرح کی ناجائز اور حرام دولتیں حاصل کرنے میں کوئی کمی نہیں کی جاتی پھر اس قسم کی ناپاک دولتیں جمع کرکے اگر کوئی کہے کہ اس دولت سے میرا مقصود اللہ کی رضاء ہے یا میری نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ اللہ کی رضا کا سبب بنے گا یہ اس کا صریح ظلم نہیں تو اور کیا ہوگا۔

تدبیر دنیا کی واضح علامات اور دلائل

جاننا چاہیے کہ اشیاء کا مذموم اور محمود ہونا ان کے نتائج کے اعتبار سے ہے پس ہر مذموم وہ ہے جو اللہ سے غافل اور ادائے خدمت مولیٰ سے معطل کردے اور

اس کے معاملے سے باز رکھے اور تدبیر محمود وہ ہے جس کی یہ شان نہ ہو بلکہ اللہ کا قرب بخشے اور اس کی رضا مندی تک لے جائے۔ اسی طرح دنیا علی الاطلاق نہ مذموم نہ محمود بلکہ مذموم وہ ہے جو مولیٰ سے غافل کردے اور آخرت کیلئے سامان کرنے سے باز رکھے جیسے عارفین کا قول ہے جو چیز تجھ کو اللہ سے غافل کردے خواہ بیوی ہو یا مال ہو یا اولاد ہو وہ تیرے حق میں منحوس ہے اور دنیائے ممدوح وہ ہے جو اطاعت الٰہی میں معین ہو اور خدمت مولیٰ میں سرگرم اور مستعد کردے الحاصل جو اچھے کاموں کا ذریعہ ہے وہ ممدوح ہے اور جو بُرے کاموں کا ذریعہ ہے وہ مذموم ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا مردار گندی سڑیل ہے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ دنیا ملعون ہے اور جو اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے، مگر اللہ کا ذکر اور جو چیز اس کے متعلق ہو اور عالم اور طالب علم، اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے آدمی میں سے جو نجاست نکلتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا کی مثال بنایا ہے۔ ان احادیث کا مقتضا یہ ہے کہ وہ مذموم ہو اور لوگ اس سے نفرت کریں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ دنیا کو بُرا مت کہو کہ ایماندار کیلئے خوب سواری ہے، اس پر سوار ہو کر خیر حاصل کرسکتا ہے اور شر سے بچ سکتا ہے۔ پس جس دنیا پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے وہ دنیا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے، اسی واسطے آپ نے حدیث میں استثناء فرمادیا کہ: الا ذکر اللہ الخ یعنی مگر ذکر اللہ کا اور جو اس کے متعلق ہو اور عالم اور طالب علم تو آپ نے بیان فرمادیا کہ یہ چیزیں دنیا میں داخل نہیں اور جس دنیا کے متعلق فرمایا کہ اسے بُرا مت کہو یہ وہ دنیا ہے جو تم کو اطاعت الٰہی تک پہنچائے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ ایمان والے کیلئے خوب سواری ہے، سو سواری ہونے کے اعتبار سے اس کی مدح فرمائی، نہ اس حیثیت سے کہ وہ دھوکہ اور گناہوں کا مقام ہے، پس تمہاری سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ترک تدبیر کے یہ معنی نہیں کہ بالکل اسباب سے کنارہ اختیار کر لے یہاں تک کہ انسان ضائع ہونے لگے یا پھر لوگوں پر بار ہو جائے اور اللہ کی حکمت جو اثبات اسباب اور ارتباط وسائط میں ہے اس سے جاہل بن جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان: اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی عابد پر سے آپ کا گذر ہوا اس سے دریافت کیا کہ: تو کہاں سے کھاتا ہے؟ اس نے کہا میرا بھائی مجھے کھانے کو دیتا ہے، آپ نے فرمایا: تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے یعنی تیرا بھائی اگرچہ بازار میں رہتا ہے مگر تجھ سے زیادہ عبادت کرتا ہے کیونکہ وہی تو اطاعت میں تیرا مددگار ہے اور تجھ کو عبادت کیلئے فارغ کر رکھا ہے۔

وسائل واسباب کا مرتبہ: اور اسباب میں قدم رکھنے کا کیسے انکار ہو سکتا ہے جب کہ یہ آیات نازل ہو چکی ہیں:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

یعنی خرید و فروخت کو اللہ نے حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ

یعنی گواہ کر لیا کرو جب بیع و شرا کرو۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے زیادہ حلال روزی جس کو آدمی کھائے وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی ہو اور داؤ علیہ السلام دستکاری سے کھاتے تھے اور فرمایا: سب سے اچھی کمائی دستکاری ہے جب دغا فریب نہ کرے اور فرمایا: جو سوداگر امانت دار سچا مسلمان ہو وہ قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ ان آیات اور احادیث کے بعد کیسے ہو سکتا ہے کہ اسباب کی مطلقاً مذمت کی جائے لیکن جو اللہ سے غافل کر دے اور اس کے معاملے سے باز رکھے وہ بے شک مذموم ہے اور اگر تو یہ اسباب بالکل چھوڑ کر تجرید (گوشہ تنہائی) اختیار کرے مگر اللہ سے غفلت ہو تب بھی مذموم ہے اور آفات صرف اہل اسباب پر ہی نہیں پڑتیں بلکہ اہل تجرید بھی مبتلا ہوتے ہیں اللہ کے قہر سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اس کی مہر ہو۔

دنیادار نیک اور دیندار بد کی تفصیل......!

بلکہ بعض اوقات اہل تجرید پر آفت سخت ہوتی ہے کیونکہ اہل اسباب پر تو یہی آفت ہے کہ وہ دنیا میں داخل ہوتے ہیں مگر مدعی نہیں ہوتے ظاہر و باطن ان کا

یکساں ہے اپنے قصور کا اقرار کرتے ہیں جو لوگ فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگے ہیں ان کو اپنے سے افضل سمجھتے ہیں اور اہلِ تجرید کی آفتیں یہ ہیں کہ کبھی ریاکاری پیدا ہو جاتی ہے یا تکبر یا نمائش یا تصنع یا مخلوق کے واسطے اطاعت الٰہی سے آراستہ ہونا کہ ان کا مال حاصل کر لے اور کبھی یہ آفت ہوتی ہے کہ مخلوق پر اعتماد اور سہارا ہو جاتا ہے اور ان کی پہچان یہ ہے کہ اگر لوگ اس کی تعظیم نہ کریں تو ان کی مذمت کرتا ہے اور جو خدمت نہ کریں تو ان پر ناخوش ہوتا ہے پس جو شخص اسباب میں غفلت کے ساتھ ڈوبا ہوا ہے اس کی حالت اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیتیں درست فرمائے اور ہمارے نفوس کو اپنے فضل و کرم سے آفات سے پاک کرے۔

فصل: شاید اس کلام سے تو یوں سمجھ جائے کو متجرد و متسبب ایک مرتبہ میں ہیں۔ کیونکہ آفت دونوں پر آتی ہے اور محفوظ بھی دونوں رہ سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے اور جس نے اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کیلئے فارغ کر دیا اور اپنے اوقات کو اس کے ساتھ مشغول کر دیا اللہ تعالیٰ ہرگز اس کو اس شخص کے مثل نہیں کرے گا جو اسباب میں داخل ہوتا ہے اگرچہ اس میں تقویٰ رکھتا ہو۔ پس اگر متسبب اور متجرد کا مقام باعتبار معرفت الٰہیہ کے برابر ہو اس وقت متجرد ہی افضل ہے اور اس کا شغل اعلیٰ اور اکمل ہے۔ اسی لئے بعض عارفین کا قول ہے کہ مثال متسبب اور متجرد کی ایسی ہے جیسے بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک سے تو فرمایا کماؤ اور کھاؤ اور دوسرے کو حکم ہوا کہ تم ہمارے دربار میں حاضر خدمت رہو تمہاری حاجت کا انتظام ہم کر دیں گے۔ سو اس غلام کا مرتبہ آقا کے نزدیک زیادہ ہے اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا اس کی عنایت کی بڑی دلیل ہے۔ علاوہ یہ ہے کہ اسباب میں داخل ہو کر نافرمانی سے بچنا اور صفائی عبادت نصیب ہونا شاذ و نادر ہے کیونکہ ناجنسوں سے بسر کرنا ہوگا اہل غفلت اور عناد سے ملنا ہوگا اور بڑا معین اطاعت پر مطیعین کا دیکھنا ہے اور بڑا باعث گناہ میں مبتلا ہونے کا گناہ والوں کا دیکھنا ہے جیسا کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد ہے کہ: آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو ذرا دیکھ بھال کر دوستی کیا کرو۔ شاعر نے کہا ہے۔

آدمی کو پوچھ مت دیکھ اس کا یار یار اپنے یار کا ہے مقتدی
ہو جو اس میں شر تو ہو جلدی جدا! خیر گر ہو مل کے ہو تو مہتدی

نفس کی خصلت

نفس میں خاصیت ہے کہ جس سے ملتا ہے اس کے ساتھ تشبہ کرتا ہے اور اُس کی نقل اتارتا ہے اور اُس کی صفات سے متصف اور مشابہ ہو جاتا ہے پس غافلین کی صحبت نفس کیلئے اور زیادہ معین غفلت بن جاتی ہے کیونکہ اصل وضع میں غفلت اس کے مناسب ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ ایک سبب بھی مل جائے کہ وہ مخالطت[1] غافلین ہے اُس وقت تو کیا حال ہوگا اور اے بھائی تجھ کو اللہ توفیق دے تو اپنا ہی حال دیکھ لے کہ جب تو گھر سے نکلتا ہے اور جب تو لوٹ کر آتا ہے دونوں وقت میں ایک سا حال نہیں ہوتا گھر سے جاتے وقت تجھ پر انوار کا غلبہ ہوتا ہے، سینہ کشادہ ہوتا ہے، اطاعت کی ہمت ہوتی ہے، دنیا میں بے رغبتی ہوتی ہے اور لوٹتے وقت یہ حالت نہیں ہوتی اور یہ مقامات نہیں رہتے جس کا سبب صرف کدورت مخالطت ہے اور ظلمت اسباب میں قلوب کا غرق ہونا اور اگر یہ بات ہوا کرتی کہ اسباب و معاصی کے جانے سے ان کا اثر بھی جاتا تھا تو بے شک قلوب کیلئے اللہ کی یاد سے بعد گناہ گار اور دنیا میں پھنسے ہوئے انسانوں سے ملنے جلنے کا اثر ان سے الگ ہو جانے کے بعد بھی رہتا ہے۔ مگر ان کا حال تو آگ کا سا ہے کہ جلنا موقوف ہو جائے مگر سیاہی باقی رہتی ہے۔ ([1] یاد خدا سے غافل دنیا داروں سے ملنا جلنا اور ان کی صحبت)

دنیا داروں کے لئے دو ضروری چیزیں

اور اہل اسباب کو دو چیزوں کی بہت ضرورت ہے علم اور تقویٰ علم کے ذریعے سے تو حلال و حرام کو جانے گا اور تقویٰ کی وجہ سے ارتکاب گناہ سے بچے گا۔ حاجت علم کی تو اس لئے ہے کہ جو احکام متعلق معاملات بیع و سلم و صرف وغیرہ کے ہیں ان کو جاننا ضروری ہے ساتھ ہی اس کی جو واجبات و فرائض معینہ ہیں ان کا علم بھی ضروری

ہے۔تا کہ فوت نہ ہو جائیں۔

اہل دنیا کیلئے ضروری ہدایات جن پر عمل کر کے وہ دینداری کے ساتھ دنیادار رہ سکتے ہیں

چند امور کا التزام اہل تسبب کو رکھنا چاہیے۔

پہلی ہدایت: گھر سے نکلتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کریں کہ اگر کوئی شخص مجھ کو رنج پہنچائے گا تو معاف کر دوں گا، کیونکہ بازار ایسا موقع ہے جس میں جھگڑے والی بات چیت ہو ہی جاتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم ابی ضمضم کے برابر بھی نہیں ہو سکتے اس کی عادت تھی کہ گھر سے نکلتے وقت دُعا کیا کرتا تھا یا اللہ میں نے اپنی آبرو مسلمانوں پر تصدیق کر دی۔

دوسری ہدایت: گھر سے نکلتے وقت مناسب ہے کہ وضو کرے اور دو رکعت نفل ادا کرے اور اللہ سے دُعا کرے کہ اس جانے میں سلامتی رہے کیونکہ اس آدمی کو معلوم نہیں کہ مقدر میں کیا ہے، کیونکہ بازار جانے والا ایسا ہے جیسے کوئی لڑائی میں جانے والا۔

پس مسلمان کو زیبا ہے کہ اعتصام و توکل کی زرہ پہنے (یعنی اللہ سے مدد مانگے اور اس پر پورا بھروسہ و یقین کرے) جو دشمنوں کے تیروں سے اس کو بچائے۔یعنی بازار میں شیطان کا پورا دخل ہوتا ہے اس کے اور اس کے لشکر جن و انس کے مکائد سے اللہ کی پناہ مانگنا ضروری ہے۔ جو اللہ کی پناہ میں آیا اس کو سیدھی راہ ملی اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کو کافی ہے۔

تیسری ہدایت: جب گھر سے جانے لگے تو مناسب ہے کہ اہل و عیال اور گھر کو اور گھر کی تمام چیزوں کو اللہ کے سپرد کر دے کہ اللہ کی حفاظت اس میں زیادہ ہوتی ہے اور یہ آیت پڑھ دے۔

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ .

یعنی اللہ اچھا نگہبان ہے اور وہ سب مہر والوں سے زیادہ مہر والا ہے۔

اور یہ دُعا جو حدیث میں آئی ہے پڑھ دے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃِ فِی الْاَھْلِ وَالْوَلَدِ وَالْمَالِ.

اے اللہ تو میرے ساتھ ہے میرے سفر میں حفاظت کرنے والا ہے، میرے بعد میرے اہل وعیال اور مال واسباب کی۔

کیونکہ اللہ کے سپرد کرنے میں امید ہے کہ ان کو اچھی حالت میں پائے گا۔ کسی شخص نے سفر کیا اور کی بیوی حاملہ تھی جب وہ سفر کو جانے لگا کہا کہ یا اللہ جو اس عورت کے پیٹ میں ہے وہ تجھ کو سونپتا ہوں اتفاق سے اس کے پیچھے اس کی بیوی مر گئی، جب سفر سے آیا تو اس کا حال معلوم کیا، لوگوں نے کہا وہ تو حالت حمل میں مرگئی جب رات ہوئی تو قبرستان میں ایک نور نظر آیا وہ اس کی طرف چلا تو کیا دیکھتا ہے اس کی بیوی کی قبر سے نور نکل رہا ہے اور ایک بچہ اس کی چھاتیوں سے دودھ پی رہا ہے، ایک ہاتف نے آواز دی کہ تم نے ہم کو بچہ سونپا تھا وہ تو نے پایا اگر دونوں کو سونپ جاتا تو دونوں کو پاتا۔

چوتھی ہدایت: جب گھر سے نکلنے لگے تو مستحب ہے کہ یہ دُعا پڑھ لیا کرے۔

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

اللہ کے نام سے یہ سفر شروع کرتا ہوں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ طاقت وغلبہ سب کچھ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

اس دُعا کے پڑھنے سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے۔

پانچویں ہدایت: لوگوں کو اچھے کام بتائے بُری باتوں سے منع کرے اور اس کو نعمت قوت وتقویٰ کا شکر سمجھے جو کہ اللہ نے اس کو عنایت کی ہیں اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ.

یعنی ایسے لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں زمین میں تو نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک باتیں بتائیں اور برے کاموں سے منع کریں اور اللہ ہی کیلئے ہے انجام سب کاموں کا۔

تبلیغ کس پر فرض ہے؟: جس شخص کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ممکن ہو اور کسی طرح کا صدمہ اس کی جان یا آبرو یا مال کو نہ پہنچے تو وہ قدرت والوں میں داخل ہے اور وجوب اس کے ساتھ متعلق ہے اور اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلے صدمہ پہنچے یا بعد میں صدمہ پہنچنے کا ظن غالب ہو اس وقت وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور دل سے برا سمجھنا ہی کافی ہے۔

چھٹی ہدایت: سکون اور وقار کے ساتھ چلے فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ۝

یعنی اللہ کے خاص بندے ایسے ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نرمی سے اور جب بات چیت کرتے ہیں ان سے جاہل لوگ کہتے ہیں وہ ملنساری کی بات۔

اور یہ سکون و وقار کچھ چلنے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ امر مطلوب یہ ہے کہ تیرے سب افعال میں سکون ہو اور ہر امر میں استقلال ہو۔

ساتویں ہدایت: یہ کہ بازار میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ بھاگنے والوں میں لڑنے والا اور بازار میں اللہ ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا مردوں میں زندہ اور بعض بندگان پیشین (پہلے بزرگوں) کی عادت تھی کہ خچر پر سوار ہو کر بازار جاتے اور اللہ کا ذکر کر کے لوٹ آتے اور خاص کر اسی واسطے جایا کرتے تھے۔

آٹھویں ہدایت: بیع و شرا اور کسب معاش میں باجماعت وقت پر نماز پڑھنے سے

غافل نہ ہو کیونکہ ان کاموں کی وجہ سے اگر نماز ضائع کر دے تو اللہ کے غضب اور کمائی میں بے برکتی کا مستحق ہوتا ہے اور اس سے شرمانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اسی حالت میں دیکھے کہ اپنے حظوظ نفسانی میں (نفس کی لذتوں میں پڑ کر) اپنے رب کے حقوق سے غافل ہو جائے اور بعض سلف کی یہ عادت تھی کہ اپنا کام کر رہے ہیں ہتھوڑا اٹھایا کہ موذن کی آواز سنی اس کو پیچھے ہی چھوڑ دیا تا کہ اطاعت کی طرف بلائے جانے کے بعد کچھ بھی مشغولی نہ ہو اور جب موذن کی آواز سنے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرے:

يَاقَوْمَنَا اَجِيْبُوْادَاعِيَ اللهِ

یعنی اے ہمارے لوگو اللہ کے پکارنے والے کا کہنا مانو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ.

یعنی اے ایمان والو! کہا مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا جب تم کو ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہاری حیات کا باعث ہو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ   یعنی اپنے رب کا کہنا مانو۔

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانہ میں نعل مبارک درست فرماتے اور خادم کو سہارا لگا دیتے جہاں اذان ہوتی اس طرح چل کھڑے ہوتے گویا ہم سے کچھ جان پہچان ہی نہیں۔

نویں ہدایت: قسم نہ کھائے اور اپنی چیز کی حد سے زیادہ تعریف نہ کرے اور اس کے بارے میں سخت وعید آئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوداگر لوگ فاجر ہیں، مگر جو نیکی کرے اور سچ بولے۔

دسویں ہدایت: غیبت اور چغل خوری سے زبان بند کرے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد

یاد کرے کہ:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا

یعنی آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ ضرور تم کو بُرا لگے گا۔

غیبت کا گناہ اور اس سے بچنے کا طریقہ

جاننا چاہیے کہ غیبت سننے والا بھی مثل غیبت کرنے والے کے ہے۔ پس اس کے سامنے اگر کسی کی غیبت کی جائے تو اول تو انکار کرنا چاہیے اور اگر کوئی اس کی بات نہ سنے تو وہاں سے اٹھ کھڑا ہو اور خلقت کی حیا اللہ کیلئے کھڑے ہو جانے سے باز نہ رکھے۔ کیونکہ اللہ سے شرم کرنا زیادہ زیبا ہے، اور اللہ اور رسول کا راضی رکھنا لوگوں کے راضی رکھنے سے زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ.

یعنی اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ مستحق ہیں اس کے کہ ان کو خوش اور راضی رکھا جائے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: غیبت کا گناہ چھتیس زنا کرنے سے جو حالت اسلام میں ہو زیادہ شدید ہے۔ (یعنی ایک غیبت کا گناہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ ہے۔)

شیخ کے بیان کردہ چار آداب اور ان کی تشریح: شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ فقیر متسبب کے چار آداب ہیں اگر فقیر ان سے خالی ہو تو اس کی کچھ قدر نہ کرو گو سارے جہان سے علم میں زیادہ ہو ایک تو ظالموں سے کنارہ کرنا۔ دوسرا آخرت والوں کو ترجیح دینا۔ تیسرا فاقے والوں کی غم خواری کرنا، چوتھا پانچوں نمازیں با جماعت ادا کرنا، اور واقعی شیخ نے سچ فرمایا، کیوں کہ ظالموں سے کنارہ کرنے میں دین کی سلامتی ہے وجہ یہ کہ ظالموں کی صحبت نورِ ایمان کو تاریک کر دیتی ہے اور ان سے کنارہ کرنا عذاب الٰہی سے بھی بچاتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ.

یعنی ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی لگے تم کو آگ۔

یہ جو فرمایا کہ آخرت والوں کو ترجیح دینا اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیا اللہ کے پاس بکثرت آمد و رفت رکھے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرے تا کہ کدورت اسباب پر زور آور رہیں ان اولیا اللہ کے برکات اور آثار اس پر بھی ظاہر ہوں اور اکثر اوقات اسباب میں بھی ان سے مدد پہنچتی ہے اور ان کی محبت اور اعتقاد کی بدولت معصیت سے محفوظ رہتا ہے اور یہ جو فرمایا کہ فاقہ والوں کی غم خواری کرنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ پر واجب ہے کہ اللہ کی جو نعمت اس کے پاس ہو اس کا شکر کرے۔ پس جب اسباب تجھ پر کشادہ فرمائے تو ان کا خیال رکھ جن پر اسباب کے دروازے بند ہیں۔ یعنی سامان میں بے سامانوں کا خیال رکھ اور جاننا چاہیے کہ اور اللہ تعالیٰ نے اغنیا کا امتحان اہل فاقہ سے اور اہل فاقہ کا امتحان اغنیاء سے فرمایا ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا۝

یعنی کیا ہم نے بعضے تمہارے کو واسطے بعضے کے آزمائش آیا صبر کرتے ہو اور ہے پروردگار تیرا دیکھنے والا۔

فاقے والوں کا وجود اہل غنا پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ ان کو ایسے لوگ ملے جو ان کے بوجھ آخرت تک اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ یعنی اگر غنی چاہے کہ اپنا مال اسباب آخرت میں بھیجوں تو یہ امر محتاجوں کے ذریعہ سے ممکن ہے اور ان کو ایسے لوگ ملے کہ جہاں انہوں لیا تو اللہ نے لے لیا اور اللہ خود غنی محمود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فقیر کو نہ پیدا کرتا تو اغنیا کے صدقات کیسے قبول ہوتے اور ایسے لوگوں کو کہاں پاتے جو ان سے لے لیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حلال مال سے صدقہ دے اور اللہ حلال مال ہی قبول کرتا ہے، تو گویا وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں رکھتا ہے اللہ اس کو پالتا ہے جیسے تم میں کوئی شخص اپنا بچھڑا یا اونٹ کا بچہ پالتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک

لقمہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کا ثواب بڑھتا جاتا ہے، اسی لئے قیامت کی ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ صدقہ دینے والے کو کوئی آدمی ایسا نہ ملے گا جو اس کا صدقہ وصول کر لے اور یہ جو فرمایا کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فقیر متسبب کو یہ امر میسر نہ ہوا کہ اللہ کی عبادت کیلئے فارغ ہو کر خاص طور پر خدمت و اطاعت میں لگا رہے تو اتنا ضرور ہے کہ پانچ وقت کی نماز جماعت سے فوت نہ ہو، تاکہ یہ التزام جدید انوار و حصول بصیرت کا موجب ہو اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے پر پچیس حصہ زیادہ بزرگی رکھتی ہے اور دوسری حدیث میں ستائیس حصہ بھی بیان کیا گیا ہے اور اگر یہ امر مشروع کر دیا جاتا کہ ہر شخص اپنی دوکان اور گھر میں نماز پڑھ لیا کرے تو مسجدیں ساری بے کار ہی ہو جاتیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِo رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (الآیہ)

یہ دوسری وجہ ہے کہ جماعت کے ساتھ ہمیشہ نماز پڑھنے میں قلوب مجتمع رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں آپس میں اتفاق رہتا ہے مسلمانوں کا یکجا دیکھنا میسر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا ہاتھ ہے جماعت پر اور یہ بات ہے کہ جب جماعت مجتمع ہوگی ان کے قلوب کے برکات حاضرین پر کھلتے ہیں اور ان کے انوار پاس والوں پر پھیلتے ہیں اور ان کا مجتمع اور متصل ہونا مثال ایک لشکر کے ہوتا ہے، جب وہ مجتمع اور متصل ہوتا ہے تو غلبہ کا سبب ہوتا ہے اور اس آیت کے یہ بھی معنی ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌo

یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو چاہتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں جیسے

ایک مکان ہو جس میں سیسہ بھرا ہوا ہو۔

ضمیمہ: اے ایمان والے تجھ پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے کام کیلئے نکلنے کے وقت سے لوٹنے تک اپنی نگاہ کو ہر نا جائز چیز کو دیکھنے سے پست رکھ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ o

یعنی اے محمد ﷺ ایمان والوں سے کہہ دو کہ نیچی کریں اپنی نگاہیں اور محفوظ رکھیں اپنی شرم گاہیں، یہ بات ستھری (پاکی) ہے ان کے واسطے۔

یہ بات جاننا چاہیے کہ نگاہ اللہ کی بڑی نعمت ہے سو نعمت الٰہی کی ناشکری نہیں کرنی چاہئے اور یہ ایک امانت ہے اس میں خیانت نہ کرنا چاہیے اور اس ارشاد خاوندی کو یاد رکھنا چاہئے۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ o

یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور چھپاتے ہیں سینے میں۔

اور فرمایا۔

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى o

یعنی کیا اس کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔

جب کسی نامشروع چیز دیکھنے کا ارادہ دل میں آئے تو سمجھ لے کہ وہ دیکھتا ہے اور معلوم ہونا چاہئے کہ جب کوئی اپنی نگاہ ناجائز چیز سے پست کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کو کشادہ فرمادے گا۔ یہ پوری جزاء ہے، پس جو آدمی عالم شہادت میں اپنی جان پر تنگی کرتا ہے اللہ عالم غیب میں اس پر کشادگی فرماتا ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ کسی شخص نے اپنی نگاہ حرام چیز سے پست نہیں کی مگر اس کے قلب میں ایک نور پیدا ہوا جس کی حلاوت پاتا ہے۔

مضمون اصلی کا بیان: تو تدبیر کرنا اللہ کے آگے اہل بصیرت کے نزدیک ربوبیت کا مقابلہ کرنا ہے، وجہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز یعنی بلا وغیرہ تجھ پر پڑے اور تو

اس کا اٹھانا چاہے کوئی چیز یعنی رزق تجھ سے اٹھایا جائے اور تو اس کا مقرر کرنا چاہے، یا کسی ایسے امر میں تو فکر کرے جس کو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار ہے اور تیرے لئے انتظام کرنے والا ہے۔ سو یہ ربوبیت کا مقابلہ ٹھہرے گا اور حقیقی عبودیت سے نکلنا قرار دیا جائے گا، اس مقام پر فرمان الٰہی ہے۔

اَوَلَمْ یَرَا لْاِنْسَانَ اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○

یعنی کیا آدمی نے دیکھا نہیں، اس بات کو کہ پیدا کیا ہم نے اس کو نطفے سے پس یکا یک وہ کھلا جھگڑالو نکلا۔

پس اس آیت میں آدمی کو تو تنبیہ کی گئی ہے، چونکہ وہ اپنی اصل پیدائش سے غافل ہوا اور پیدا کرنے والے سے جھگڑا کرنے لگا اور اپنی ابتداء کے بھید سے ناواقف ہو کر ابتداء کرنے والے سے منازعت شروع کی اور جس کی پیدائش نطفے سے ہو اس کو کیسے لائق ہے اللہ سے احکام میں جھگڑا کرے اور اس کے جوڑ توڑ میں مخالفت کرے، پس احتیاط کر اللہ کے آگے تدبیر چلانے سے تجھ پر اللہ کی مہر ہو۔

دل کی سیاہی

جاننا چاہیے کہ مطالعہ غیب سے بڑا حجاب قلب کیلئے تدبیر کرنا ہے اور بات یہی ہے کہ نفس کیلئے تدبیر کرنے کا منشا نفس کی محبت ہے اور اگر نفس فنا ہو کر بقاء باللہ حاصل کرنا تجھ کو اپنے لئے تدبیر کرنے اور بذات خود تدبیر کرنے سے غائب کر دے اور ایسا بندہ کس قدر قبیح ہے کہ اللہ کے افعال سے جاہل ہو اللہ کی عنایت سے غافل ہو۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ یعنی اے محمد ﷺ کہہ دو کہ اللہ کافی ہے۔

پس اللہ کو وہ شخص کہاں کافی سمجھتا ہے جو اس کے آگے تدبیر چلاتا ہے اور اگر اللہ کو کافی سمجھتا تو یہ اعتقاد اس کو اللہ کے آگے تدبیر چلانے سے برطرف کر دیتا۔

دنیوی تدابیر کا نقصان

جاننا چاہیے اکثر تدبیر کا طاری ہونا طالبین اور مریدین پر رسوخ یقین (ذات باری پر پورا یقین) اور حصول تمکین سے پہلے ہوتا ہے، کیونکہ اہل غفلت اور بد کردار لوگ تو کبائر اور خلاف شرع اور اتباع شہوات میں شیطان کا کہنا مان چکے ہیں تو اب شیطان کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان کو تدبیر کی طرف بلائے اور اگر بلائے تو وہ جلدی سے قبول کرلیں گے سوان کے حق میں یہ بڑا جال نہیں بلکہ تدبیر کو اہل اطاعت اور طالبین پر داخل کرتا ہے کیونکہ دوسرے طریقے سے ان پر دسترس نہیں، پس بعض اوقات اہتمام تدبیر اور فکر مصالح صاحب ورد کو اس کے ورد یا حضور سے معطل کردیتی ہے بعض صاحب ورد کو شیطان کمزور دیکھتا ہے تو خفیہ تدبیریں اس کے دل میں ڈالتا ہے تاکہ صفاء وقت کو روک دے، کیونکہ وہ تو حاسد ہے اور حاسد کا بڑا حسد اس وقت ہوتا ہے کہ تیرے اوقات صاف ہوں اور تیرے حالات اچھے ہوں۔

دنیاوی تدابیر اور ان کا علاج

پھر تدبیر کے وسوسے ہر شخص کو اس کی حالت کے موافق آیا کرتے ہیں، جس کو آج یا کل کے گزارے کے لائق تدبیر کرنا ہو اس کا تو علاج یہ ہے کہ یقین رکھے کہ اللہ آپ میرے رزق کا کفیل ہے۔ خود اس کا ارشاد ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّـةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ہ

یعنی نہیں کوئی جاندار زمین پر چلنے والا مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

اور مفصل کلام باب رزق میں اس کے بعد ایک مستقل باب میں آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور جس کی تدبیر کسی دشمن کے دفعیہ میں ہو جس کے مقابلہ کی اس کو طاقت نہیں پس اس امر کا یقین کرے کہ جس سے یہ ڈرتا ہے اس کی چوٹی حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ کچھ نہیں کرسکتا مگر جو کچھ خدا کرے اور ان آیات کو خیال کرے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ.

یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کو کافی ہے۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے اور دھمکاتے ہیں تم کو ان لوگوں سے جو خدا کے سوا ہیں۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝

یعنی اہل ایمان ایسے ہیں کہ ان سے جو لوگوں نے کہا کہ اہل مکہ نے تمہاری لڑائی کے واسطے سامان ولشکر جمع کیا سو تم ان سے ڈرو تو ان کا اور بھی ایمان بڑھ گیا۔ اور جواب دیا کہ کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ اچھا کارساز ہے پس اپنے گھر لوٹ کر آئے اللہ کی نعمت اور فضل لے کر کہ نہیں لگی ان کو کچھ رنج کی بات اور پیروی کی اُنھوں نے خدا کی رضامندی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

گوش دل کو اس ارشاد خداوندی کی طرف بھی متوجہ کر:

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا کہ جب تجھ کو موسیٰ کے بارے میں کچھ خوف ہو تو اس کو دریا میں پھینک دے اور نہ خوف کر نہ غم کر۔

یہ بات ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی پناہ چاہنا زیادہ مناسب ہے پھر وہ پناہ دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ.

یعنی اللہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مجرم کو کوئی پناہ نہیں دیتا۔

اللہ سے حفاظت طلب کرنا زیادہ لائق ہے، پھر وہ نگہبانی کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ○

حق تعالیٰ تمام حفاظت کرنے والوں سے زیادہ حفاظت کرنے والے اور بڑے رحم والے ہیں۔

اگر تدبیر اس وجہ سے کرنی پڑتی ہے کہ قرض کی میعاد گذر گئی اور ادا کرنے کو کچھ بھی نہیں اور قرض خواہ صبر نہیں کرتے تو اس وقت یہ یقین کرے کہ جس خدا نے اپنے لطف سے تم کو ایسا آدمی میسر کر دیا جس نے تجھ کو وقت حاجت پر قرض دے دیا وہی خدا اپنے لطف سے ادائیگی کا سامان بھی میسر کر دے گا۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ

یعنی نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں۔

مطلب یہ کہ اللہ نے جیسا تیرے ساتھ احسان کیا تو اس کے ساتھ نیک اعتقاد رکھ اور تف ہے ایسے آدمی پر جس کو اپنے قبضے میں آئی ہوئی چیز پر تو قرار ہو اور جو خدا کے قبضے میں ہے اس پر اطمینان نہ ہو اور اگر تدبیر اس وجہ سے ہے کہ اپنے عیال کو چھوڑ آیا ہے اور ان کی کفایت کے موافق ان کے پاس کچھ نہیں تو اس وقت یہ یقین کرنا چاہیے کہ جو اللہ مرنے کے بعد میں تیرے ان کا انتظام کرے گا تیرے سامنے اور تیرے پیچھے بھی تیری زندگی میں سامان کرے گا، اور رسول اللہ ﷺ کی دعا سنو۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ

یعنی اے اللہ تو سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور گھر والوں میں ہمارے بعد خبر گیری کرنے والا ہے۔

پس جس سے اپنے سامنے امید رکھتا ہے اسی سے اپنی غیبت میں امید رکھ اور ایک بزرگ کی بات سن وہ کہتے ہیں: جس خدا کی طرف میں اپنے کو متوجہ کرتا ہوں اسی کو اپنے گھر والوں کا محافظ چھوڑ آیا ہوں، ایک دم ان کا حال اس سے پوشیدہ

نہیں،اس کا فضل میرے فضل سے وسیع تر ہے اور اللہ تجھ سے زیادہ ان پر مہربان ہے تو اس بات کی فکر مت کر کہ جو دوسرے کی کفالت میں ہے اور اگر تیری تدبیر و اہتمام کسی مرض کے باعث ہے جو تجھ کو لاحق ہے اس کے طول اور امتداد مدت سے ڈرتا ہے تو یقین کر لے کہ ہر بیماری اور ہر بلا کی عمر مقرر ہے۔ جیسے کوئی جاندار نہیں مرتا جب تک اس کی عمر پوری نہ ہو۔ اسی طرح کوئی بلا نہیں ختم ہوتی جب تک اس کا وقت پورا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○

یعنی جب ان کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو نہ پیچھے ہٹتے ہیں ایک ساعت اور نہ آگے بڑھتے ہیں۔

پیرزادہ کا قصہ: کسی شیخ کا ایک بیٹا تھا باپ مر گیا بیٹا رہ گیا اور فتوحات بند ہو گئے اس کے باپ کے بہت سے یار تھے یعنی مرید وغیرہ پورے عراق میں پھیلے ہوئے تھے اس نے فکر کی کہ ان میں سے کون سے یار کے پاس جائے پھر ارادہ کیا جو لوگوں میں سب سے زیادہ وجاہت رکھتا ہو اس کے پاس جانا چاہئے، ایک ایسے بھی تھے۔ ان کے پاس جا پہنچا انھوں نے تعظیم و تکریم کی اور کہا، اے سردار اور سردار کے صاحبزادے تمہارے آنے کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے کہا میں نے اسباب دنیا پر اکتفا کیا میں چاہتا ہوں کہ حاکم شہر کے پاس میرا ذکر کر دو شاید میری کوئی صورت کر دے جس میں میرا گزر چلے۔ ان بزرگ نے بڑی دیر تک سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ میرے امکان میں نہیں کہ سر شام کو صبح کر دوں میں کہاں تم کہاں جب کہ تم اہل عراق کے حاکم بنائے جاؤ گے۔ ان بزرگ کو مکاشفے سے معلوم ہو گیا کہ اس لڑکے کو چند روز میں عراق کی حکومت ملے گی، مگر تقدیر الٰہی میں ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا اس لئے انھوں نے فرمایا کہ سر شام کو صبح نہیں کر سکتا یعنی جس وقت ملنا مقدر ہے اس وقت کو کیسے حاضر کر سکتا ہوں۔ وہ لڑکا غضب ناک ہو کر ان سے چلا گیا اور ان کی

بات نہیں سمجھا، اتفاقاً ایسا ہوا کہ خلیفہ کو اپنے لڑکے کے واسطے معلم کی تلاش ہوئی، کسی نے اس لڑکے کا پتہ دیا اور کہا کہ فلاں شیخ کا بیٹا ہے، غرض خلیفہ زادہ کی تعلیم کیلئے مقرر ہوا چند روز اس کو تعلیم دیتا رہا پھر اس کا مصاحب ہو گیا، یہاں تک کہ چالیس برس گزر گئے اُس خلیفہ کا انتقال ہوا اس کا یہی لڑکا خلیفہ ہوا اس نے اپنے معلم کو حاکم عراق بنا دیا۔ اگر فکر و تدبیر بسبب زوجہ یا کنیز کے ہے جو مر گئی کہ تجھ سے تمام حالات میں مزاج موافق آ گیا تھا اور تیری ضروریات کاروبار کو انجام دیتی تھی، تو یہ یقین رکھ کہ جس نے تجھ کو عنایت کی تھی اس کا فضل واحسان ختم نہیں ہو گیا اور اس کو قدرت ہے کہ اپنی عنایت سے تجھ کو اس سے بڑھ کر دے دے جو حسن اور واقفیت میں اس سے زیادہ ہو، پس جاہل مت بن اور جن وجوہ سے وقتاً فوقتاً فکر و تدبیر ہونے لگتی وہ بے شمار ہیں ان کا پورا بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ وہ گنے چنے اور منحصر نہیں اور جب اللہ تعالیٰ فہم عنایت کر دے خود تجھ کو بتلا دے گا کہ کیا علاج کرنا چاہئے۔

تدبیر کی اصل و بنیاد

جاننا چاہیے تدبیر جو نفس سے پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حجاب ہے اور اگر نفس کی ہسائیگی اور خطرے سے قلب سالم اور محفوظ رہے تو تدبیر کا اس میں گزر نہ ہونے پائے اور میں نے اپنے شیخ ابو العباس مرسیؒ سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر پیدا کیا اس میں اضطراب تھا پہاڑوں سے اس کو ٹھہرایا اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا۔

وَالْجِبَالَ اَرْسَاهَا　　　اور پہاڑوں کو گاڑ دیا۔

اسی طرح جب نفس کو پیدا کیا مضطرب ہوتا تھا تو اس کو جبال عقل سے ٹھیرایا۔

پورا ہوا کلام شیخ ابو العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پس جس کی عقل کامل اور نور وسیع ہوتا ہے اس پر پروردگار کی جانب سے سکون نازل ہوتا ہے اور اس کا نفس اضطراب سے ساکن ہو جاتا ہے اور مسبب الاسباب پر یقین ہوتا ہے۔ پس مطمئنہ بن جاتا ہے یعنی

احکام الٰہیہ کے روبرو دب جاتا ہے ٹھہر جاتا ہے اس کی قضا کے آگے ثابت رہتا ہے، تائید خداوندی اور انوار غیب سے اس کی مدد ہوتی ہے، تدبیر اور مقابلہ تقدیر سے برطرف ہوتا ہے، اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرتا ہے یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کیا کفایت نہیں کرتا تا کہ تیرا رب ہر شے پر حاضر و ناظر ہے پھر وہ نفس اس قابل ہوتا ہے کہ اس کو یوں خطاب کیا جائے۔

یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّہ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝

یعنی اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف رجوع کر تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پس داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

آیت کے ذیل میں نفس کی تشریح: اس آیت میں ایسے نفس کی بڑی خصوصیتیں اور اوصاف مذکور ہیں۔

اول یہ کہ نفس تین طرح کے ہیں امارہ، لوامہ، مطمئنہ، حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کسی نفس کو مخاطب نہیں کیا سوائے نفس مطمئنہ کے امارہ کی شان میں فرمایا:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ.

اور لوامہ کی شان میں فرمایا:

وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ للَّوَّامَۃِ

اور اس نفس کو خطاب کر کے فرمایا:

یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ.

دوسرا اس کا ذکر لقب سے فرمایا اور لقب عرب کے نزدیک تعظیم فی الخطاب کی دلیل ہے اور اہل عقل کے نزدیک افتخار کا باعث ہے۔

تیسرا طمانیت کے ساتھ اس کی مدح فرمائی اس میں تعریف نکلی کہ وہ مطیع ہے اور متوکل۔

چوتھا طمانینت کے ساتھ اس کو موصوف فرمایا اور مطمئن کہتے ہیں پست زمین کو جب اس نے تواضع انکسار کے ساتھ پستی اختیار کی مولا نے اس کی تعریف فرمائی تا کہ اس کی بڑائی ظاہر ہو۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس شخص نے تواضع کی اللہ کیلئے بلند قدر کیا اس کو اللہ نے۔

پانچواں اس کو فرمایا: اِرْجِعِی اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً o

اس میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ ولوامہ کو باعزاز رجوع ہونے کی اجازت نہیں بلکہ یہ دولت نفس مطمئنہ کو نصیب ہے چونکہ اس میں وصف اطمینان ہے اس لئے حکم ہوا کہ اپنے رب کی طرف خوش اور پسندیدہ ہو کر لوٹ آ، کیونکہ ہم نے تیرے لئے اپنی درگاہ میں آنا اور اپنی بہشت میں ہمیشہ رہنا مباح فرمادیا، اس میں آدمی کو ترغیب ہے مقام اطمینان کی اور اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تاوقتیکہ اطاعت اور ترک تدبیر اختیار نہ کرے۔

چھٹا اِرْجِعِی اِلٰی رَبِّکِ فرمایا اِرْجِعِی اِلَی الدَّبِّ نہیں فرمایا نہ اِلَی اللّٰہِ فرمایا۔ اس میں اشارہ ہو گیا کہ اس کا رجوع کرنا اللہ کی طرف باعتبار لطف ربوبیت کے ہے باعتبار قہر الوہیت کے نہیں اس میں اس کو مانوس کرتا ہے اور اپنا لطف و کرم و عنایت ظاہر فرماتا ہے۔

ساتواں رَاضِیَۃً فرمایا یعنی خوش ہو اللہ سے دنیا میں اس کے احکام سے اور آخرت میں جود و انعام سے اس میں بندہ کو آگاہ کرتا ہے کہ رجوع الی اللہ بغیر طمانینت و رضا کے میسر نہیں ہوتا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب تک کہ اللہ سے دنیا میں راضی نہ ہو اللہ کے نزدیک آخرت میں مرضی و پسندیدہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مَرْضِیَّۃً پر رَاضِیَۃً کو مقدم کیا، اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا بندے سے خوش ہونا نتیجہ اس کا ہے کہ بندہ اللہ سے خوش ہو اور دوسری آیت سے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْ عنہ معلوم ہوتا ہے کہ بندے کا خوش ہونا

اللہ سے نتیجہ اس کا ہے کہ اللہ بندے سے خوش ہو، حاصل اعتراض یہ ہے کہ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رضا بندے کی طرف سے ہوتی ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، جواب میں سمجھنا چاہیے کہ ہر آیت اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہے اور دونوں آیتوں کی تطبیق میں کچھ خفا نہیں وجہ یہ کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مدلول یہ ہے کہ وجود ترتیبی میں پہلے اللہ کی طرف سے رضا ہوتی ہے پھر بندے کی طرف سے اور حقیقت اسی کو مقتضی ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اول ان سے راضی نہ ہو تو یہ کیسے راضی ہو سکتے ہیں، کیونکہ کمالات عبد کے بالعرض ہیں اور کمالات حق کے بالذات اور ما بالذات مقدم ہوتا ہے ما بالعرض پر۔

اگر از جانب معشوق بنا شد کششے　　طلب عاشق بیچارہ بجائے نرسد

اور دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب بطریق مذکورہ بندہ اللہ سے دنیا میں راضی ہوگا اللہ اس سے آخرت میں خوش ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے اس میں کچھ اشکال نہیں۔

آٹھواں اس کے حق میں فرمایا مَرْضِیَّۃً اور یہ اس نفس کی بڑی تعریف سب تعریفوں سے بڑھ کر ہے، کیا تو نے یہ ارشاد خداوندی نہیں سنا۔

رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ

یعنی اللہ کی طرف سے رضامندی ہونا سب سے بڑی دولت ہے۔

یہ بعد بیان نعیم اہل جنت کے فرمایا ہے، مطلب یہ ہوا کہ دولت رضا تمام نعماء جنت سے بزرگ تر ہے۔

نواں فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ فرمایا اس میں نفس مطمئنہ کو بڑی بشارت ہے کہ وہ خاص بندوں میں داخل ہونے کیلئے پکارا اور بلایا گیا اور یہ لوگ کون بندے ہیں جن کی شان میں فرمایا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ ط

یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا۔

اور خود شیطان کے قول سے خبر دی:

اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۝

یعنی تیرے مخلص بندوں کو نہ بہکاؤں گا۔

وہ بندے نہیں جن کے حق میں فرمایا۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۝

یعنی جتنے آسمان وزمین والے ہیں سب کو رحمٰن کے پاس بندہ بندہ ہو کر آنا ہے۔

پس نفس مطمئنہ کو اس ارشاد: فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ کی زیادہ خوشی ہے۔ دوسرے ارشاد سے: وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ کیونکہ پہلے نسبت اپنی طرف ہے اور دوسری نسبت جنت کی طرف۔

دسواں وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو اوصاف نفس مطمئنہ میں ہیں انہوں نے اس نفس کو اس قابل بنا دیا کہ اس کے خاص بندوں میں داخل کیا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے، دنیا میں جنت اطاعت اور آخرت میں مشہور جنت میں اور اللہ خوب جانتا ہے۔

فائدہ: یہ آیت دو صفوں کو متضمن ہے ہر ایک کا مدلول یہی ہے کہ قواعد تدبیر کو ترک کیا جائے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس نفس کی کئی خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائیں اس کو چند اوصاف سے موصوف فرمایا ایک طمانینت دوسری رضا اور یہ دونوں بغیر ترکِ تدبیر نہیں حاصل ہوتے کیونکہ نفس جبھی مطمئن بنے گا جب اللہ کی خوبی تدبیر پر یقین کر کے اس کے آگے تدبیر چھوڑ دے وجہ یہ کہ جب اللہ سے راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکائے گا۔ اس کے حکم کی اطاعت بھی کرے گا اس کے فرمانے کو مانے گا پھر اس کی ربوبیت پر مطمئن ہوگا اور اس کی الوہیت پر اعتماد کر کے قرار پکڑے گا اور اضطراب نہ رہے گا کیونکہ اس کو نور عقل جو عطا فرمایا ہے وہ اس کو ثابت رکھے گا اور اس کو کبھی جنبش نہ ہوگی اس کے احکام کے آگے دب جائے گا۔ اس

کے توڑنے جوڑنے میں اپنے کو اس کے سپرد کردے گا۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ حکمت تدبیر و اختیار کے پیدا کرنے میں اپنی قہاریت کا ظہور کرنا ہے، پس جب حق تعالیٰ سبحانہٗ نے چاہا اپنے بندوں کو صفت قہر سے اپنی شناخت کرائے ان میں تدبیر و اختیار کو پیدا کیا پھر ان کو حجابوں سے وسعت دی تب کہیں تدبیر انؑ سے ممکن ہوئی کیونکہ اگر حضوری اور معائنہ میں رہتے تو تدبیر و اختیار ممکن نہ ہوتا جیسے ملاء اعلیٰ کو ممکن نہیں۔

پس جب بندوں نے تدبیر و اختیار شروع کیا اپنے قہر و غلبہ سے اس تدبیر کی طرف توجہ فرماتے ہوئے ان کے ارکان کو ہلا دیا اور ان کی عمارت کو گرا دیا جب اپنے غلبہ مراد سے بندوں کو اپنی شناخت کرائی ان کو یقین ہوا کہ بے شک وہی اپنے بندوں پر قاہر ہے سو ارادہ تیرے اندر اس لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ تیری چیز ہو بلکہ اس لئے پیدا کیا کہ اس کا ارادہ تیرے ارادے پر غالب آئے۔ پس تجھ کو معلوم ہو جائے کہ تیرا ارادہ کچھ نہیں اسی طرح تدبیر کو اسلئے نہیں بنایا کہ تجھ میں ہمیشہ رہا کرے بلکہ اسلئے بنایا کہ تو بھی تدبیر کرے پھر اس کی تدبیر چلے تیری نہ چلے۔ اسی لئے کسی بزرگ سے جو پوچھا گیا تم نے اللہ کو کہاں سے پہچانا؟ جواب دیا ارادے کے توڑنے سے۔

فصل رزق کی فکر اور دنیا طلبی کے شیطانی دھوکوں کی تفصیل اور علاج

ہم نے اوپر وعدہ کیا تھا کہ تدبیر رزق کے بارے میں ایک مستقل باب لائیں گے۔ یعنی وہ باب یہی ہے، کیونکہ اکثر قلوب میں جو تدبیریں آتی ہیں وہ رزق کیلئے ہوتی ہیں۔ یعنی تقریر گزشتہ میں تو مطلق تدبیر کی بحث تھی اور یہاں خاص تدبیر رزق کی ہے، جاننا چاہیے کہ تدبیر رزق سے قلوب کا سالم رہنا بڑی عنایت ہے۔ یہ انہیں کو میسر ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے توفیق دیئے گئے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے ساتھ خوبی یقین میں سچا معاملہ کیا ہے، پس ان کے دلوں کو چین ہو گئی اور توکل کو محقق کر لیا یہاں تک کہ بعض مشائخ کا قول ہے کہ رزق کے قصے کو میرے مضبوط کر لاؤ

اور مقامات کو جانے دو، یعنی اپنے مریدوں سے فرمایا کہ رزق کے مقدمے میں توکل ٹھیک کرلو اور مقامات میں چنداں ریاضت کی حاجت نہیں اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ سب سے بھاری فکر یہ ہے کہ کھانے کا تقاضہ ہوتا ہے اور شیخ موصوف نے جو فرمایا ہے اس کی شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو ایسی مدد کا محتاج بنایا ہے کہ اس کی ترکیب کو قائم رکھے اور اس کی قوت کو بڑھائے کیونکہ اس میں جو حرارت عزیزی ہے وہ اجزائے بدن کو تحلیل کر دیتی ہے اور جب غذا پہنچتی ہے اس کو معدہ طبخ دے کر (پکار کر اور ہضم کر کے) اس کا خلاصہ قبول کر لیتا ہے وہ جزو بدن اور تحلیل شدہ کا بدل ہوتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو انسانوں کو مدد ظاہری اور غذا کھانے سے مستغنی کر دیتا مگر اللہ کو منظور ہوا کہ جاندار کا محتاجِ غذا ہونا اور اس کی طرف مضطر ہونا اور اپنا ان حاجات سے غنی ہونا ظاہر فرمائے اسی لئے حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اَغَیْرَ لِلّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ ۝

یعنی کہہ دو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا خدا کے سوا کسی کو مددگار بناؤں اور خدا بھی کیسا آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اور وہ اوروں کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح دو صفوں سے فرمائی ایک یہ کہ اوروں کو کھلاتا ہے کیونکہ جتنے بندے ہیں سب اس کے احسان سے لے رہے ہیں اور اس کے رزق و منت سے کھا رہے ہیں اور دوسرا وصف یہ کہ کھاتا نہیں کیونکہ حاجت غذا سے مقدس ہے بلکہ وہ صمد ہے اور صمد اسی کو کہتے ہیں جس کو کھانے کی حاجت نہ ہو اور یہ کیا وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان ہی کو محتاجِ غذا بنایا اور موجودات کو نہیں بنایا وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانداروں کو اپنی صفات سے اس قدر عنایت فرمایا کہ اگر اس کو بھوک نہ لگے تو خدا جانے کیا دعویٰ کر بیٹھے یا کوئی دوسرا اس کی نسبت دعویٰ کرنے لگے۔ اللہ تو بڑی حکمت والا خبردار ہے اس کو منظور ہوا کہ اس کو کھانے پینے کا محتاج بنا دیں تاکہ بار بار کا محتاج ہونا سبب ہو جائے، اس کا کہ نہ خود دعویٰ کرے نہ کوئی دوسرا اس کی نسبت

دعویٰ کر سکے۔

حیوانات کو ضروریات اور حاجات کا محتاج بنانے کا فائدہ

جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ نوع حیوان کو خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی محتاج بناؤں تا کہ اس کو اللہ کی معرفت ہو یا اس کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت ہو، اگر آدمی اپنے نفس پر غور کرے تو اس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اگر اس کے حالات میں کوئی دوسرا غور کرے تو اس کے ذریعہ سے اس غور کنندہ کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ محتاج ہونا بھی اللہ تک پہنچنے کا بڑا ذریعہ ہے اور بڑا وسیلہ ہے، جو تجھ کو اللہ تک پہنچاتا ہے، تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا:

يَـآ اَيُّـهَا النّاسُ اَنْـتُـمُ الْـفُـقَـرَآءُ اِلَى اللهِ واللهُ هُـوَا لْـغَنِـىُّ الْـحَـمِـيْـدُ o

یعنی اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز تعریف کے قابل ہے۔

اس طرح محتاجی کو سبب بنایا اللہ تک پہنچنے کا اور اس کے روبرو ہر وقت حاضر رہنے کا اور شاید اس مقام میں تو سمجھ گیا ہوگا یعنی اس حدیث کے جو کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا اپنے رب کو یعنی جس نے اپنے کو پہچانا ساتھ محتاجی اور فقر اور ذلت اور فاقہ اور مسکینی کے پہچانا اس نے اپنے رب کو ساتھ عزت اور غلبہ اور کرم اور احسان وغیرہ اوصاف کمال کے خصوصاً نوع آدمی میں اللہ تعالیٰ نے اسباب حاجت کو مکرر فرمایا اور انواع احتیاج کو متعدد کیا کیونکہ یہ محتاج ہے اپنے معاش و معاد کی اصلاح کا، اس مقام میں اس آیت کو سمجھو۔

لَـقَـدْ خَـلَـقْـنَـا الْاِنْـسَـانَ فِـىْ كَـبَـدٍ o

یعنی ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا۔

یعنی دنیا و آخرت کے کاروبار میں چونکہ اللہ کے نزدیک یہ مکرم ہے اس لئے اسباب حاجت کو اس میں مکرر فرمایا دیکھو کہ اقسام حیوانات بسبب اون اور بال لباس کے محتاج نہیں اور اپنے تھان اور گھونسلہ کے سبب گھر سے مستغنی ہیں۔

فائدہ دوم: وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسان کا امتحان مقصود ہے اس لئے متفرق چیزوں کا اس کو محتاج بنا دیا تا کہ دیکھیں اپنی عقل و تدبیر سے ان چیزوں کو حاصل کرتا ہے یا اللہ کی تقسیم و تقدیر کی طرف رجوع کرتا ہے۔

فائدہ سوم: اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ بندے کا محبوب بنے، پس جس وقت اسباب حاجت کے اس پر وارد کر کے وہ حاجت رفع کرتا ہے اس وقت اس کے نفس میں ایک حلاوت اور قلب میں ایک راحت پیدا ہوتی ہے، اور یہ تجدید محبت کا سبب ہوتا ہے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے محبت کرو، کیونکہ اپنی نعمتوں سے وہ تم کو غذا دیتا ہے، پس جس قدر نعمتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں ویسے ہی محبت تازہ ہوتی جاتی ہے۔

فائدہ چہارم: اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس کا شکر کیا جائے، پس بندوں پر اول حاجت وارد فرمائیں پھر اس کو پورا کیا تا کہ اس کا شکر ادا کریں اور اس کو احسان وسلوک کے ساتھ پہچانیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝

یعنی کھاؤ اپنے رب کی روزی سے اور شکر کرو اس کا، شہر ہے ستھرا اور رب ہے بخشنے والا۔

فائدہ پنجم: اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا کہ اپنے بندوں پر دروازہ مناجات یعنی رازداری کو کشادہ فرمائے جب وہ کھانوں کے اور دوسری نعمتوں کے محتاج ہوتے ہیں بلند ہمتی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اس کی مناجات سے مشرف ہوتے ہیں اور اس کے عطایا سے دیئے جاتے ہیں اور اگر محتاجی ان کو مناجات کی طرف نہ لائے تو عام لوگ ہرگز اس کی حقیقت کو نہ سمجھیں اور اگر حاجت نہ ہوتی تو بجز اہل عشق کے باب مناجات کو کوئی نہ کھلواتا، پس حاجت کا وارد ہونا سبب مناجات کا ہوا اور مناجات بڑی بزرگی ہے اور عزت کا بڑا رتبہ ہے تم خیال نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی خبر اس ارشاد میں فرمائی ہے:

فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ہ

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں لڑکیوں کی خاطر سے بکریوں کو پانی پلایا پھر سائے کی طرف پھرے۔ پھر دُعا کی کہ: اے پروردگار! بے شک میں اس رزق کا جو میرے لئے اتارا ہے محتاج ہوں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں قسم اللہ کی اور کچھ نہیں مانگا بجز ایک روٹی کے کہ اس کو کھائیں اور لاغری سے یہ حال ہو گیا تھا کہ پیٹ کی جھلی کے اندر سے ساگ کی سبزی نظر آتی تھی، پس غور کر تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کیونکہ یقین رکھتے تھے کہ بجز خدا کے کوئی کسی چیز کا مالک نہیں اور مومن کو ایسا ہی ہونا زیبا ہے، اللہ سے چھوٹی بڑی سب چیزیں مانگنی چاہیں۔ یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ میں نماز میں اللہ سے مانگا کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ آٹے کا نمک بھی، اور اے ایمان والے! جس چیز کی حاجت ہو اس کے قلیل ہونے کے خیال سے مانگنے سے مت رہ، اگر قلیل اس سے نہ مانگے گا تو اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہ ملے گا جو وہ چیز عنایت کرے اور مطلوب اگرچہ قلیل ہی ہو لیکن کیونکہ ذریعہ مناجات بن گیا اس اعتبار سے تو جلیل ہے۔

دعا کی حقیقت: یہاں تک کہ شیخ ابو الحسن فرماتے ہیں کہ دعا میں اس کی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ وہ کام پورا ہو گا یا نہیں، اس میں تو اپنے رب سے حجاب ہو جاتا ہے بڑا مقصد تو مناجات مولیٰ ہونا چاہیے۔

تشریح آیت: اور اس آیت میں چند فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ: یہ کہ مومن کو اپنے رب سے تھوڑا بہت سب مانگنا چاہیئے اور اس کو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا فائدہ: موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اسم ربوبیت سے پکارا کیونکہ اس مقام کے مناسب یہی ہے کیونکہ رب اس کو کہتے ہیں جس نے تجھ کو اپنے احسان سے پالا

ہو، اپنی منت سے تجھ کو غذا دی ہو۔ اس اسم میں اپنے مالک کو مہربان بنانا ہے کہ اس کو اسم ربوبیت سے ندا کی جس کے آثار و فوائد کبھی ان سے بند و موقوف نہیں ہوئے۔

تیسرا فائدہ: یوں فرمایا: رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْر ٥ یوں نہیں کہا: اِنِّیْ اِلَی الْخَیْرِ فَقِیْر اس میں یہ فائدہ ہے کہ اگر: اِلیٰ خیرک فَقِیْر یا الی الخیر فقیر کہتے تو یہ بات نہ معلوم ہوتی کہ: رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ٥ تاکہ معلوم ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے یقین ہے اس کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھولے گا نہیں گویا اس طرح کہا کہ:

اے پروردگار! یہ مجھ کو یقین ہے کہ تو نہ مجھ کو اور نہ کسی دوسری مخلوق کو مہمل چھوڑے گا اور تو میرا رزق نازل فرما چکا ہے اب اس نازل کئے ہوئے رزق کو میرے پاس جس طرح چاہے جس طریقہ سے چاہے اپنے احسان و امتنان کے ساتھ مقرون کر بھیج دے، سو اس میں دو فائدے ہو گئے۔ ایک طلب، دوسرا اقرار، اس امر کا کہ اللہ تعالیٰ ان کا رزق نازل فرما چکا ہے مگر وقت اور سبب اور واسطہ معین نہیں فرمایا تاکہ بندے کو اضطرار ہو اور اضطرار کے ساتھ قبولیت ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ.

آیا کون ہے کہ دعا قبول کرتا ہے مضطر کی۔

اگر سبب اور وقت اور واسطے کو معین فرما دیتے تو بندوں کو اضطرار نہ ہوتا جو کہ ابہام کے وقت حاصل ہے، پس پاک ہے اللہ تعالیٰ حکمت والا، قدرت والا، اور علم والا۔

چوتھا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبودیت کے منافی نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو مقام عبودیت میں کمال حاصل تھا۔ پھر بھی اللہ سے مانگا اس سے معلوم ہوا کہ طلب کرنا مقام عبودیت کے منافی نہیں۔

ایک شبہ کا جواب: اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر طلب کرنا مقامِ

عبودیت کے خلاف نہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے کیوں نہیں طلب کیا؟ جب ان کو منجلیق میں رکھ کر پھینکا اور جبرئیل علیہ السلام نے آ کر پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے اور آپ نے جواب دیا کہ تم سے تو نہیں ہاں اللہ سے ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام بولے اللہ ہی سے دُعا کرو اور آپ نے فرمایا میرے مانگنے سے اس کا جاننا بس کرتا ہے، سو علم الٰہی پر اظہار طلب سے اکتفا کیا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر مقام پر وہی معاملہ کرتے ہیں جس کو اللہ کی طرف سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ مناسب ہے۔ سو ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس مقام پر یہی مقصود ہے کہ طلب نہ کروں اور اس کے جاننے پر اکتفا کروں، سو یہ اسی کے موافق تھا جو اللہ کی طرف سے سمجھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو منظور تھا کہ اپنا راز وعنایت جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھی ملاء اعلیٰ پر ظاہر کر دوں جن سے اللہ تعالیٰ نے مشورہ فرمایا تھا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور انہوں نے کہا تھا کہ آپ ایسے شخص کو مقرر فرماتے ہیں جو زمین میں فساد وخونریزی کرے گا اور ہم تو تسبیح وتحمید وتقدیس آپ کی کرتے ہیں۔ اللہ نے جواب دیا کہ بے شک میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے، پس جس روز ابراہیم علیہ السلام منجنیق میں پھینکے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کو اس ارشاد کا بھید ظاہر کرنا منظور ہوا کہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔ گویا اس طرح فرمایا کہ: اے وہ لوگو جو یوں کہتے تھے کہ آپ مفسد اور خونریز کو زمین میں خلیفہ بناتے ہیں تم نے میرے خلیل کو کیسا دیکھا زمین میں اہل فساد سے جو خرابیاں ہونے والی ہیں جیسے نمرود اور اس کے امثال سے ہوئیں تم نے ان پر تو نظر کی اور اہل اصلاح اور رشد سے جو خیر ہونے والی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام سے اور جو اہل عشق میں سے ان کے پیرو ہیں ان سے ہوئیں اس پر نظر نہیں کی، رہے موسیٰ علیہ السلام ان کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت یہی مقصود ہے کہ احتیاج ظاہر کریں اور زبان سوال کھولیں سو مقتضائے وقت کا حق بجالائے اور ہر ایک کی ایک جہت ہے جس طرف اس کا رخ ہے اور سب کے پاس دلیل روشن اور ہدایت اور توفیق من اللہ اور رعایت ہے۔

پانچواں فائدہ: غور کرو کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کس طرح رزق طلب کرتے ہیں کہ صراحۃً نہیں مانگا، بلکہ اللہ کے روبرو اپنے فقر و حاجت کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کی گواہی دی، کیونکہ انھوں نے جب اپنے کو فقر و فاقہ سے پہچانا اس وقت اپنے رب کو غنا اور بھرپوری کے ساتھ پہچانا اور یہ مناجات کے بساطوں میں سے ایک بساط ہے۔ یعنی طریق مناجات سے ایک طریقہ ہے اور یہ بساط بہت ہیں کبھی اللہ تعالیٰ تجھے بساط فقر پر بیٹھاتا ہے اس وقت تو پکارے گا یا غنی، کبھی بساط ذلت پر بیٹھاتا ہے تو اس وقت پکارے گا یا عزیز، یا کبھی بساط عجز پر بیٹھاتا ہے تو پھر پکارے گا یا قوی، اسی طرح باقی اسماء ہیں سو موسیٰ علیہ السلام نے فقر و فاقہ کا اقرار کیا اس میں تعرض و اشارہ ہو گیا طلب کا اگرچہ صاف طلب نہیں ہوئی اور تعریض طلب کبھی اس وقت ہوتی ہے کہ بندہ اپنے اوصاف فقر و حاجت کو ذکر کرتا ہے اور کبھی اس طرح ہوتی ہے کہ اپنے مالک کے اوصاف جہات یکتائی بیان کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: میری اور انبیائے سابقین کی سب دعاؤں میں افضل یہ ہے۔ **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ** سو اللہ کی ثناء کو بھی دعا فرمایا۔ کیونکہ اپنے غنی مالک کے اوصاف کمال ذکر کر کے تعریف کرنا اس کے فضل و عطاء کا تعریضاً مانگنا ہے جیسا شاعر کا قول ہے۔

اسقدر ہے صاحب خلق کریم — خلق یکساں اس کا ہے صبح و مسا
گر کرے اس کی ثناء کبھی کوئی — مانگنے سے اس کو کافی ہے ثناء

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی حکایت میں فرمایا۔

فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّى كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں بے موقعہ کام کرنے والوں میں ہوں۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

یعنی ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات دی اور اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے صراحۃً سوال نہیں کیا لیکن چونکہ اپنے رب عز و جل کی ثناء کی اور اس کے رو برو اپنی خطاء کا اقرار کیا تو اس کی طرف اپنا محتاج ہونا ظاہر کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کو طلب قرار دیا، کیونکہ جواب میں فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فرمایا جس کے معنی ہیں سوال پورا کرنا۔

<u>چھٹا فائدہ:</u> یہ سب میں زیادہ قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کے ساتھ سلوک کر دیا اور ان سے اجرت و جزا طلب نہیں کی بلکہ جب ان کی بکریوں کو پانی پلا چکے تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اس سے مانگا اُن دونوں سے نہیں مانگا بلکہ اپنے مالک سے مانگا جس کی یہ شان ہے کہ جب اس سے مانگا اس نے عطاء کیا اور صوفی وہی ہے کہ اوروں کے حقوق جو اس کے ذمے ہیں پورے کر دے اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرے اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں۔

عمر شکوہ خلق میں ضائع نہ کر — وقت کم ہے اور جاتا ہے چلا
کیوں شکایت ہے تجھے جب ہے یقین — ہوتا ہے جو کچھ وہ سب لکھا گیا
جب خدا کا حق نہیں کرتے وفاء — کیا وفا تجھ سے کریں گے ہے تو کیا
دیکھ جو کچھ تجھ پہ ہیں ان کے حقوق — صبر سے ان کو تو پورا کر ادا
جب کرے کچھ کام کر اس کا خیال — ہے خدا تیری نیت کو جانتا

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے حق ادا کیا اور اپنا حق نہیں مانگا ان کیلئے اللہ کے پاس پوری جزا ہوئی اور دنیا میں بھی سر دست عنایت فرمائی، علاوہ اس کے جو آخرت میں جمع ہے۔ یعنی ایک لڑکی سے ان کا نکاح کر دیا اپنے نبی شعیب علیہ السلام کا داماد بنا دیا اور ان کے ساتھ مانوس کر دیا، یہاں تک کہ پیغمبری کا وقت آ گیا۔ سوائے بندے اپنا معاملہ اللہ ہی سے رکھ نفع والوں میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ

تیری وہی خاطر کرے گا جیسی متقی بندوں کی فرمائی۔

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دیکھو۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ

اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو جائز ہے کہ سایہ کو دھوپ پر اور سرد پانی کو گرم پانی پر اور سہل طریق کو دشوار طریق پر اختیار کریں اور مقدم رکھیں اور اس امر سے مقام زہد سے خارج نہیں ہوتا دیکھو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا کہ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ یعنی سایہ کا قصد کیا۔

ایک شبہ کا جواب: اگر کوئی اعتراض کرے کہ کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ کوئی آدمی ان کے پاس گیا اور دیکھا کہ جس گھڑے کا پانی پیتے ہیں اس پر دھوپ پھیل رہی ہے اس مقدمے میں ان سے کہا گیا تو بزرگ نے جواب دیا جب میں نے گھڑا رکھا تھا تو دھوپ نہ تھی اب شرم آتی ہے کہ اپنے حظ نفس کیلئے چلوں۔ جواب میں جاننا چاہیے کہ یہ اس شخص کی حالت ہے جو صدق کو بتکلف طلب کر رہا ہے اور اپنے نفس کو اس کی آرزوؤں سے روک رہا ہے تا کہ اس کو غفلت عن اللہ سے باز رکھے اور اگر اس کا مقام کامل ہو چکتا تو پانی کو دھوپ سے اٹھا لیتا اور قصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے نفس کا حق اس لئے ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے، نہ اس کی لذت حاصل کرنے کو بلکہ اس لئے کہ اس باب میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا کروں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ.

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۝

یعنی اللہ کو منظور ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے اور انسان پیدا ہوا ہے کمزور۔

اسی لئے فقہاء کے نزدیک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی منت مانے کہ مکہ معظمہ تک ننگے

پاؤں جاؤں گا تو اس کو جوتہ پہن لینا جائز ہے۔ برہنہ پاؤں جانا واجب نہیں۔ کیونکہ شریعت کا خاص یہ مقصود نہیں کہ لوگ سختی میں پڑیں اور شریعت لوگوں کو لذات حاصل کرنے سے نہیں روکتی اور کیونکر روکے آخر یہ لذات تو انہیں کیلئے پیدا کیے گئے ہیں۔

نفس کی لذتیں حاصل کرنے کا ایک واقعہ

ربیع بن زیاد حارثیؒ نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ میرے بھائی عاصم کے مقدمے میں میری مدد فرمایئے۔ آپ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کمل اوڑھا ہے۔ فقیر بنا چاہتے ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لاؤ، غرض وہ اس ہیئت سے حاضر کیے گئے کہ ایک کملی باندھے ہوئے تھے اور دوسری کملی اوڑھے ہوئے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال میلے پریشان تھے، آپ ان کو دیکھ کر ناراض وخفا ہوئے اور فرمایا تیرے حال پر افسوس ہے تجھ کو اپنی بیوی سے شرم نہ آئی، تجھ کو اپنے بچے پر ترس نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ تیرے لئے ستھری چیزیں مباح کر کے پسند نہیں کرتا کہ تو اس میں سے کچھ کھائے۔ تیری قدر اللہ کے یہاں اتنی کہاں ہے، کیا تو نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا۔ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ اِلٰی قَوْلِهٖ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں اسی لئے مباح کی ہیں کہ برتیں اور اللہ کی تعریف کریں پھر اللہ ثواب دے اور اللہ کی نعمتوں کا ابتذال فعلی قولی ابتذال سے بہتر ہے۔ یعنی کھانے پینے برتنے میں تو فعلاً ابتذال ہے اور انکار میں قولاً ابتذال ہے کہ اس کو بے قدر سمجھ کر چھوڑ دیا تو برتنا ترک سے بہتر ٹھیرا۔ عاصمؒ بولے پھر آپ کی کیا حالت ہے کہ موٹا کھاتے ہیں اور موٹا پہنتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا تجھ پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ نے ائمہ حق (یعنی مسلم بادشاہوں اور ذمہ دار لوگوں) پر اسی بات کو فرض کیا ہے کہ اپنے کو غریب لوگوں کے برابر رکھیں۔ تاکہ غرباء کو ان تک رسائی ہو اور ان کی حالت دیکھ کر تسکین ہو اور بہت مصلحتیں ہیں۔ حضرت علیؓ کی تقریر سے واضح ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے یہ نہیں طلب کیا کہ لذات

کو چھوڑ دیں بلکہ ان کو شکر ادا کرنے کا حکم کیا ہے۔ پس فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے۔

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ.

یعنی اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْ اللّٰهِ.

یعنی اے ایمان والو! کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے تم کو دیں اور شکر کرو اللہ کا۔

اور فرمایا:

اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا٥

یعنی اے پیغمبرو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو اچھے۔

یوں نہیں فرمایا کہ کھاؤ مت، بلکہ یوں فرمایا کہ کھاؤ اور عمل کرو، اگر کوئی اعتراض کرے کہ دونوں آیتوں میں طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں کیونکہ شریعت کی نظر میں تو طیب وہی ہیں تو جواب سمجھو کہ یہ بھی ممکن ہے کہ طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں۔ کیونکہ وہ اس وجہ سے طیب ہیں کہ ان کے ساتھ گناہ یا مذمت یا حجاب متعلق نہیں ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ طیبات سے مراد لذیذ کھانے ہوں اور حکمت ان کی اباحت اور کھانے کی اجازت کی یہ ہے کہ ان کا کھانے والا لذت پائے۔ پھر اس کی ہمت شکر کیلئے بڑھے اور خدمت بجالائے اور حق حرمت کی رعایت کرے۔

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے مجھ سے فرمایا: اے بیٹا پانی ٹھنڈا پیا کرو کیونکہ بندہ جب گرم پانی پیتا ہے تو الحمدللہ جی اترے سے کہتا ہے اور جب ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو ہر ہر عضو الحمدللہ کہنے میں ساتھ دیتا ہے۔ پھر فرمایا: وہ جو گھڑی والے کا قصہ ہے (جو اوپر گزرا) وہ صاحب حال ہے اس کا اقتدا نہیں کیا جائے گا۔

حق تعالیٰ ہی رزق پہنچانے کا ذمہ دار ہے

اس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حیوان کو خصوصاً آدمی کو غذا کے محتاج بنانے

میں (جو اس کو مدد پہنچاتی ہے) کیا حکمت ہے اب اس میں گفتگو کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس غذا دینے اور اس کے پہنچانے کی کفالت فرمائی ہے۔

سو جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے جب حیوان کو ایک مدد کا محتاج بنایا جو اس کی امداد کرے اور غذا کا محتاج بنایا جس سے اس کا وجود قائم رہے اور ان دونوں جنس یعنی انسان و جن کی خلقت اس لئے ہوئی ہے کہ ان کو عبادت کا حکم ہو اور ان سے اپنی اطاعت کا مطالبہ ہو اس لئے ان کو بےفکر کرنے کیلئے یہ فرما دیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○

یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انسان کو مگر اس واسطے کہ میری عبادت کریں میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو کھلائیں۔ بے شک اللہ رزق دینے والا قدرت والا زور دار ہے۔

سو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ ان دونوں جنس کو صرف عبادت کیلئے پیدا کیا یعنی اس واسطے پیدا کیا کہ ان کو عبادت کا حکم کریں جیسے کوئی اپنے غلام سے کہے کہ اے غلام میں نے تجھ کو صرف اس لئے خریدا ہے کہ تجھ کو خدمت کا حکم کروں اور تو اس کو بجالائے۔

فائدہ: یہ تاویل اس واسطے کی کہ معتزلہ کا مذہب ٹوٹ جائے۔ چنانچہ آگے آتا ہے اور کبھی غلام مخالفت اور سرکشی کرتا ہے اور تیرا خریدنا اس واسطے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ تیری مہمات (مشکل کام) بجالائے اور تیرے کام پورے کرے۔

معتزلہ کا مذہب اور اس کی تردید: اور معتزلی لوگ اس آیت کو ظاہر پر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو صرف اطاعت کیلئے پیدا کیا ہے اور کفر، معصیت کے خالق خود بندے ہیں اور ہم اس مذہب کو اوپر باطل کر چکے ہیں۔ حاصل جواب کا اہل سنت کی طرف سے یہ ہے کہ قصد دو ہیں ایک قصد تشریعی، دوسرا

قصد تکوینی، سو اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ صرف عبادت کے قصد سے ان کو پیدا کیا یہ قصد تشریعی ہے کہ وہ معصیت کے ساتھ متعلق نہیں کیونکہ شرع میں اس سے ممانعت ہے اور قصد تکوینی یعنی تخلیقی اطاعت و معصیت و دونوں کے ساتھ متعلق ہے۔ لقولہٖ تعالیٰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ o سو معتزلہ نے اس آیت میں قصد تکوینی مراد لیا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ قائل اور حکمت تخلیق ایجاد کے بیان کر دینے میں لوگوں کہ بتلا دینا اور آگاہ کرنا ہے کہ کس واسطے پیدا ہوئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا جوان کے مقدمہ میں مقصود ہے اس سے ناواقف رہیں اور طریق ہدایت سے بھٹک نہ جائیں اور رعایت حقوق کو چھوڑ نہ دیں اور بعض اخبار میں آیا ہے کہ ہر روز چار فرشتے آپس میں سوال جواب کرتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کاش! یہ خلقت پیدا نہ ہوتی؟ دوسرا کہتا ہے کہ اگر پیدا ہو چکے تھے تو یہی جانتے کہ کیوں پیدا ہوئے۔ تیسرا کہتا ہے کہ جب جانتے کہ کیوں پیدا ہوئے تو علم کے موافق عمل کرتے۔ چوتھا کہتا ہے کہ اگر عمل نہیں کیا تھا تو برے اعمال سے توبہ ہی کرتے۔ پس حق تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا کہ بندوں کو ان کی ذات کیلئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس واسطے پیدا کیا کہ اللہ کی عبادت اور توحید میں مشغول ہوں۔ کیونکہ تو غلام اس لئے نہیں خریدتا کہ وہ اپنے کام میں لگا رہے، بلکہ اس لئے خریدتا ہے کہ تیری خدمت کرے۔ پس یہ آیت ایسے لوگوں پر حجت ہے کہ اپنے حظوظ نفسانیہ میں رب کے حقوق سے اور اپنے ہوائے نفسانی میں مولیٰ کی اطاعت سے غافل ہیں۔

ابراہیم بن ادہم کی توبہ: اسی لئے ابراہیم بن ادہم جب شکار کو نکلے تو گھوڑے پر چڑھے ہوئے ہاتف کی آواز سنی اور یہی ان کی توبہ کا باعث ہوا۔ وہ ہاتف کہتا ہے: اے ابراہیم کیا اسی لئے تو پیدا کیا گیا ہے یا تجھ کو یہی حکم ہوا ہے؟ پھر دوسری آواز سنی اے ابراہیم نہ اس لئے تو پیدا ہوا ہے نہ تجھ کو یہ حکم ہوا ہے، سو سمجھدار وہ شخص ہے جو حکمت ایجاد کو سمجھ کر اس پر عمل کرے اور فقہ حقیقی یہی ہے جس کو یہ عنایت ہوا اس کو بڑی نعمت ملی۔

امام مالک کا فرمان اور فقہ کی تعریف: اسی کے حق میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فقہ کثرت روایت سے نہیں ہوتا بلکہ فقہ ایک نور ہے جس کو اللہ جل شانہٗ قلب میں رکھ دیتا ہے اور میں نے اپنے شیخ ابو العباسؒ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ فقیہ وہ شخص ہے جس کے دیدۂ دل سے حجاب ہٹ جائے، پس جس کو اللہ کی طرف سے حکمت ایجاد کی سمجھ عنایت ہوگی کہ صرف اس کو اپنی اطاعت کیلئے پیدا کیا ہے اور صرف خدمت کیلئے بنایا، اس کا یہ سمجھنا سبب ہو جائے گا۔ دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی طرف رُخ کرنے کا اور خطوط نفسانیہ کو چھوڑ کر فکر معاد و آمادگی کے ساتھ اپنے مالک کے حقوق میں لگ جانے کا یہاں تک کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر مجھے خبر دی جائے کہ تو کل کو مر جائے گا تو اپنے نفس میں کچھ تغیر نہ پاؤں، کیونکہ آخرت کیلئے تو تیار ہی بیٹھا ہوں۔

کسی بزرگ سے ان کی ماں نے کہا اے بیٹا! تو روٹی کیوں نہیں کھاتا؟ جواب دیا کہ روٹی چبانے اور چبے ہوئے کھانے میں پچاس آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی عقلوں کو انتظار ہول قیامت اور ملاقات جبار نے اس دنیا سے غافل کر دیا ہے اور اس خیال نے دنیا کی لذت کی آگاہی اور مسرت کی خواہش سے دور ڈال دیا۔

یادِ الٰہی میں غرق انسانوں کے قصے

یہاں تک کہ ایک عارف کہتے ہیں میں ملک مغرب میں کسی شیخ کے پاس ان کے گھر گیا اور وضو کیلئے پانی بھرنے اٹھا، وہ شیخ اٹھ کر بھرنے لگے، میں نے منع کیا، انہوں نے نہ مانا، اور رسی کا سرا اپنے ہاتھ میں باندھا، تا کہ ڈول چھوٹ نہ جائے اور گھر میں ان کے قریب کنوئیں کے کنارے پر زیتون کا درخت تھا کہ گھر پر مثل شامیانہ پھیلا ہوا تھا۔ میں نے کہا اے حضرت رسی کا سرا اس درخت سے کیوں نہیں باندھ دیتے۔ فرمانے لگے آیا یہاں درخت بھی ہے، مجھ کو اس گھر میں ساٹھ برس ہوئے مگر مجھ کو خبر نہیں کہ اس گھر میں درخت بھی ہے۔ سوائے طالب ذرا یہ حکایت

اور کے مثل کان کھول کر سن تجھ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے ایسے بندے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے ساتھ مشغول کر کے سب سے غافل کر دیا ہے اور کوئی شے ان کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتی، ان کی عقل کو اس کی عظمت نے از خود رفتہ کر دیا ہے۔ ان کی نفسوں کو اس کی ہیبت نے متحیر بنا دیا ان کے دلوں میں اس کی محبت بیٹھ گئی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان کے زمرے میں شامل کر لے اور ان سے جدا نہ کرے۔

اسی طرح کی اور حکایت ہے کہ صعید (ایک مقام کا نام) میں کوئی ولی کسی مسجد میں رہتے تھے۔ کسی خادم نے اجازت چاہی کہ مسجد میں جو کھجور کے دو درخت کھڑے ہیں ایک میں سے ایک شاخ توڑ لوں، انہوں نے اجازت دے دی۔ اس شخص نے پوچھا کہ حضرت کون سے درخت سے زرد سے یا سرخ سے، فرمایا اے بیٹا مجھ کو اس مسجد میں چالیس برس ہوئے مجھ کو زرد سرخ کا حال معلوم نہیں۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے بچے ان کے گھر میں پھرا کرتے اور وہ پوچھتے تھے کہ یہ کس کے لڑکے ہیں؟ جب تک بتلائے نہ جاتے تھے پہنچانتے نہ تھے۔ اللہ کے ساتھ ایسے مشغول رہتے، ایک بزرگ اپنی اولاد کو دیکھ کر کہتے کہ اگرچہ ان کا باپ جیتا ہے مگر یتیم ہیں اور اس جھلک کے آثار میں کلام بڑھانا مقصود کتاب سے علیحدہ کر دے گا۔

فوائد آیت اور مقصود کا بیان: جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ میں نے جن وانس کو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ ان کو حوائج بشریہ پیش آئینگے کہ اپنے مقتضا کے موافق ان سے مطالبہ کریں گے اور اخلاص توجہ عبودیت کو مشوش کریں گے۔ اس واسطے ان کیلئے رزق کی کفالت فرمائی تا کہ خدمت خداوندی فراغت سے کریں اور طلب رزق میں لگ کر عبادت سے غافل نہ ہو جائیں سو فرمایا:

مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

یعنی میں ان سے یہ نہیں چاہتا کہ اپنے کو رزق دیں۔

کیونکہ میں اپنی کفایت و کفالت سے اس میں کافی ہو چکا ہوں۔

وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ○

یعنی میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ لوگ مجھے کھلائیں۔

کیونکہ میں قوی ہوں صمد ہوں جس کو کھانے کی حاجت نہیں ہے، اسی لئے اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ○

یعنی چونکہ میں اُن کا رزق دینے والا ہوں اس لئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے لئے سامان رزق کریں اور چونکہ میں قوت والا ہوں اس لئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھلائیں۔

کیونکہ جس کی ذاتی قوت ہوگی وہ کھلائے جانے سے غنی ہوگا۔ پس یہ آیت اس مضمون کو مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے رزق کا کفیل ہے، خود فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ اور ایمانداروں پر یہ بات لازم ٹھہرادی کہ رزق رسانی میں اس کو یگانہ سمجھیں اور اس کا شمہ بھی مخلوق کی طرف منسوب نہ کریں اور اسباب اور اکتساب کی جانب مستند نہ کریں۔ (یعنی یوں نہ دل سے سمجھیں نہ زبان سے کہیں کہ ہم نے ایسا کیا تو روزی حاصل ہوئی بلکہ اپنے کرنے یا اپنی عقل وخرد کو بیکار محض جان کر یقین کریں کہ جو کچھ ملا ہے صرف مرضی حق سے ملا ہے، آج کل ہمارے یقین اس کے خلاف ہیں)

علم نجوم کا اثر ایمان پر

اور راوی کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ صبح کے وقت جس کی رات کو بارش ہو چکی تھی فرمانے لگے کہ تم کو کچھ خبر ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم کو تو کچھ خبر نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: آج صبح کو میرے بندوں میں سے بعضے مومن ہوئے بعضے کافر۔ سو جس نے کہا کہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش ہوئی، وہ شخص تو مجھ پر ایمان لایا اور ستارے کے ساتھ انکار کیا اور جس نے کہا چاند کی فلاں منزل یا فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی، اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارے پر ایمان لایا۔ پس اس حدیث میں اہلِ ایمان کو بڑا فائدہ اور اہل یقین کو بڑی بینائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کی

تعلیم ہے اور امید ہے کہ یہ حدیث مومن کو علم نجوم اور ان کی تاثیرات کے قائل ہونے سے روکنے کیلئے کافی ہے، اور جاننا چاہیے کہ قضائے الٰہی تیرے مقدمے میں مقدر ہے کہ ضرور اس کو نافذ فرمائے گا اور اس کا حکم مقرر ہے کہ اس کو ظاہر فرمائے گا۔ پھر علام الغیوب کے علم کی جستجو کرنے سے کیا فائدہ ہے، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کے احوال جستجو کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے: لَاتَجَسَّسُوْا تو غیب خداوندی کو جستجو کرنا ہم کو کیسے زیبا ہے؟ کسی نے خوب کہا ہے۔

میری جانب سے نجومی کو کہو حکم کو کب کو نہیں میں مانتا
جو خدا چاہے وہی ہوگا ضرور بالیقیں اس امر کو ہوں جانتا

فائدہ: جاننا چاہیے کہ صیغہ رزاق کا فعال کے وزن پر آنا مبالغہ معنی رزق کو مقتضی ہے سو رزاق زیادہ بلیغ ہے۔ رزاق سے کیونکہ فعال مبالغے میں فاعل سے زیادہ بلیغ ہے۔ سو ممکن ہے کہ یہ مبالغہ اس وجہ سے ہو کہ جن کو رزق دیا جاتا ہے ان کی تعداد بہت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود چونکہ رزق بھی بہت ہے اس لئے مبالغہ ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں امر مقصود ہوں۔

دوسرا فائدہ: جاننا چاہئے کہ جس مضمون سے مقصود ہو اس پر صفت کی دلالت فعل کی دلالت سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔ سو تیرا یہ کہنا کہ زَیْدٌ مُحْسِنٌ اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ زَیْدٌ یُحْسِنُ یَا قدا حَسَنَ وجہ اس کی یہ ہے کہ صفت تو ثبوت اور استقرار پر دلالت کرتی ہے اور فعل اپنی اصل وضع میں تجدد اور انقراض کیلئے ہے اسی جہت سے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ کہنا سے زیادہ بلیغ ہے، اور اگر اِنَّ اللّٰهَ هُوَ یَرْزُقُ فرماتے تو صرف اثبات رزاقیت کو مفید ہوتا حصر حاصل نہ ہوتا جب اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ کہا تو انحصار کا بھی فائدہ دیا تو جب اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ کہا تو گویا یوں کہا کہ لَا رَازِقَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی کوئی رازق نہیں سوائے اللہ کے۔

دوسری آیت رزق اور اس کے فائدے:

دوسری آیت رزق کے باب میں یہ ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ.

یعنی اللہ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو وفات دے گا پھر تم کو جلائے گا۔

یہ آیت دو فائدوں کو متضمن ہے۔

پہلا فائدہ: یہ کہ خلق و رزق دونوں ساتھ ساتھ ہیں، یعنی جیسا تم نے اللہ کی خالقیت کو تسلیم کر لیا خود دعویٰ خالقیت نہیں کرتے، اسی طرح رازقیت بھی تسلیم کر لو اور رزاقی کے مدعی مت بنو۔ یعنی اللہ تعالیٰ جیسا تخلیق و ایجاد میں یگانہ ہے ایسا ہی رزاقی اور مدد پہنچانے میں یکتا ہے۔ اس لئے دونوں کو ساتھ ذکر کیا تاکہ بندوں پر حجت قائم ہو اور ان کو اس سے ممانعت ہو کہ اس کے رزق کو دوسرے کی طرف سے سمجھیں اور اس کے احسان کو مخلوق کی طرف سے خیال کریں اور اللہ تعالیٰ جیسا بلا واسطہ و بلا سبب اسباب خالق ہے، اسی طرح بے واسطہ بے سبب رزاق بھی ہے۔

دوسرا فائدہ: یہ کہ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثم رَزَقَکُمْ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلا دی کہ رزق کا قصہ گزر چکا اور اس کی بات پختہ ہو چکی۔ اب قضا کسی وقت اس میں کوئی نئی بات نہیں کرتی اور زمانے کے آنے پر اس کے آنے کا انتظار نہیں البتہ اس کا ظہور تازہ ہوتا ہے نہ کہ ثبوت اور رزق کا لفظ دو قسم کے رزق پر بولا جاتا ہے۔ ایک وہ جو ازل میں مقدر ہو چکا دوسرا وہ جو بندہ کے موجود ہونے کے بعد ظاہر ہونا شروع ہوا اور اس آیت میں دونوں معنوں کا احتمال ہے۔ پس اگر مراد وہ رزق ہے جو مقدر ہو چکا اس وقت ثم محض ترتیب ذکری کیلئے ہے، اور ترتیب وقوع کیلئے نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ بعد پیدا کرنے کے رزق مقدر فرمایا حالانکہ تقدیر سابق ہے ایجاد سے اور اگر مراد اس سے وہ رزق ہے جو بعد وجود ظاہر کیا، سو یہ آگاہ کرنا ہے۔ تاکہ عبرت حاصل ہو، یعنی تخلیق کے بعد جو رزق دیا جاتا ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، پھر بتلا دینے سے کیا فائدہ، جواب دے دیا کہ اہل غفلت کو آگاہ کرنا مقصود ہے۔

اور مقصود اس آیت سے جس کیلئے یہ بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے الوہیت کا ثابت کرنا ہے گویا یوں کہا جاتا ہے کہ اے غیر اللہ کے پرستش کرنے والو! اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر روزی پہنچائی۔ پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو جلائے گا، آیا یہ اوصاف غیر اللہ میں پاتے ہو؟ یا کسی مخلوق میں ان اوصاف کا ہونا ممکن ہے؟ سو جو ذات ان اوصاف میں یگانہ ہے اسی کی الوہیت کا اقرار کرنا چاہیے اور اسی کو ربوبیت میں واحد سمجھنا چاہیے۔ اسی واسطے اس کے بعد فرمایا:

هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ
سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝

یعنی آیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ پاک ہے وہ اور برتر ہے اس چیز سے کہ شریک لاتے ہیں۔

تیسری آیت رزق اور اس کے فوائد:

تیسری آیت رزق کے مقدمے میں یہ ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا۝
نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۝

یعنی حکم کروا ے محمد ﷺ اپنے گھر والوں کو نماز کا اور اس پر قائم رہو ہم تم سے روزی نہیں مانگتے، ہم تم کو خود روزی دیں گے، اور نیک انجام تقویٰ کا ہے۔

اور اس آیت میں چند فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ: جاننا چاہیے کہ اگرچہ مخاطب اس آیت کے پیغمبر خدا ﷺ ہیں مگر اس کا حکم اور وعدہ آپ کی امت کے ساتھ بھی متعلق ہے۔ پس ہر بندے کو یہی کہا جاتا ہے: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا۝ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۝ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو جاننا چاہیے کہ اے بندے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو یہ فرمایا ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر۔ کیونکہ جیسا اسباب دنیاوی سے ان کے ساتھ سلوک کرنا اور ان کی حاجت کا خیال رکھنا تجھ پر

واجب ہے۔ اسی طرح یہ سلوک کرنا بھی تجھ پر واجب ہے کہ ان کو اطاعت الٰہی کی طرف لائے اور اس کی نافرمانی سے بچائے اور جیسا تیرے گھر والے دنیاوی سلوک کے مستحق ہیں۔ اسی طرح اُخروی کے بھی مستحق ہیں، دوسرے یہ کہ وہ تیری رعیت ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

كلكم راعٍ و كلكم مسئول عن رعيته

یعنی تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کا حال پوچھا جائے گا۔

اور دوسری جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ

یعنی اپنے قرابت والے کنبے کو ڈراؤ۔

جیسا یہاں فرمایا:

وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ

دوسرا فائدہ: دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر خدا ﷺ کو اس آیت میں اول یہ فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو، پھر حکم کیا کہ تم بھی دوام کرو، تاکہ یہ بات جتلائے کہ یہ آیت خاص اسی مضمون کیلئے بیان کی گئی ہے کہ گھر والوں کو نماز پڑھاؤ اور دوسرا مضمون طبعاً ضمناً آ گیا ہے۔ اگرچہ بذات خود وہ بھی مقصود ہو، لیکن چونکہ بندہ یقیناً جانتا ہے کہ مجھ کو تو نماز کا حکم ہے ہی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے بندوں کو ایسے امر سے آگاہ فرمادے جس کا مہمل چھوڑ دینا ممکن ہے۔

ف: یعنی گھر والوں کو نماز پڑھوانا اس لئے اپنے رسول کو حکم فرمایا تاکہ دوسرے لوگ بھی سنیں اور پیروی کریں، پھر اس کی طرف دوڑیں اور اس کی بجا آوری پر دوام کریں۔

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ تجھ پر واجب ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرے جیسے بیوی، لونڈی، بیٹی اور ان کے سوائے جو اپنے متعلق ہوں اور نماز چھوڑنے پر ان کو مارنا بھی جائز ہے اور اللہ کے پاس تیرا یہ عذر قبول نہیں کہ میں نے تو کہا تھا انہوں نے

سنا ہی نہیں۔ اگر گھر والوں کو یقین ہو جائے کہ تجھ پر ان کا نماز چھوڑنا اس قدر شاق ہے جیسے کھانا بگڑ جانا یا ضروری کام کا رہ جانا تو ہرگز نماز نہ چھوڑیں، مگر ان کو تو عادت ہوگئی ہے کہ تو ان سے اپنے حظوظ نفسانیہ میں (اپنی خواہشات کا) مطالبہ کرتا ہے اور اللہ کے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا۔ اسی لئے وہ لوگ ان حقوق کی رعایت نہیں رکھتے اور جو شخص خود نماز کا پابند ہو اور اس کے گھر والے نماز نہ پڑھتے ہوں اور وہ ان کو تاکید بھی کرتا ہو تو قیامت کے روز ان ہی لوگوں کی جماعت میں اٹھے گا جو نماز کو ضائع کرنے والے تھے اور اگر کوئی کہے کہ میں نے تو ان سے کہا تھا، مگر انہوں نے نہیں کیا اور ان کو نصیحت کی تھی، مگر انہوں نے نہیں مانا اور مار پیٹ کی بھی سزا دی مگر وہ کسی طرح سے سیدھے ہی نہیں ہوتے، اب میں کیا کروں۔ جواب یہ ہے کہ تجھ کو چاہیے کہ جس کی مفارقت طلاق و بیع سے ممکن ہے۔ (مثلاً غلام یا باندی ہو تو اس کو فروخت کر دے بیوی ہو تو طلاق دے دے) اس سے مفارقت کر اور جس سے مفارقت ممکن نہیں (مثلاً ماں باپ یا اولاد یا بہن بھائی وغیرہ) اس سے اعراض کر اور اللہ کیلئے ان سے بولنا چھوڑ دے۔ کیونکہ اللہ کیلئے کسی سے جدا ہونا اللہ سے وصل کرنا ہے۔

<u>فضائل نماز و فائدہ سوم:</u> یہ جو فرمایا کہ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا یعنی نماز پر صبر کرو اور قائم رہو، اس میں اشارہ ہے کہ نماز میں نفس کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے جو نفس پر شاق ہے، کیونکہ نمازیں لوگوں کے لذات و اشغال کے وقت میں آتی ہیں اور تقاضہ کرتی ہیں کہ سب کو چھوڑ کر اللہ کے روبرو کھڑا ہو اور غیر اللہ سے بالکل فارغ ہو جا۔ دیکھو صبح کی نماز کیسے نیند کے مزیدار وقت میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ: اپنے حظوظ میرے حقوق کیلئے اور اپنی مراد میری مراد کیلئے چھوڑ دے۔ اسی لئے صبح کی اذان میں خاص کر کے دوبار یہ پڑھا گیا: اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ رہی ظہر کی نماز وہ بھی قیلولے کے اور محنت و مشقت سے رجوع کرنے کے وقت آتی ہے۔ رہی عصر کی نماز وہ بھی ایسے وقت آتی ہے کہ لوگ اپنی تجارتوں اور پیشوں میں غرقاب ہوتے ہیں اور اسباب دنیوی پر متوجہ ہوتے ہیں۔ رہی مغرب کی نماز وہ بھی کھانا

کھانے کے اور اپنے بدن کی اصلاح وہ اہتمام کے وقت آتی ہے۔ رہ گئی عشاء کی نماز وہ بھی ایسے وقت میں آتی ہے کہ دن بھر کا تکان ہوتا ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا اور فرمایا:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى

یعنی چوکسی کرو سب نمازوں کی اور خصوصاً نماز عصر کی۔

اور فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا.

یعنی نماز اہل ایمان پر لکھی ہوئی اور وقت مقرر کی ہوئی ہے۔

اور فرمایا:

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ. یعنی نماز قائم کرو۔

دلیل اس کی کہ نماز کے اہتمام رکھنے میں تکلیف عبودیت ہے اور اس کا اہتمام خلاف مقتضائے بشریت ہے یہ ارشاد خداوندی بس ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ o

یعنی سہارا چاہو صبر اور نماز کا۔ نماز بے شک بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر۔

بس صبر اور نماز کو ایک ساتھ لانا اشارہ ہے کہ نماز میں کئی طرح کے صبر کی حاجت ہے۔ ایک صبر کرنا اس کی پابندیٔ اوقات پر، دوسرے بجا آوری واجبات و سنن پر، تیسرے دفع غفلت کے اسباب پر، اسی واسطے اس کے بعد یوں فرمایا: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ o سو نماز کو علیحدہ کر کے بیان کیا اور صبر کو جدا بیان نہیں کیا، کیونکہ اگر صبر کا ذکر ہوتا تو یوں فرماتے: وَاِنَّهُ لَكَبِيْرٌ کیونکہ صلوٰۃ مونث ہے اور صبر مذکر۔ پس اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ صبر اور صلوٰۃ دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں، گویا دونوں ایک ہی چیز ہیں جیسے دوسری آیت میں ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ.

یعنی اللہ اور رسول کا راضی رکھنا زیادہ لائق ہے۔

اور فرمایا:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِo

یعنی جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونا چاندی اور صرف نہیں کرتے اس کو اللہ کی راہ میں۔

اور فرمایا:

وَاِذَا رَأَوْتِجَارَۃً اَوْلَھْوَنِ انْفَضُّوْا اِلَیْھَا

یعنی جب دیکھتے ہیں وہ لوگ تجارت یا کھیل کو چلے جاتے ہیں اس کی طرف۔

پس اچھی طرح سمجھ لو، مقصود ان سب مثالوں سے یہ ہے کہ جیسے ان آیتوں میں دو دو چیزوں کا ذکر فرما کر ضمیر مفرد کی لائے اور مقصود دونوں چیزیں ہیں مگر تلازم کی وجہ سے ضمیر واحد پر اکتفا کیا مثلاً: یُرْضُوْہُ کی ضمیر میں اللہ اور رسول دونوں مقصود ہیں لَا یُنفِقُوْنَھَا کی ضمیر میں ذہب وفضہ دونوں مقصود ہیں اِنْفَضُّوْا لِیھا کی تفسیر میں لہو وتجارت دونوں مقصود ہیں اسی طرح آیت مافیہ البحث میں بھی اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ ضمیر مفرد کی لائے جو بوجہ تانیث کے صلوٰۃ کی طرف راجع ہے، مگر مقصود صبر وصلوٰۃ دونوں ہیں باہم ان دونوں کا تلازم موجب اکتفائے ضمیر واحد ہو گیا فافہم اور نماز کی بڑی شان ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی بڑی قدر ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ

یعنی بے شک نماز باز رکھتی ہے بے حیائی اور بری بات سے۔

رسول اللہ ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ سب اعمال میں افضل عمل کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز پڑھنا اپنے وقت پر۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بندے کو سب سے زیادہ قربِ خداوندی سجدے میں میسر ہوتا ہے۔

نماز مجموعۂ عبادات

ہم نے غور کر کے دیکھا تو نماز میں اتنی عبادتیں جمع ہیں کہ دوسرے عمل میں نہیں۔ مثلاً پاک ہونا، خاموش رہنا، کلام دنیا سے قبلے کی طرف رخ کرنا، تکبیر کے ساتھ شروع کرنا، قرآن کا پڑھنا، کھڑا ہونا، جھکنا، سجدہ کرنا، رکوع وسجود میں اللہ کی پاکی بیان کرنا، سجدے میں دعا کرنا اور بہت سی عبادتیں ہیں۔ پس نماز متعدد عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ صرف ذکر کرنا ایک مستقبل عبادت ہے۔ صرف قرآن پڑھنا ایک عبادہت ہے۔ اسی طرح تسبیح و دعا ورکوع وسجود وقیام ان میں ہر عمل جداگانہ عبادت ہے اور اگر اندیشہ تطویل کا نہ ہوتا تو نماز کے اسرار وانوار میں ہم تفصیلی گفتگو کرتے، اس مقام پر اتنی ہی جھلک کافی ہے۔ الحمد للہ۔

چوتھا فائدہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُکَ ؕ

یعنی ہم تم سے یہ نہیں سوال کرتے کہ تم اپنے کو یا اپنے گھر والوں کو رزق دو، بلکہ رزق ہم تم کو دیں گے اور ہم تم کو یہ حکم کیسے کریں اور یہ تکلیف کس طرح دیں کہ تم اپنے کو رزق دو۔

حالانکہ تم کو اس کی قدرت نہیں اور ہماری شان کے کب لائق ہے کہ تم کو خدمت کرنے کو کہیں اور تمہاری روزی کا سرانجام نہ کریں، گویا جب خدائے تعالیٰ نے جانا کہ لوگوں کو رزق طلب کرنا دوام اطاعت میں خلل انداز ہوگا اور یہ فکر فراغ اطاعت سے مانع ہوگی۔ اس لئے اپنے رسول ﷺ کو خطاب فرمایا، تا کہ اور لوگ سنیں۔ پس فرمایا:

وَأْمُرْ اَهْلَکَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُکَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُکَ ؕ

یعنی تم ہماری خدمت بجالاؤ تا کہ ہم اپنی روزی کا تمہارے لئے سرانجام کریں۔

بندے اور خدا میں تقسیم کار

یہ دو چیزیں ہیں ایک چیز کا تو اللہ کفیل ہو گیا، اس سے بدگمانی مت کر یعنی رزق، دوسری چیز تجھ سے طلب کی ہے اس کو مت چھوڑ۔ یعنی عبادت، پس جو شخص اللہ کے ذمے کی ہوئی چیز کی تحصیل میں لگ کر اس کی طلب کی ہوئی چیز کو چھوڑ بیٹھا یعنی رزق کے پیچھے عبادت چھوڑ دی اس کی بڑی جہالت اور غفلت ہے اور جگانے سے بھی نہیں جاگتا بلکہ بندے کو سزاوار ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے طلب کیا اس میں لگ جائے اور جس کی اس نے خود ذمہ داری کر لی ہے۔ اس سے بے فکر رہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ جب منکرین کو رزق دیتا ہے تو مومنین کو کیسے نہ دے گا، اور اہل کفر پر جب رزق جاری کر رکھا ہے تو اہل ایمان پر کیسے جاری نہ فرمائے گا۔ پس اے بندے تجھ کو معلوم ہو گیا کہ دنیا کا تو ذمہ ہو گیا اس قدر کہ تیری کجی کو سیدھا کر دے، یعنی بقدر کفایت اور آخرت کی تجھ سے طلب ہے یعنی آخرت کیلئے سفر کرنا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى.

یعنی توشہ لے لو بے شک اچھا توشہ تقویٰ ہے۔

پس تیری عقل بصیرت کس طرح ثابت ہو، حالانکہ تجھ کو مضمون کے اہتمام نے مطلوب کے اہتمام سے غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دنیا کی کفالت کی اور آخرت کو طلب فرمایا کاش آخرت کی کفالت فرما لیتے اور دنیا طلب کرتے اور نَحْنُ نَرْزُقُکَ صیغہ مضارع سے اس لئے لائے تاکہ استمرار و دوام پر دلالت کرے کیونکہ اَنَا اُکْرِمُکَ صیغہ مضارع کے ساتھ اور اَکْرَمْتُکَ ماضی کے ساتھ برابر نہیں، کیوں کہ اَنَا اُکْرِمُکَ کے معنی تو یہ ہیں کہ بار بار اکرام ہوتا ہے اور اَنَا اَکْرَمْتُکَ ماضی سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ماضی میں اکرام ہو چکا تکرار و دوام پر دلالت نہیں پس نَحْنُ نَرْزُقُکَ کے یہ معنی ہوئے کہ ہم بار بار ہمیشہ رزق دیتے رہتے ہیں۔ اپنی منت تم سے معطل نہیں کرتے، اپنی نعمت تم سے منقطع نہیں کرتے اور جیسا ہم نے بندوں پر

ایجاد سے احسان کیا اسی طرح دوام امداد کا سر انجام کیا۔ اس کے بعد فرمایا:

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی.

یعنی انجام کی بھلائی تقوے کیلئے ہے۔

گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم کو معلوم ہے کہ جب تم اسباب دنیا سے منہ موڑ کر اور اس کے اشغال کو چھوڑ کر ہماری خدمت میں لگے رہو گے اور ہمارے اطاعت کی طرف متوجہ رہو گے تو تمہارا رزق امیروں کا سا اور تمہارا عیش فراغت والوں کا ساز ہوگا۔ لیکن اس حالت پر صبر کرنا کیونکہ عافیت کی خوبی اہل تقویٰ ہی کیلئے ہے۔ جیسا اس آیت سے اول فرمایا:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى○

یعنی اپنی آنکھیں مت بڑھاؤ اس چیز کی طرف کہ فائدہ دیا ہم نے اس سے کفار کی جماعتوں کو وہ رونق ہے زندگی دنیا کی تاکہ ہم اس میں ان کو فتنے میں ڈالیں اور روزی تیرے پرودگار کی اچھی ہے اور زیادہ باقی رہنے والی۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ تقویٰ کے ساتھ عاقبت ہی کو کیوں مخصوص فرمایا کیونکہ اہل تقویٰ کو تو حسن عافیت کے ساتھ دنیا میں بھی مزے کا عیش ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً○

یعنی جو شخص نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت مگر مومن ہو زندگی دیں گے ہم اس کو اچھی زندگی۔

جواب سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے ان کی عقل کے موافق خطاب فرماتا ہے۔ گویا یہ معنی ہوئے کہ اے بندو! اگر تم کو یہ خیال ہے کہ اہل غفلت وعدوان کیلئے دنیا ہے تو اہل تقویٰ کیلئے عقبیٰ ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی پس لوگوں سے ان کی عقل وفہم کے موافق خطاب فرمایا جیسا آیا ہے اللہ اکبر اگر چہ کوئی اس کے سوا بڑائی

نہیں رکھتا۔ جو اس کے کہنے کی ضرورت ہو کہ اللہ اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ لیکن چونکہ نفوس آثار قدرت کی بڑائی مشاہدہ کر رہی ہیں۔ جیسا خود فرمایا:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ من خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝

یعنی البتہ پیدائش آسمانوں اور زمین کی بہت بڑی ہے۔ پیدائش سے آدمیوں کی لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

پس گویا یوں کہا گیا کہ اگر تم کو کسی شے میں خواہ مخواہ بڑائی نظر ہی آتی ہے تو اللہ اس سے بھی بڑا ہے اور ہر بڑے سے بڑا ہے جیسے آیا ہے۔

اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

یعنی نماز زیادہ بہتر ہے سونے سے۔

بجائے اس کے اگر یوں کہا جاتا کہ سونے میں بالکل بہتری نہیں تو نفوس یوں کہتے کہ ہم تو اس کی لذت اور راحت دیکھ چکے ہیں اس لئے ان کے علم کو تسلیم کر کے کہا گیا کہ جس کی طرف ہم تم کو بلاتے ہیں یہ اس سے زیادہ بہتر ہے جس سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں یعنی نماز سونے سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ جس سونے کی طرف تم مائل ہو رہی ہو وہ بے بقا ہے اور جس کی طرف بلا رہے ہیں وہ ایسا معاملہ ہے جس کی جزاء ہمیشہ باقی رہے گی کبھی فنا نہ ہوگی اور اللہ کے پاس کی چیزیں زیادہ بہتر ہیں اور زیادہ باقی رہنے والی ہیں۔

فائدہ جلیلہ: جاننا چاہیے کہ جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے ان کو اس آیت نے یہ بتلا دیا کہ اللہ کے رزق کو کیونکر ڈھونڈیں؟ سو جب ان پر اسباب معیشت تنگ ہوں گے وہ زیادہ خدمت و اطاعت کریں گے۔

تنگی معاش کا علاج

وجہ یہ ہے کہ اس آیت نے یہ بات ان کو بتلائی ہے کہ تم خیال نہیں کرتے

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ یوں فرماتا ہے: وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـأَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ پس وعدہ رزق کا دو امر کے بعد فرمایا ایک گھر والوں کو نماز پڑھوانا دوسرے خود اس کی پابندی کرنا۔ ان دونوں امر کے بعد فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُكَ پس اہل معرفت سمجھ گئے جب روزی کی راہیں بند ہوں اور دروازہ رزق کو اس طرح کھولنا شروع کریں کہ رزاق سے معاملہ اچھا رکھیں یہ نہیں کہ جیسے اندھے غافلوں کی عادت ہے کہ جب اسباب دنیا تنگ ہوئے انہوں نے اور زیادہ مشقت شروع کی اور غفلت والے دل اور بھولی ہوئی عقل سے اور بھی دنیا میں پڑ گئے اور اہل معرفت ایسا معاملہ کیوں نہ کرتے جب اللہ کا حکم سن چکے کہ فرماتا ہے:

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا

یعنی گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔

ان کو یقین ہوا کہ رزق کا دروازہ رزق دینے والے کی اطاعت ہے۔ پھر نافرمانی سے رزق کیسے طلب کیا جائے اور اس کی مخالفت سے کیونکر بارانِ فضل کی درخواست کی جائے، حالاں کہ پیغمبر خدا ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ کی نعمتیں اس کو ناراض کر کے نہیں ملتیں۔ یعنی بغیر اطاعت روزی نہیں مانگی جاتی اور اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو ایک جگہ اور واضح فرما دیا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط

یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کیلئے کوئی راہ نکال دیتا ہے اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دیتا ہے کہ اس کو گمان بھی نہ تھا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

لَوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنَاهُمْ مَّآءً غَدَقًا

یعنی اگر وہ لوگ سیدھی راہ پر مستقیم رہتے تو ہم ان کو فراغت کا پانی دیتے۔

بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ دونوں رزق کی کنجی ہے۔ دنیا کے رزق کی بھی اور آخرت کے رزق کی بھی۔ جیسے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ اٰمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنَاهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ۝

یعنی اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں دور کرتے اوران کو نعمت کی بہشتوں میں داخل کرتے اور اگر وہ لوگ قائم رکھتے توراۃ کو اور انجیل کو اور اس کتاب کو جواب اتاری گئی ہے ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے یعنی قرآن تو البتہ کھاتے وہ اپنے اوپر سے اور نیچے سے۔

یعنی اوپر سے تو بارش ہوتی اور نیچے سے پیداوار، پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو ظاہر کر دیا کہ اگر وہ لوگ توریت وانجیل کو قائم رکھتے یعنی ان کے احکام پر عمل کرتے تو اوپر نیچے سے ان کو کھانے کو ملتا۔ یعنی ہم ان پر روزی کو فراخ کرتے اور ہمیشہ ان پر خرچ کرتے رہتے۔ مگر انہوں نے تو جو ہم چاہتے تھے وہ نہیں کیا اس لئے ہم نے بھی جو وہ چاہتے تھے نہیں کیا، یعنی انہوں نے اطاعت نہ کی اور ہم نے وسعت نہ کی۔

چوتھی آیت: مقدمہء رزق میں یہ ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ۝

یعنی نہیں کوئی جاندار زمین پر چلنے والا مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کی روزی اور جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قرار کی جگہ اور سپردگی کی جگہ سب موجود ہے کھلی کتاب میں۔

اس آیت نے حق تعالیٰ کا کفیل رزق ہونا صاف بتا دیا اور تمام ہی وسوسوں اور خطروں کو اہل ایمان کے قلوب سے مٹا دیا اگر کبھی خطرات آنا چاہتے ہیں تو لشکر ایمان اور توکل کے اُن پر حملہ کر کے بھگا دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ.

یعنی ہم پھینک مارتے ہیں حق کو باطل پر وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے۔ پس یکا یک جاتا رہتا ہے۔

پس اپنے اس ارشاد سے کہ: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اپنے بندوں کی کفالت فرمائی تا کہ صفت مودت کے ساتھ اس کی معرفت ہو، اگرچہ یہ اس کے ذمہ واجب نہیں بلکہ اپنی ذات پر بطور کرم واحسان کے لازم ٹھیرا لیا۔ پھر یہ کہ اس کفالت کو عام فرما دیا، گویا معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اے شخص میری کفالت اور رزاقی کچھ تیرے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ زمین پر جتنے جاندار ہیں میں سب کا ذمہ دار اور روزی رساں میں ہوں، اس سے میری کفالت کی وسعت اور استغنائے ربوبیت اور احاطہءقدرت کو قیاس کر لے اور میرے کفیل ہونے پر یقین کر اور مجھ کو کارساز سمجھ، سو ہر گاہ تو میری تدبیر ورعایت وکفالت کو اور حیوانات کیلئے دیکھتا ہے سو تو تو اشرف الانواع ہے اور زیادہ مستحق ہے کہ میری کفالت پر یقین کرے اور میرے فضل پر نظر رکھے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح فرمایا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَo

یعنی ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی دوسرے حیوانات پر۔

اس طرح پر کہ ان کو اپنی خدمت کیلئے حکم کیا اور اپنی بہشت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا اور اپنی درگاہ میں بلایا اور انسان کا مکرم ہونا بہ نسبت دوسری مخلوقات کے یوں واضح ہوتا ہے کہ تمام مخلوق اس کیلئے پیدا ہوئی اور یہ درگاہِ خداوندی کیلئے پیدا ہوا۔

شیخ کا ارشاد: میں نے شیخ ابو العباسؒ سے سنا ہے، کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم! میں نے تمام اشیاء کو تیرے لئے پیدا کیا اور تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا، سو اپنی مملوک میں لگ کر مالک کو مت بھول۔ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ

یعنی زمین کو مخلوق کیلئے پیدا کیا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ

یعنی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے۔

میں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ تمام کائنات تیرے غلام ہیں کہ ان کو تیرے کام میں لگا رکھا ہے اور تو غلامِ درگاہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۝

یعنی اللہ ایسا ہے کہ جس نے پیدا کئے سات آسمان اور زمین سے بھی اتنی ہی نازل ہوتا ہے حکم ان سب میں تا کہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ نے گھیر لیا ہے ہر چیز کو علم سے۔

سو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا کہ تمام آسمان و زمین اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ تجھ کو علم حاصل ہو جب تجھ کو معلوم ہو گیا کہ تمام کائنات تیرے ہی لئے پیدا ہوئے ہیں خواہ برتنے کو یا نظر و فکر کرنے کو کہ یہ بھی ایک نفع ہے تو اب یہ جاننا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو تیری خاطر پیدا کیا جب ان کو رزق دیتا ہے تو تجھ کو کیسے نہ دے گا۔ تم نے یہ آیت نہیں سنی۔

وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ۔

یعنی تمہارے لئے پیدا کیا میوہ اور گھاس تمہارے فائدہ اور تمہارے چار پایوں کے فائدے کو۔

اور جملہ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کفیل ہونے کی تاکید ہے یعنی کسی جانور کا مقام اور حال اس پر مخفی نہیں بلکہ سب جانتا ہے اور ہر ایک کے پاس اس کا

حصہ پہنچتا ہے۔

پانچویں آیت رزق اور اس کے فائدے:

پانچویں آیت مقدمہء رزق میں یہ ہے۔

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ o فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ.

یعنی آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ ہے۔ پس قسم ہے پروردگار آسمان وزمین کی کہ یہ بات سچی ہے جیسے تم بول رہے ہو۔

اور یہ وہ آیت ہے جس نے شکوک کو اہل ایمان کے قلوب سے دھو ڈالا اور ان کے قلوب میں انوار یقین کو روشن کر دیا پس ان قلوب پر اصل مقصود کے علاوہ بہت سے زائد مضامین وارد کئے، چونکہ اس میں فوائد تھے، کیونکہ یہ آیت اتنی چیزوں کو شامل ہے۔ ذکر رزق، محل رزق، قسم کھانا، اس پر تشبیہ دینا، ایسے امر سے جس میں ذرا خفا نہیں۔ اب ہم کو چاہئے کہ سب فوائد ایک ایک کر کے بیان کریں۔

پہلا فائدہ: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ معلوم ہے کہ نفس کو مقدمہء رزق میں بڑا اضطراب ہوتا ہے۔ اس لئے بار بار اس کا ذکر فرمایا چونکہ اس کے عوارض قلوب پر بار بار وارد ہوتے ہیں جیسے جب معلوم ہو کہ شبہہ جانب مقابل کے دل میں بہت جما ہوا ہے۔ دلیل کو بار بار بیان کیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حق ہونے پر متعدد آیتوں میں استدلال فرمایا، چونکہ ملحدین اس میں بہت اضطراب کرتے ہیں اور اس کو مستبعد سمجھتے ہیں کہ جب آدمی کے جوڑ علیحدہ ہو گئے اس کی ترتیب مضمحل ہوگئی اور مٹی ہو گیا یا درندوں اور کیڑے مکوڑوں نے کھالیا پھر وہ زندہ ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے دلائل بیان کئے ہیں۔ ایک ان میں سے یہ آیت ہے:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ o قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ o

یعنی بیان کی انسان نے ہمارے لئے کہاوت اور بھول گیا اپنی پیدائش کو کہتا ہے کون جلائیگا ہڈیوں کو جب وہ گل گئی ہوں۔ اے محمد ﷺ جواب دے دو کہ ان کو وہی جلائے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ یعنی دوبارہ پیدا کرنا تو اللہ کو اور بھی آسان ہے۔

اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِی الْمَوْتٰی۔

یعنی جس نے زمین کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا۔

ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوا کہ مقدمہء رزق میں نفس کا اضطراب بہت بڑھا ہوا ہے اس لئے اس کی دلیل کو کئی آیتوں میں مؤکد فرمایا بعضی آیتیں تو گزر چکیں اور بعض ہم نے ذکر نہیں کیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات لوگوں کے نفسوں کی معلوم تھی کبھی یوں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ کبھی یوں فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ کبھی یوں فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُكَ کبھی یوں فرمایا:

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ

یعنی بھلا جو تم کو روزی دیتا ہے اگر اپنی روزی بند کر لے تو تم کیا کرلو۔

اور اس مقام پر فرمایا: وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ٥ تاکہ رزق کا مقام معلوم ہو جائے، پھر قلوب کو تسکین ہو جائے، اور مقام مبہم رکھنے کے ساتھ جو ذمہ داری ہے وہ اس مرتبہ کی نہیں جو مقام بیان کر دینے کے ساتھ ہے۔ گویا یوں ارشاد ہے کہ ہم پر واجب تو نہیں کہ تمہارے رزق کا مقام بیان کر دیں بلکہ تمہارا رزق ہمارے پاس ہے جب اس کا وقت آئے گا تمہارے پاس پہنچا دیں گے اور ہمارے ذمے اس کا بیان کرنا ضرور نہیں مگر پھر بھی اپنے لطف و رحمت و فضل و منت سے مقام رزق کا بیان فرما دیا تاکہ بھروسہ زیادہ ہو اور شک بالکل دفع ہو جائے" اور اس میں ایک اور بھی فائدہ ہے وہ یہ کہ مقام جو بیان کر دیا اس میں طالب کی توجہ مخلوق سے بالکل اٹھ گئی اور کہ یہ بجز بادشاہِ حقیقی کے کسی سے طلب نہ کریں کیونکہ جب تیرے

قلب میں کسی مخلوق کی طرف سے طمع آئی یا کسی سبب پر حوالہ آیا تب ہی ارشاد ہوا:

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ۝

یعنی اے روزی ڈھونڈنے والے زمین میں مخلوق سے کہ جو خود ضعیف عاجز ہے تیرا رزق اس کے پاس نہیں وہ تو میرے پاس ہے اور میں حکومت والا قدرت والا ہوں۔

ایک دیہاتی کا یقین

اسی وجہ سے کسی اعرابی نے جو یہ آیت سنی تو اپنی اونٹنی ذبح کر ڈالی اور سب چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی طرف بھاگا اور کہتا تھا سبحان اللہ میرا رزق تو آسمان میں ہے اور میں اس کو زمین میں ڈھونڈتا ہوں۔ سو خیال کر تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ وہ اللہ کی بات کو کیسے سمجھا کہ مقصود اللہ تعالیٰ کا یہی ہے کہ اپنے بندوں کی ہمتیں اپنی طرف متوجہ کرے اور ان کی رغبت اسی چیز میں ہو جو خدا کے پاس ہے۔

جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۝

یعنی کوئی ایسی چیز نہیں جو ہمارے یہاں ڈھیر کے ڈھیر نہ ہوں اور ہم ایک معین انداز سے زیادہ نازل نہیں کرتے۔

یہ بھی اسی لئے فرمادیا تا کہ ہمتیں اس کے دروازے کی طرف بڑھیں اور تا کہ قلوب اس کی درگاہ کی طرف جھکیں سو خدا کی تجھ پر عنایت ہو آسمان والا بلندی والا بن زمین والا پستی والا مت ہو، اسی واسطے کسی نے کہا ہے۔

جب تجھے پانی نہ دے دست لئیم — رکھ قناعت سے شکم کو تو بھرا
ہو اگرچہ جسم تیرا خاک پر! — رہ مگر ہمت سے بالائے سما
جان دینا سہل ہے لیکن ہے سخت — آبرو کھو کر کے کرنا التجا

میں نے اپنے شیخ ابو العباسؒ سے سنا فرماتے تھے کہ: واللہ میں نے کسی بات میں عزت نہ دیکھی۔ مگر اس میں کہ مخلوق سے امید اٹھائی جائے۔ اور اس مقام پر اللہ کا ارشاد یاد کرو:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ.

یعنی اللہ ہی کی ہے عزت اور رسول کی اور مومنین کی۔

پس اللہ تعالیٰ نے جو عزت مومنین کو دی ہے اس سے اس نے اپنا قصد مولیٰ کی طرف متوجہ کر دیا اور اللہ پر یقین کیا نہ اور کسی پر اور اللہ سے شرم کر کہ اس نے تجھ کو خلعت ایمان پہنایا اور زینت معرفت سے آرائش دی اس کے بعد بھی تجھ پر غفلت و نسیان غالب ہے کہ مخلوق کی طرف راغب ہے اور غیر اللہ سے جود و احسان کا طالب ہے۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے۔

مجھے اس نے حکم حقائق دیا! کرم مجھ پہ خالق نے کیا کیا کیا
کیا مطلع مجھ کو ملکوت پر میں اس پر بھی اوروں سے مانگوں گا کیا

اگر تجھ کو نفس غافل کہے کہ اپنی حاجت مخلوق کی طرف لے جا۔ سو تو اس کی طرف لے جا جس کی طرف وہ مخلوق بھی اپنی حاجت لے جاتی ہے اور نفس کو یہ بات بڑی سہل ہے کہ تو اس کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے اپنے ایمان کی بے قدری کرے اور اس کی آرزو حاصل کرنے کیلئے اپنے کو خوار کرے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

نفس نے بس اپنی عزت کے لئے میری ذلت کو گوارا کر لیا
کہتا ہے یحییٰ بن اکثم سے تو مانگ میں کہا کر رب یحییٰ سے دعا

اور مومن کیلئے یہ امر نہایت زشت (برا اور نامناسب) ہے کہ باوجود یقین وحدانیت اور یگانگی ربوبیت اللہ تعالیٰ کے پھر اوروں کے روبرو اپنی حاجت پیش کرے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سن رہا ہے:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔

یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں۔

اور یہ امر یوں تو ہر شخص سے زشت ہے مگر مومن سے ہو تو زشت تر ہے۔ اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرنا چاہیے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

یعنی اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو۔

اور جو عہد تو نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی حوائج اور کسی سے پیش نہ کرے گا اور اسی پر توکل کرے گا اور یہ عہد اس اقرار ربوبیت سے لازم آتا ہے جو ذیوم میثاق میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں ہوا تھا یہ کیسی بات ہے کہ یہاں تو اس کی معرفت اور توحید حاصل تھی۔ یہاں آ کر بھلا دیا حالانکہ اس کے احسانات تجھ پر پیاپے ہو رہے ہیں اور اس کے فضل و منت نے تجھ کو گھیر رکھا ہے۔ جیسا کسی نے کہا ہے۔

دل میں میرے گھر تمہارا ہو گیا　　اب نہ لیلیٰ اور نہ شیریں کی ہے جا
آپ کو جانا تھا میں میثاق میں　　کیا بڑھاپے میں تمہیں دوں گا بھلا

اور خلق سے ہمت کو بلند رکھنا یہی فقرا کی میزان اور مردوں کی پہچان ہے اور جیسے اجسام کا وزن کیا جاتا ہے ایسے ہی احوال و صفات کا وزن کیا جاتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ.

یعنی وزن کو عدل کے ساتھ قائم رکھو۔

تاکہ سچا اپنی راستی سے اور مدعی اپنی آمیزش سے ظاہر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس حالت پر نہ چھوڑے گا جس میں اب ہو یہاں تک کہ گندے کو پاک سے الگ کر دے۔

مکار دین داروں کا حال

اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت و منت سے مدعی فقیروں کو اس طرح جانچا کہ جو کچھ ان کے اندر حب دنیا و شہوت پوشیدہ تھی اس کو ظاہر کر دیا، پھر انہوں نے اپنے کو دنیا داروں کے روبرو بے قدر کر دیا، ان سے بے تکلفی کرتے ہیں، ان سے نرمی کرتے ہیں، ان کی خواہشوں پر ان کی موافقت کرتے ہیں۔ ان کے دروازوں پر دھکے کھاتے ہوئے جاتے ہیں۔ بعضوں کو تو دیکھے گا کہ دلہن کی طرح بناؤ سنگار

کرتے ہیں، ظاہر کی اصلاح میں پھنس رہے ہیں، باطن کی اصلاح سے غافل ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں پر ایک دھبہ لگا دیا جس سے ان کا عیب ظاہر ہو گیا اور سب اترا پترا کھل گیا (چھپے ہوئے اور جھوٹی نیکی کے پردے میں ڈھکے ہوئے)۔ سو اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ سچا کرتے، تو ان کی نسبت کہا جاتا ہے عبدالکبیر یعنی خدا کا بندہ اور اللہ والا۔ اب ناراستی کے وبال میں اس نسبت سے نکل کر یوں کہا جاتا ہے شیخ الامیر یعنی فلاں امیر کا شیخ اور استاد۔

ف: وہ دھبہ یہ ہی ہے کہ پہلے خدا کی طرف نسبت ہوتی اب امیر کی طرف ہونے لگی۔

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

یہ لوگ اللہ پر جھوٹ بولنے والے ہیں لوگوں کو اولیاء اللہ کی صحبت سے روکنے والے ہیں کیونکہ عوام لوگ جو ان کی حالت دیکھتے ہیں، وہ سب اللہ والوں کو اسی پر قیاس کر لیتے ہیں خواہ سچا ہو یا جھوٹا سو یہ مدعی لوگ اہل تحقیق کی آڑ ہیں اور آفتاب توفیق کے بادل ہیں۔

ف: یعنی جیسا آڑ اور بادل میں اشیاء وانوار چھپ جاتے ہیں اسی طرح اچھے لوگ ان جھوٹوں میں چھپ جاتے ہیں،

یہ لوگ ان کے نقارے بجا رہے ہیں اور ان کے نشان کھولے کھڑے ہیں اور ان کی زرہیں پہن رکھی ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کی سی وضع بنائے ہوئے ہیں۔ جب حملہ ہوگا الٹے پاؤں بھاگیں گے، یعنی امتحان کے وقت جھوٹے نکلیں گے، زبانیں دعویٰ میں چلتی ہیں دل تقوے سے بالکل خالی ہیں۔ کیا انہوں نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا:

لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ.

یعنی اللہ تعالیٰ صادقین سے ان کے صدق کی تحقیق کرے گا۔

کیا تو سمجھ سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ صادقین سے پوچھے گا ان مدعیوں کو بے پوچھے چھوڑ دے گا۔ کیا انہوں نے یہ ارشاد نہیں سنا۔

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

یعنی اے محمد ﷺ ان منافقوں سے کہہ دو کہ تم اپنے کام کئے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے اور پیغمبرؐ اور اہل ایمان بھی دیکھ رہے ہے اور قریب ہے کہ لوٹائے جاؤ گے طرف جاننے والے چھپے اور کھلے کے پھر تم کو خبر دے گا۔ اس چیز کی جو تم کرتے تھے۔

پس یہ لوگ وضع تو سچے لوگوں کی ظاہر کرتے ہیں اور عمل اعراض والوں کا سا ہے۔ جیسا کہا گیا ہے۔

خیمے تو ایسے ہیں جیسے ان کے تھے　　عورتیں ان عورتوں کے ہیں سوا
میں قسم کھاتا ہوں ذاتِ پاک کی　　لوگ کرتے ہیں حج جس کے بیت کا
آ گیا جب کوئی خیمہ بھی نظر　　سامنے ہو کر کھڑا روتا رہا

پس تجھ کو معلوم ہوگا کہ اپنی ہمت مخلوق سے بلند رکھنا یہ اہل طریقت کی زینت اور اہل حقیقت کی علامت ہے اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں۔

وہ لگی کرنے جو شکوہ دہر کا　　پھیر کر رخ اس سے میں نے یوں کہا
شکوہ کیوں کرتی ہے ایسے دہر کا　　جس سے مطلق ہو نہ امید وفا
مجھ کو گمنامی سے کیا نقصان ہے　　بدر کو کیا ہو چھپا ہو یا کھلا
کیوں نہ لوگوں سے بچاؤں آبرو　　کیوں نہ دیکھیں ٹھاٹھ شاہانہ مرا
کیوں کروں ظاہر میں ان سے اپنا فقر　　سب کے سب عاجز ہیں جب پیش قضا
مانگوں کیوں مخلوق سے خالق کا رزق　　گر کروں ایسا تو ہے پوری جفا
ہے بڑی کم ہمتی عاجز سے گر　　دوسرا عاجز کرے شکوہ گلا
مانگ رزق اللہ سے جس کا کرم　　ہے تمامی خلق کو شامل ہوا
التجا کر اس سے پائے گا مراد　　اس کے دروازے سے مت ہو تو جدا

<u>دوسرا فائدہ:</u> یہ جو فرمایا: وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ رزق سے مراد اثبات رزق ہو یعنی لوحِ محفوظ میں تمہارا

رزق ثبت کر دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہے تو اس میں لوگوں کو مطمئن کر دینا ہے اور ان کو جتلا دینا ہے کہ تمہارا رزق یعنی جس چیز سے تم کو رزق دیا جائے گا ہم اپنے پاس لکھ چکے ہیں اور اپنی کتاب میں ثبت کر چکے ہیں اور اپنی آیات میں اس کو تمہارے ہونے سے پہلے مقدر کر چکے ہیں اور تمہارے ظہور سے پہلے معین کر چکے ہیں پھر تم کس لئے مضطرب ہوتے ہو اور تم کو کیا ہوا کہ میری طرف قرار نہیں پکڑتے اور میرے وعدہ پر یقین نہیں کرتے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ رزق سے مراد سبب رزق ہو یعنی پانی۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۚ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

یعنی ہم نے سب زندہ چیزیں پانی سے بنائی ہیں کیا ان کو یقین نہیں۔

ابن عباس نے اسی طرح تفسیر کی ہے کہ رزق سے مراد بارش ہے۔ اس صورت میں رِزْقُكُمْ کے یہ معنی ہوں گے کہ جو چیز تمہارے رزق کی اصل ہے، دوسرے یہ کہ خود پانی بھی رزق ہے۔

تیسرا فائدہ: یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت سے مقصود حق سبحانہ وتعالیٰ کا لوگوں کو عاجز کرنا ہو، اس دعویٰ سے کہ ہم کو اس بات پر قدرت ہے۔ وجہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ بارش کو زمین پر نازل ہونے سے روک لے تو تمام سبب والوں کے سبب بیکار ہو جائیں خواہ کھیتی والا ہو یا تاجر ہو یا درزی یا منشی یا اور کوئی پیشے کا ہو۔

ف: کیونکہ سب صنعتوں میں بواسطہ یا بلا واسطہ پانی کی حاجت ہے۔ پس گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے اسباب تم کو رزق نہیں دیتے، بلکہ میں رزق دینے والا ہوں اور اسباب میسر کرنا میرے قبضہ میں ہے۔ کیونکہ جس چیز کی بدولت تمہارے اسباب درست ہوتے ہیں اور صنعتیں کامل ہوتی ہیں اس چیز کو میں نازل کرتا ہوں یعنی پانی۔

چوتھا فائدہ: رزق کو مَا تُوْعَدُوْنَ کے ساتھ لانے میں بڑا فائدہ ہے، وجہ یہ کہ چونکہ مومنین کو یقین ہے کہ اللہ نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ ضرور ہوتا ہے اور یہ لوگ

اس کے جلدی یا دیر میں ہونے پر قدرت نہیں رکھتے نہ اس کی تحصیل کی کوئی تدبیر ان کے پاس ہے۔ گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ: جیسے تم کو اس امر میں شک نہیں کہ ہمارا وعدہ کی ہوئی چیز ہمارے پاس سے اسی طرح اس میں بھی تم شک نہ ہونا چاہیے کہ تمہارا رزق بھی ہمارے پاس ہے اور جس طرح تم ہمارے وعدے کے جلدی حاصل کرنے سے قبل وقت عاجز ہو اسی طرح تم اس سے بھی عاجز ہو کہ جس رزق کو ہماری ربوبیت والوہیت نے ایک خاص وقت پر مقرر کیا ہے تم اس کو جلدی حاصل کرسکو۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے جو قسم کھائی ہے: فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝ اس میں لوگوں پر بڑی بھاری حجت ہے کہ ایسا سچے وعدے والا جو ایسا وعدہ بھی کبھی خلاف نہیں کرتا وہ لوگوں کے واسطے اس چیز پر قسم کھاتا ہے جس کا ان کیلئے ذمہ لیا ہے۔ چونکہ اس کو علم ہے کہ نفس میں کیسا شک و اضطراب ہے۔ اسی لئے فرشتوں نے جب یہ آیت سنی، کہنے لگے: یہ آدمی برباد ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب جلیل کو غضب ناک کر دیا۔ یہاں تک کہ قسم کھائی، کسی نے یہ آیت سن کر کہا: سبحان اللہ۔ کس شخص نے ایسے کریم کو قسم کی ضرورت دلوائی اور جس شخص کی نسبت تم کو یقین ہوتا ہے کہ یہ میرے وعدے پر یقین کرے گا اس کے سامنے تجھ کو قسم کھانے کی حاجت نہ ہوگی اور جب یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص کو میرے وعدے میں بے اطمینانی ہے اس کے سامنے قسم کھاؤ گے۔

پس اس آیت نے بہتوں کو خوش کیا اور بہتوں کو شرمندہ کیا۔ رہے وہ لوگ جن کو خوش کیا وہ تو وہ لوگ ہیں جو پہلے مقام میں ہیں کیونکہ اس قسم سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور یقین پکا ہو گیا وسوسۂ شیطانی اور شکوک نفسانی میں انہوں نے اس سے مدد لی۔ رہے وہ لوگ جن کو اس آیت نے شرمندہ کیا ان کو خیال ہوا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہماری بے اطمینانی اور اضطراب دیکھ کر ہم کو قائم مقام شک کے ٹھیرا کر قسم کھائی، اس خیال نے ان کو اللہ سے شرمندہ کر دیا اور یہ خجالت مقتضائی فہم ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئے بعضوں کیلئے باعث مسرت ہوتی ہے بعضوں کیلئے

باعث حزن وخجالت۔ جیسی کسی کی فہم ہو اور جیسے واردات الہامی ہوں۔ دیکھ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا o

یعنی آج کامل کر دیا میں نے تمہارے لئے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین۔

تو تمام صحابہؓ خوش ہوئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ مغموم ہوئے کیونکہ وہ اس آیت سے خبر وفات پیغمبر خدا ﷺ سمجھے اور رونے لگے اور اسی مقام سے ماخوذ ہے کہ کوئی چیز جب کامل ہو جاتی ہے اس پر اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ نقصان کی طرف رجوع کرے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

جب کمال آیا ہوا نقصان قریب — بس ہوا زائل جو نہی کامل ہوا
گر تو ہوا نعام میں رکھ اس کا پاس — معصیت کی تو نے اور زائل ہوا

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جانا کہ جب تک پیغمبر خدا ﷺ زندہ ہیں اس وقت تک کسی قسم کا نقصان ہو نہیں سکتا۔ یعنی خبر کمال سے اندیشۂ نقصان ہوا اور نقصان حیات میں ہو نہیں سکتا، اس سے خبر وفات سمجھے اور دوسرے صحابہ ظاہر بشارت پر خوش ہوئے، اور جہاں تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے تھے وہاں تک نہ پہنچے۔ اس سے ظاہر ہو گیا بھید اس حدیث کا کہ ابو بکر تم سے روزہ نماز میں نہیں بڑھے بلکہ ان کے دل میں ایک چیز بیٹھ گئی ہے پس جس چیز سے ان کو اوروں پر سبقت تھی وہی اس کی موجب ہوئی کہ ایسی بات سمجھے کہ جو کسی کی سمجھ میں نہ آئی اور اسی کے مثل یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ o

یعنی اللہ نے مول لے لیا مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس وضع

میں کہ ان کیلئے جنت ہے لڑتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔

میں نے شیخ ابو محمد مرجانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ ایک قوم نے جو اس آیت کو سنا تو اس معاملہ سے بہت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کے چہرے گورے ہو گئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اس لائق کیا کہ ان سے خریداری فرمائی اور ان کا بڑا مرتبہ بڑھایا کہ ان کو خریداری کیلئے پسند کیا اور نیز بھاری قیمت اور بڑی اجرت سے خوش ہوئے۔ اور ایک قوم نے جو سنا تو ان کے چہرے شرمندگی سے زرد ہو گئے کہ ان سے ایسی چیز خریدی کہ جس کا خود ہی مالک ہے، سو اگر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو ان کی ملکیت کا پوشیدہ دعویٰ معلوم نہ ہوتا تو یوں نہ فرماتے کہ اللہ نے مول لے لیا۔ پس جن لوگوں کے چہرے خوشی سے سفید ہو گئے ان کو دو باغ ملیں گے، جس میں چاندی کے برتن ہوں گے اور سب چیزیں بھی چاندی کی ہوں گی اور جن کے چہرے شرمندگی سے زرد ہو گئے ان کو دو باغ ملیں گے جن میں سونے کے برتن ہوں گے اور سب چیزیں بھی سونے کی ہوں گی ختم ہوا کلام شیخ کا۔ وجہ مناسبت ظاہر ہے کیونکہ چاندی سفید ہوتی ہے اور سونا زرد۔ سو اگر اہل ایمان میں کچھ بقیہ منازعت کا نہ ہوتا تو ان پر یہ خرید وفروخت واقع نہ ہوتی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی کے بعد مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا اور مِنَ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ نہیں فرمایا۔ اسی لئے شیخ ابو الحسن نے فرمایا کہ نفس تین قسم کے ہیں، ایک وہ جس کی خریداری نہیں کی جاتی، بوجہ بے قدر ہونے کے۔ دوسرا وہ جس کی خریداری ہوتی ہے، بوجہ ذی قدر ہونے کے۔ تیسرا وہ جس پر خریداری واقع نہیں ہوتی، بوجہ آزاد ہونے کے۔ قسم اول کافروں کا نفس ہے کہ بوجہ بے قدر ہونے کے خریدا نہیں جاتا۔ قسم دوم اہل ایمان کا نفس ہے کہ بوجہ ذی قدر ہونے کے اس کی خریداری ہوئی۔ قسم سوم انبیاء ومرسلین کا نفس ہے کہ بوجہ آزاد ہونے کے ان پر خریداری نہیں واقع ہوئی۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی ربوبیت کی قسم کھائی جو کہ

آسمان وزمین کی کفیل ہے اور کسی اسم کی قسم نہیں کھائی وجہ یہ کہ ایسی ربوبیت جو آسمان وزمین کی کفالت کئے ہوئے ہے اس پر یقین کرنے میں کسی ایمان دار کو شک نہیں ہوسکتا، اور اس کی شان ہی ہے کہ اتنے بڑے عالم کی کفالت کرتی ہے اور جب تجھ کو اس عالم سے نسبت کر کے دیکھیں تو بالکل ایک ناچیز اور بے بود معلوم ہوتا ہے۔ سو رب کہنا افادۂ یقین میں زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت دوسرے اسماء سمیع وعلیم ورحمٰن کے، خوب سمجھ لو۔

سا تواں فائدہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے: فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ اور حق ضد باطل کی ہے اور باطل کہتے ہیں اس معدوم کو جس کا بالکل ثبوت نہ ہو اور رزق حق ہے۔ جیسا رزق دینے والا حق ہے، اور رزق میں شک کرنا گویا رزاق میں شک کرنا ہے۔

ہمارے آج کے یقین پر دردناک قصہ عبرت

یہاں تک کہ ایک شخص نے حکایت کی ہے کہ قبروں سے کفن چرایا کرتا تھا، پھر توبہ کر لی۔ اس نے ایک عارف سے کہا کہ میں نے ایک ہزار قبریں ادھڑی ہیں، مگر میں نے سب مردوں کے منہ قبلہ سے پھرے ہوئے پائے۔ اس عارف نے کہا کہ بدگمانی رزق نے ان کے منہ کو قبلہ سے پھیر دیا۔ یعنی چونکہ رزاق پر بدگمانی کر کے کہ دے گا یا نہیں دوسرے اسباب کی طرف رخ توجہ کرتے تھے، اس کی سزا میں یہ رخ ظاہری بیت اللہ سے پھر گیا۔

آٹھواں فائدہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے: مِثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ اس سے اثبات رزق میں تاکید ہوگئی اور اس کی حقیقت کو ذہن نشین کر دیا اور یہ بات بتلا دی کہ کسی صاحب ایمان اور اہل ایقان کو اس میں شک وتردد نہیں ہونا چاہیے اور اس کا ثبوت دل کی آنکھوں کے سامنے ایسا ہے جیسے ظاہری گویائی ان آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے معنی کو صورت کی طرف نقل کر دیا اور غیبت کو شہادت سے تشبیہ دی

اور مقدمہء رزق میں لوگوں کا شک قطع کر دیا۔ یعنی جیسا تم باتیں کرتے ہو اور اس میں شک نہیں کرتے کیونکہ معائنہ سے معلوم ہوتا ہے، ایسی ہی تم لوگ مقدمۂ رزق میں شک مت کرو۔ کیونکہ نور ایمان سے اس کا ثبوت ہو رہا ہے۔ سو خیال کر اللہ کی تجھ پر مہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے قصے میں کس قدر اہتمام فرمایا اور بار بار اس کا ذکر کیا اور اس کے مقامات بتلائے، اس کی نظیر اور مثال محسوسات سے لائے جس میں دیکھنے والے کو ذرا بھی شک نہیں اور صفت ربوبیت کی قسم کھائی جو آسمان و زمین کو محیط ہے۔

احادیث رزق: اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے کلام مبارک میں بھی اس کا ذکر مکرر آیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ.

یعنی جبرئیل نے میری قلب میں یہ بات پھونک دی کہ کوئی جان نہیں مرے گی یہاں تک کہ اپنا رزق پورا کرے سو اللہ سے ڈرو اور رزق کو طریق جمیل سے ڈھونڈو۔

اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

لَوْ تَوَکَّلْتُمْ عَلَی اللّٰهِ حَقَّ تَوَکُّلِهٖ لَرَزَقَکُمْ کَمَا یَرْزُقُ الطَّیْرَ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا.

یعنی تم کو اگر اللہ پر پورا بھروسہ ہوتا جیسا ہونا چاہیے تو تم کو اس طرح رزق دیتا جیسا کہ پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے آشیانوں سے آتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر جاتے ہیں۔

اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔

طَالِبُ الْعِلْمِ تَکَفَّلَ اللّٰهُ بِرِزْقِهٖ

یعنی طالب علم کے رزق کا اللہ کفیل ہے۔

اور بہت حدیثیں ہیں جو اس بارے میں آئی ہیں۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ سبب کا ہونا مقدمہء رزق میں توکل علی اللہ کے خلاف نہیں

جیسا رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمادیا۔ کیونکہ آپ نے یوں فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ سوطلب کو مباح فرمایا۔ پس گویا یوں ارشاد ہوا کہ جب طلب کروتو طریق جمیل سے طلب کرو۔ یعنی طلب میں اللہ کے ساتھ تعلق وتعویض رکھو، سوپیغمبر خدا ﷺ نے وجوہ (ذریعہ معاش) طلب کو مباح فرمادیا اور طلب منجملۂ اسباب ہے اور یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ آدمی جو کھاتا ہے اس میں بڑی حلال چیز وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کمائے اور بہت حدیثیں ہیں جو اسباب کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں، بلکہ اسباب پر ترغیب اور استحسان (شریعت کی ناپسندیدگی) معلوم ہوتا ہے۔

دنیاوی ذریعہ معاش کرنا اوراس کے فائدے

اور اسباب میں بہت فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے قلوب کا ضعیف ہونا اور مشاہدہ قسمت (تقدیر کے لکھے کو اپنی آنکھوں دیکھ لینے) سے قاصر ہونا اور سچے بھروسہ سے عاجز ہونا معلوم ہے، اس لئے اسباب کو ان کیلئے مباح کردیا تا کہ ان کے دلوں کو سہارا رہے اوران کے نفس ثابت رہیں، سو یہ اللہ کا ان پر احسان ہے۔

دوسرا فائدہ: یہ کہ اسباب میں آبرو ذلتِ سوال سے اور رونق ایمان زوال سے محفوظ رہتی ہے جس کا اندیشہ خلقت سے طلب کرنے میں ہے۔ سو تجھ کو اللہ تعالیٰ اسباب سے جو عطا فرماتا ہے اس میں کسی مخلوق کی منت نہیں کیونکہ کوئی یوں احسان نہیں رکھتا کہ میں نے تجھ سے فلاں چیز خرید لی یا کسی کام پر تجھ کو نوکر رکھا، کیونکہ اس نے اپنی خط نفس میں سعی کی ہے اوراپنی ذات کو نفع پہنچانے کا قصد کیا ہے۔ پس سبب سے بے منت حاصل ہوگیا۔

تیسرا فائدہ: یہ کہ لوگوں کو اسباب میں لگا دینے سے گناہ اور با فراغت مخالفت کرنے سے بچادیا، دیکھو عید وغیرہ میں جب اسباب معطل ہو جاتے ہیں یعنی

کوئی کام نہیں رہتا تو غافلین کیسے فرصت میں اللہ کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی میں غرقاب ہو جاتے ہیں، سو ان کو کام میں لگا دینا اللہ کی بڑی رحمت ہے۔

چوتھا فائدہ: یہ ہے کہ اسباب کے سرانجام دینے میں تارکین دنیا پر رحمت ہے اور طالبانِ اطاعت اور فارغین عبادت پر اللہ کا بڑا احسان ہے، اگر اہل اسباب سرانجام اسباب نہ کرتے تو خلوت والے کو خلوت اور مجاہدہ والے کو مجاہدہ کیسے بن آیا۔ پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسباب کو ان لوگوں کی خدمت کیلئے مقرر کر دیا جو اس کی طرف متوجہ ہیں اور ادھر رخ کئے ہوئے ہیں۔

پانچواں فائدہ: یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اہل ایمان آپس میں مل جل کر رہیں چنانچہ فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ سو اسباب تعارف باہمی کا باعث اور محبت باہمی کا موجب ہوگئی اور اسباب کا انکار وہی کرے گا جو جاہل ہے یا جو شخص کہ اللہ سے غافل ہے اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ پیغمبر ﷺ نے جب لوگوں کو خدا کی طرف بلایا تو اسباب چھوڑنے کا ان کو حکم کیا بلکہ ان کو ایسے اسباب پر قائم رکھا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور ہدایت کی طرف ان کو بلایا اور قرآن وحدیث دونوں ثبوتِ اسباب پر ہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

دیکھو مریم کو ہوا حکم خدا! نخل بن کو تو ہلا اور کھا رطب
چاہتا گر شاخ کر دیتا قریب ہے مگر عالم میں ہر شئی کا سبب

اس شاعر نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا○

مریم علیہا السلام کو حکم ہوا کہ ہلا اپنی طرف کو شاخ کھجور کی بکھیرے گی تیرے اوپر تازہ چھوارے چنے ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ نے احد کی لڑائی میں دو زرہیں اوپر تلے پہنیں اور نیز آپ نے ککڑی کو کھجور کے ساتھ کھایا اور فرمایا یہ اس کی دافع ضرر ہے اور پیغمبر خدا ﷺ نے جو پرندوں کی نسبت یہ ارشاد فرمایا کہ صبح کو بھوکے آتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹ

جاتے ہیں۔ اس میں بھی اسباب کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ صبح و شام کی آمد و رفت بھی ایک سبب ہے کہ پرندوں کے حق میں قائم کیا گیا یہ ایسا ہے جیسا کہ آدمی صبح و شام اپنے پیشوں کی طرف جاتے ہیں۔

کسب معاش اور رضائے حق میں قول فیصل

قول فیصل اس مقدمے میں یہ ہے کہ اسباب کا وجود تو ضرور ہونا چاہیے مگر ان پر نظر نہ ہونا چاہیے۔ پس اسباب کو ثابت کر چونکہ اللہ نے اپنی حکمت سے ان کو ثابت کیا مگر اس کا سہارا نہ کر چونکہ اس کی احدیت (یکتائی) کا یقین رکھتا ہے۔

روزی کمانے والوں کی قسمیں اور طلب رزق میں اجمال کے معنی:

اگر کوئی سوال کرے کہ حدیث میں جو آیا ہے۔ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ سو اس اجمال سے کیا مراد ہے تو جواب جاننا چاہیے کہ اجمال فی الطلب کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں، ہم پر اللہ نے جس قدر کھولا ہے وہ ہم تجھ کو بتلاتے ہیں۔ سو جان تو اللہ کی تجھ پر عنایت ہو کہ روزی ڈھونڈنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ شخص ہے جو اس میں غرق ہو کر اور تمامی ہمت کو اس میں متوجہ کر کے اس کو طلب کرتا ہے۔ اس میں تو ضرور اس کا رخ اللہ کی طرف سے پھر جاتا ہے۔ کیونکہ ہمت جب ایک طرف متوجہ ہوگی تو دوسری جانب سے ہٹ جائے گی۔

شیخ ابو مدینؒ فرماتے ہیں کہ قلب ایک طرف متوجہ ہوتا ہے جس طرف پھیرو گے دوسری طرف سے پھر جائے گا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

مَاجَعَلَ اللهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ.

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے جوف میں دو دل نہیں بنائے۔

یعنی ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا باعث ضعف بشریت ہے کہ دو طرف توجہ ممکن نہیں، پس انسان جب کبھی دو طرف متوجہ ہوگا ایک جہت میں ضرور خلل واقع ہوگا اور تمام جہات کا ایک وقت میں سرانجام کرنا اس طرح کہ کسی

میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ اللہ ہی کی شان ہے، اسی لئے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰـهٌ وَّفِى الْاَرْضِ اِلٰـهٌ

یعنی وہی ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔

اس سے یہ بات بتادی کہ وہ اہل آسمان کی طرف بھی متوجہ ہے اور اہل زمین کی طرف بھی، اہل آسمان کی طرف متوجہ ہونا اہل زمین کے حال پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں اور اہل زمین کی طرف متوجہ ہونا اہل آسمان کے حال پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں اور اسی طرح کوئی چیز کسی چیز سے اس کو غافل نہیں کرتی اسی وجہ سے الٰہ کے لفظ کو اس آیت میں مکرر لائے اور اگر اس لفظ کو مکرر نہ لاتے تو یہ فائدہ اس لفظ سے حاصل نہ ہوتا ہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مقتضی تو ہے ہی، اس سے واضح ہوگیا کہ جو شخص رزق کو اس طرح ڈھونڈھے کہ اس پر اوندھا ہوکر اللہ سے غافل ہو جائے وہ شخص طلب میں اجمال نہیں کرتا اور جو ایسا نہ ہو وہ اجمال کرتا ہے دوسرے معنی اجمال کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے روزی طلب کرے اور کوئی مقدار اور سبب اور وقت مقرر نہ کرے۔ پس حق تعالیٰ اس کو جو چاہے اور جس طرح چاہے جس وقت چاہے روزی دے اور یہ ادب طلب ہے اور جو شخص روزی طلب کرے اور یا مقدار یا سبب یا وقت معین کرے وہ اللہ تعالیٰ پر حکومت جتلاتا ہے اور غفلت نے اس کے قلب کو گھیر لیا ہے۔

ایک حکایت: کسی کی حکایت ہے یوں کہا کرتا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان اسباب کو چھوڑ دوں، اور مجھ کو دو روٹی روزانہ کہیں سے مل جایا کریں۔ مقصود یہ تھا کہ کلفت اسباب سے راحت ملے۔ دیکھو مقدار جو معین کی اس کا وبال آتا ہے، وہ شخص کہتا ہے کہ میں اتفاقاً قید ہوگیا اوہ مجھ کو قید خانے میں ہر روز دو روٹیاں ملا کرتیں تھیں، اسی حالت میں ایک زمانہ دراز گزر گیا یہاں تک کہ تنگ دل ہونے لگا ایک روز کچھ سوچ رہا تھا کہ مجھ سے کہا گیا کہ تو نے ہم سے دو روٹیاں مانگی تھیں اور

عافیت نہیں مانگی تھی، سو جو تو نے مانگا وہ ہم نے تجھ کو دیا میں نے استغفار کیا اور رجوع الی اللہ کیا۔ یکا یک کوئی شخص دروازہ قید خانے کا کھٹکھٹاتا ہے۔ پس میں چھوٹ کر باہر نکلا، سوائے ایمان والے! اس قصے سے ادب حاصل کر اور یہ مت طلب کر کہ ایک امر سے نکال کر دوسرے امر میں تجھ کو داخل کیا جائے۔ بشرطیکہ تو جس حالت میں ہے وہ شریعت[1] کے موافق ہو کہ اس طرح طلب کرنا اللہ کے ساتھ بے ادبی ہے۔ پس صبر اختیار کر، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو از خود کسی امر سے نکلنا چاہے اور تیرا مطلب تجھ کو مل جائے اور راحت نصیب نہ ہو۔ کیونکہ بہت سے ایسے ہوئے ہیں کہ ایک سبب کو چھوڑ کر دوسرے سبب میں داخل ہوئے تا کہ ثروت و راحت ملے اور وہ اور تعب میں پڑ گئے اور آسانی کی عوض سختی بڑھ گئی اس سزا میں کہ اپنے لئے یہ صورت تجویز کی تھی اور ہماری ایک دوسری کتاب میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تجھ کو اسباب میں رکھے اس وقت تجرید طلب کرنا شہوت خفیہ ہے اور اگر تجھ کو تجرید میں رکھے اس وقت اسباب طلب کرنا خلاف ہمت علیہ ہے۔ (1 یعنی وہ پیشہ یا ذریعہ جس کے ذیعہ سے حق تعالیٰ تجھ کو رزق دے رہا ہے اگر شریعت کے موافق ہو تو اس پر صبر کر اور دوسرے ذریعہ تلاش نہ کر ہاں اگر شریعت کے خلاف ہو تو بیشک اس ذریعہ کو چھوڑ کر دوسرے طریقے سے رزق پہنچنے کی خدا سے مدد مانگ)۔

شیطان کی ایک بڑی مکاری کا انکشاف

پس خوب سمجھ لے کر اللہ کی تجھ پر مہر ہو کہ اس دشمن کی یعنی شیطان کی یہ حالت ہے کہ جس کام میں تو لگا ہوا اسی راہ سے تیرے پاس آتا ہے اور تیری نظر میں اس کی تحقیر کرتا ہے تا کہ جس شغل میں تجھ کو اللہ نے رکھا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے میں لگ جائے۔ پھر تیرا دل مشوش اور وقت مکدر ہو اور یہ یوں ہوتا ہے کہ اہل اسباب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم اسباب چھوڑ دو اور مجرد ہو جاؤ تو تمہارے انوار روشن ہوں گے اور تمہارے قلوب و اسرار صاف ہوں اور یوں کہتا ہے کہ دیکھ فلاں فلاں نے ایسا ہی کیا اور حالانکہ یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ اس سے تجرید کی امید ہو، نہ اس کو اس قدر طاقت ہے بلکہ اس کی خیریت اسباب ہی میں ہے۔ پس وہ اسباب کو

چھوڑ بیٹھتا ہے۔ پھر اس کا ایمان ڈگمگ ہونے لگتا ہے اور یقین جاتا رہتا ہے اور خلقت سے طلب کرنے کی طرف اور رزق کے اہتمام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پس دریائے دوری میں پھینک دیا جاتا ہے اور اس دشمن ایمان کا یہی مقصود تھا کیونکہ وہ تیرے پاس خیر خواہ کے پیرایہ میں آتا ہے اس لئے کہ اگر دوسری صورت میں آئے تو اس کی بات کیسے مانے جیسے آدم وحوا علیہ السلام کے پاس ناصح بن کر آیا اور کہا:

مَا نَهَا كُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِيْنَ.

جیسا اوپر بیان ہو چکا اسی طرح تارکین اسباب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ کب تک ان اسباب کو چھوڑے رہو گے، تم کو معلوم نہیں کہ ترک اسباب میں قلوب کی توجہ لوگوں کے مال میں ہونے لگتی ہے اور دروازہ طمع کا کشادہ ہو جاتا ہے اور اس حالت میں تجھ سے نہ کسی کی حاجت روائی ممکن ہے نہ سخاوت کر سکتا ہے نہ حقوق ادا کر سکتا ہے اور ہمیشہ تو منتظر بیٹھا رہتا ہے کہ کچھ مخلوق سے فتوح ہو اگر تو اسباب اختیار کرے تو پھر اور لوگ منتظر رہا کریں گے کہ ان کو تجھ سے کچھ فتوح ہو اور بہت سی باتیں سمجھاتا ہے اور حالانکہ اس شخص کا وقت خوش تھا اور نور کشادہ تھا اور انقطاع خلائق میں راحت ملی تھی ہمیشہ اس کے سر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اسباب کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اسباب کی کدورت اس کو پہنچتی ہے اور اس کی ظلمت گھیر لیتی ہے اور جو شخص ہمیشہ اسباب میں رہتا ہے اس کی حالت اس شخص سے اچھی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اسباب والا راہ میں چل کر نہیں لوٹا اور مقصود کی طرف متوجہ ہو کر نہیں مڑا۔ بخلاف اس شخص کے کہ راہ مولا میں قدم اٹھا کر لوٹ آیا اور اعراض کیا نعوذ باللہ۔ خوب سمجھ لے اور اللہ کی پناہ میں آ جو اللہ کی پناہ میں آیا وہ سیدھی راہ چلایا گیا۔

صرف مقصود شیطان کا یہ ہے کہ لوگوں کو جو اپنے اپنے حال میں اللہ تعالیٰ سے رضا نصیب ہے اس سے باز رکھے اور یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حالت ان کیلئے پسند فرمائی ہے اس سے جدا کر کے ایسی حالت میں پھنسا دے جس کو یہ لوگ خود اپنے

لئے پسند کریں اور اللہ تعالیٰ جس حالت میں داخل فرماتا ہے اس میں مدد فرماتا ہے اور جس میں تو خود داخل ہو تیرے ہی حوالے کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَاناً نَّصِیْرًاo

یعنی دعا کر کہ اے پروردگار داخل کر مجھ کو داخل کرنا اچھا اور نکال مجھ کو نکالنا اچھا اور کر میرے واسطے اپنے پاس غلبہ حمایت کرنے والا۔

سو مدخل صدق کے یہی معنی ہیں کہ تو اس میں داخل کیا جائے۔ خود داخل نہ ہو علی ہذا القیاس مخرج صدق کو سمجھو اور اللہ تعالیٰ کو جو امر تجھ سے مطلوب ہے یہ ہے کہ تجھ کو جس حالت میں قائم کر دے وہاں ہی ٹھہر جائے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی تیرے نکالنے کا سامان کر دے، جیسا داخل کرنے کا کیا تھا اور یوں کام نہیں چلتا کہ تو سبب کو چھوڑ دے بلکہ بڑی بات تو یہ ہے کہ سبب تجھ کو چھوڑ دے۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ میں نے اتنے اتنے مرتبہ سبب کو چھوڑا مگر پھر لوٹ کر ادھر ہی آیا۔ پھر مجھ کو سبب نے چھوڑ دیا، پھر میں ادھر نہیں آیا۔

شیخ کا واقعہ: میں ایک بار شیخ ابو احباس مرسیؒ کے پاس آیا اور میرے دل میں تجرید کا پختہ ارادہ تھا اور اپنے جی میں کہتا تھا کہ میری جو حالت اب ہے کہ علم ظاہری میں مشغول ہوں لوگوں سے اختلاط ہوتا ہے، اس حالت میں تو وصول الی اللہ بہت بعید ہے میں پوچھنے بھی نہیں پایا تھا کہ فرمانے لگے کہ ایک شخص نے میری صحبت اختیار کی جو علوم ظاہری میں مشغول تھا اور اس میں صدر نشین تھا اس کو کچھ اس طریق کا مذاق ہوا تو میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ یا حضرت جس شغل میں میں ہوں اس کو چھوڑ کر فراغت سے آپ کی صحبت میں رہوں، میں نے جواب دیا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں تم اپنی حالت میں رہو جو کچھ اللہ نے تمہاری قسمت میں ہمارے ہاتھ سے لکھا ہے وہ تم کو پہنچتا رہے گا، پھر شیخ میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ صدر یقین کی یہ شان ہے کہ کسی حالت سے خود نہیں نکلتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو نکالے۔ ل

میں شیخ کی خدمت سے آیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ خطرات میرے دل سے دھو ڈالے تھے اور مجھے راحت تسلیم میسر ہوئی، فی الحقیقت ایسوں ہی کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ تیسرے معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہو سکتے ہیں کہ اللہ سے مانگے مگر قصد یہ ہو کر اللہ سے مناجات کرتا ہوں خود وہ چیز مطلوب نہ ہو صرف طلب کرنا بہانہ مناجات ہوا، اسی لئے شیخ ابو الحسنؒ فرماتے ہیں کہ دعا میں یہ قصد نہ ہونا چاہیے کہ مراد مل جائے کہ اس قصد میں تو اپنے رب سے محجوب ہو جائے گا بلکہ مقصود اعظم مناجات مولیٰ ہو اور منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں پوچھتے پھرا کرتے تھے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کچھ پیغام دیتا ہے؟ یہ صرف اسی لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرا زیادہ باتیں ہوں۔ چوتھے معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہیں کہ طلب کرنے کے وقت یہ مشاہدہ کر کہ جو کچھ بھی تیری قسمت میں ہے وہ خود تجھ کو ڈھونڈتا آئے گا اور تیرا طلب کرنا اس تک نہ پہنچائے گا۔ پس تیری طلب اس حال میں ہونی چاہیے کہ تو دریائے عجز میں غرق ہو احتیاج میں غوطہ زن ہو۔ اور کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ حظوظ بشریہ کیلئے طلب نہ ہو بلکہ اظہار عبودیت کیلئے ہو جیسا حکایت ہے کہ حضرت سمنون محبّ رحمۃ اللہ علیہ کبھی ذوق وشوق میں یوں کہتے۔

جز ترے مجھ کو کوئی بھاتا نہیں   آزمالے جس طرح چاہے مجھے

پس حبس البول کی بیمار میں مبتلا ہو گئے، پس صبر کیا اور مستقل رہے یہاں تک کہ ان کا ایک شاگرد آ کر کہنے لگا کہ اے استاد میں نے گزشتہ شب تمہاری آواز سنی کہ اللہ سے شفا و عافیت مانگ رہے تھے، حالانکہ انہوں نے دعا نہیں کی تھی۔ پھر دوسرا شاگرد آیا پھر تیسرا شاگرد آیا پھر چوتھا آیا ان کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ اپنی محتاجی اور ضرورت عافیت ظاہر کروں، پھر اللہ سے شفا چاہی پھر مکتب کے بچوں میں گھومتے پھرتے تھے اور فرماتے تھے اپنے چھوٹے چچا کیلئے دعا کرو۔ پانچویں معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہیں کہ اللہ سے اتنا مانگے جو کافی ہو اور اتنا نہ

مانگے جس میں حد سے نکلنے لگے، قدر کفایت سے جو زائد ہو اس کی طرف حرص کے ساتھ توجہ نہ ہو نہ رغبت کے ساتھ اس کی طرف دل کھلنا چاہیے اور یہ بات ہم کو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائی ہے کہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ آلِ مُحَمَّدٍ كَفَافاً

یعنی اے اللہ محمد کے گھر والوں کو اتنا دے کہ برابر سرابر ہو جائے۔

کفایت سے زیادہ طلب کرنے والا قابل نکوہش ہے (بُرا کام کرتا ہے) اور طالب کو کفایت پر کچھ ملامت نہیں۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ یعنی قدرے کفایت پر تجھے ملامت نہیں کی جاتی۔

ثعلبہ کا قصہ: اور اس مضمون میں تیرے لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد جو ثعلبہ بن حاطب کو فرمایا تھا کافی ہے جب اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو مال دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ثعلبہ بن حاطب وہ قلیل جس کا تو شکر ادا کرتا رہے اُس کثیر سے بہتر ہے جو تجھ سے اٹھایا نہ جائے، ثعلبہ نے مکرر عرض کیا آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا کہ جس قلیل کا شکر ادا کرے وہ اس سے اچھا جو تجھ سے اٹھ نہ سکے وہ برابر اصرار کرتا رہا، یہاں تک کہ آپ نے اس کی مرضی کے موافق دعا فرما دی۔ پس اس نے جو رسول اللہ ﷺ کی پسند کی ہوئی حالت کی مخالفت کر کے اپنی پسند کی ہوئی حالت کو اختیار کیا اس کا انجام یہ ہوا کہ اس کا مال بڑھ گیا یہاں تک کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے سے بچھڑ جاتا (پیچھے رہ جاتا)، پھر مال اور بڑھا یہاں تک کہ بجز جمعہ کے کوئی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ پڑھتا، پھر بکریاں مواشی اس قدر بڑھیں کہ جمعہ کی نماز بھی نہ ہو سکی۔ پھر اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے زکوٰۃ لینے والا آیا، کہنے لگا کہ میری رائے میں تو یہ جزیہ ہے یا مشابہ جزیہ کے اور زکوٰۃ نہ دی اور اس کا قصہ مشہور ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی شان میں یہ نازل فرمایا: وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ اِلٰى قَوْلُهٗ يُكَذِّبُوْنَ یعنی ان منافقوں میں سے بعضے ایسے ہیں کہ اللہ سے عہد کیا کہ اگر ہم کو اپنے فضل سے عطا

کرے تو ہم خوب خیرات کریں اور بھلائی والوں میں سے ہو جائیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا وہ بخل کرنے لگے اور نہ موڑا اعراض کرتے ہوئے، پس بدلہ دیا اللہ نے ان کو کہ دلوں میں نفاق پیدا کر دیا جو اس سے ملنے کے دن تک رہے گا بہ سبب اس کے کہ اللہ سے انہوں نے وعدہ خلافی کی اور بسبب اس کے کہ جھوٹ بولتے تھے۔ چھٹے معنی اور اجمال فی الطلب کبھی دنیا مانگنے میں ہوتا ہے۔ یعنی اس طرح کہ اس پر بس نہ کرے بلکہ دعائے آخرت کو بھی ملا لے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اِلٰی عَذَابِ النَّارِ یعنی بعضے تو یوں دعا کرتے ہیں کہ: اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور اس کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں ملتا اور بعضے یوں دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور بچا ہم کو عذابِ دوزخ سے۔ ساتویں معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ اس طرح طلب کرے کہ ملنے میں شک نہ ہو اور حرمت کا پاس رکھے۔

دعا قبول ہونے کی مدت

آٹھویں معنی ایک اجمال فی الطلب یہ ہے کہ طلب کرتا رہے اور یہ تقاضہ نہ ہو کہ جلدی قبول ہو اور غیر اجمال یہ ہے کہ جلدی کا تقاضہ ہو اور نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور ارشاد ہوا ہے کہ: دعا قبول ہوتی ہے جب تک یہ تقاضہ نہ ہو کہ میں نے تو دعا کی مگر قبول ہی نہیں ہوتی اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے فرعون کیلئے بددعا کی جیسا اللہ تعالیٰ نے قصہ بیان فرمایا ہے:

رَبَّنَا اُطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ اِلٰی قَوْلِهٖ اَلِيْم.

یعنی اے ہمارے رب مٹا دے ان کے مال اور سختی کر دے ان کے دلوں پر بس یہ ایمان نہ لانے پائیں۔ یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دکھ دینے والا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: قَدْ اُجِيْبَتْ اِلٰی قَوْلِهٖ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی تم دونوں کی دعا

قبول ہوگئی۔ پس دونوں مستقیم رہو اور راہ مت چلو ان لوگوں کی جو جانتے نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمانے میں کہ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا اور فرعون کے ہلاک ہونے میں چالیس سال کی مدت تھی۔ شیخ ابوالحسنؒ نے فَاسْتَقِیْمَا کی تفسیر میں فرمایا کہ مستقیم رہو جلدی مراد نہ مانگنے پر اور اَلَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کی تفسیر میں کہا کہ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو قبولیت دعا میں جلدی مچاتے ہیں۔ نویں معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ طلب کرے پھر اگر مل جائے شکر کرے اور اگر نہ ملے تو اس کی خوبی اختیار اور عمدہ پسند کو مشاہدہ کرے، کیونکہ بہت سے طالب ملنے پر شکر نہیں کرتے اور نہ ملنے پر اللہ تعالیٰ کی مصلحت دانی پر نظر نہیں رکھتے، بلکہ جو طلب کرتا ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ میرے مصلحت ملنے ہی میں ہے۔ حالانکہ اس نادان کو کہاں مناسب ہے کہ علم الٰہی کے مقابلے میں حکم لگائے اور اللہ کے غیب پر واقف ہو جائے اور بندے کی یہی حالت بس ہے کہ اپنے مولیٰ کے مقابلے میں تجویز لگائے۔

دعا کا مقبول طریقہ

پس جب اس سے سوال کرنا ہو تو ایسی طرح سوال کر کہ اسی کو تفویض کر دے اور اس کے آگے نہ تدبیر چلائے نہ تجویز ٹھہرائے۔ خود ارشاد فرمایا:

وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ الخ

یہ حکم تو اس امر میں ہے جس کا خیر و شر ہونا معلوم نہ ہو تفصیل اس میں یہ ہے کہ آدمی جس چیز کیلئے دعا کرتا ہے وہ تین قسم ہے ایک وہ جو یقیناً خیر ہو اس کو تو بے استثناء اللہ سے مانگنا چاہیے، جیسے ایمان اور سب اطاعتیں، دوسرے وہ جو یقیناً شر ہو اس سے بلا استثناء بچنے کی دعا کرنے چاہیے، جیسے کفر اور سب گناہ، تیسرے وہ جس کا حال معلوم نہ ہو، جیسے غنی ہونا، معزز ہونا، بلند مرتبہ ہونا، اس کو اللہ سے یہ کہہ کر مانگنا چاہیے کہ یا اللہ اگر یہ میرے حق میں بہتر ہو تو عنایت فرما ورنہ خیر۔ ایسا ہی سنا ہے میں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے دسویں معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ

طلب کے وقت اس کی تقسیم ازلی پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنی دُعا کی طرف نسبت نہیں کرتے، کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ طلب کر رہے ہیں مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم مستحق نہیں یہ لوگ سزاوار ہیں کہ منت خداوندی کے مستحق ہوں۔ شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اللہ سے کوئی چیز مانگی ہے اپنی تمام برائیاں پیش نظر کر لی ہیں۔ مقصود شیخ رحمۃ اللہ کا اس مراقبے سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے وصف کے ساتھ سوال نہ ہو جس میں استحقاق عطا ہو، بلکہ اس کا فضل اس کے فضل ہی کے ذریعہ سے مانگا جائے۔ پس یہ دس توجیہیں اجمال فی الطلب کی ہیں اور انحصار مقصود نہیں کیونکہ اس میں اس سے بھی زیادہ وسعت ہے، لیکن ہم نے اس قدر بیان کیا ہے جتنا غیب سے مولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عنایت کیا اور یہ حدیث کلام صاحب انور محیط کا ہے۔ مراد رسول اللہ ﷺ ہیں سو لینے والا اپنی نورانیت کے موافق اس سے لے سکتا ہے اور آپ کے دریائے جواہر سے اسی قدر لے گا جس قدر غوطہ لگائے گا اور ہر شخص اپنے مقام کے موافق سمجھتا ہے۔ ایسی مثال ہے جیسے بہت طرح کے درخت ہوں کہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں پھر بعضوں کو بعضوں پر میوے میں بزرگی دی ہے۔ یعنی فیاض ایک ہے اختلاف فیوض اختلاف استعداد مستفیضین سے ہے۔ اور جو چیز لوگوں نے نہیں لی وہ لئے ہوئے سے زیادہ ہے اور یہ ارشاد نبویؐ سن کر مجھ کو جامع کلمات عنایت ہوئے اور میرے لئے کلام مختصر کیا گیا ہے۔ سو اگر علمائے الٰہی ابد الآباد تک آپ کے کلامِ مبارک کے ایک کلمے کے اسرار بیان کریں تب بھی علم میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور فہم سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ میں نے ستر برس تک اس حدیث پر عمل کیا اور ابھی تک فارغ نہیں ہوا، حدیث یہ ہے۔ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ غیر مفید چیزوں کو ترک کر دے اور اسؒ بزرگ نے سچ کہا اللہ اس سے خوش رہے اور اگر وہ بزرگ بقائے دنیا تک زندہ رہتے بلکہ ابد الآباد تک تب بھی اس حدیث کے حقوق سے اور جو کچھ اس میں عجائب علوم اور

اسرار فہوم رکھے ہیں ان سے فارغ نہ ہوتے۔

مضمون اصلی شروع: دیکھو یہ ارشاد نبوی کہ اگر تم کو اللہ پر بھروسہ ہوتا جیسا ہونا چاہیے تو تم کو اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو دیتا ہے۔ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر جاتے ہیں۔ اس حدیث کو دیکھتے ہو کہ امر بالتوکل پر دلالت کرتی ہے (توکل کا حکم دیتی ہے)۔ نفی اسباب پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اسباب کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ یوں فرمایا ہے کہ صبح کو آتے ہیں شام کو جاتے ہیں۔ سوان کیلئے صبح کا آنا شام کا جانا ثابت کیا کہ ان کے حق میں یہی سبب ہے، البتہ جمع کر کے رکھنے کی نفی فرمائی، پس گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم کو پورا توکل ہوتا تو تم ذخیرہ نہ کیا کرتے اور تم کو توکل کرنا ذخیرہ رکھنے سے بے نیاز رکھتا اور تم کو اس طرح سے رزق ملتا جیسے پرندوں کو ملتا ہے کہ ایک دن کی روزی مل گئی دوسرے دن کیلئے ذخیرہ نہیں کرتے چونکہ ان کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہ کرے گا، سوائے ایمان والو! تم تو اس کے زیادہ مستحق ہو، پس آپ نے یہ بات بتلا دی کہ ذخیرہ کرنے کا باعث ضعف یقین ہے۔

مال جمع کرنے والوں کی قسمیں: اگر کوئی دریافت کرے کہ ہر ذخیرہ کا یہی حکم ہے یا حالت مختلف ہے۔ تو جاننا چاہیے کہ ذخیرہ رکھنا تین قسم پر ہے۔

۱۔ ذخیرہ رکھنا ظالمین کا۔

۲۔ ذخیرہ رکھنا مقتصدین کا۔

۳۔ ذخیرہ رکھنا سابقین کا

قسم اول: یعنی ظالمین وہ لوگ ہیں جو ذخیرہ کرتے ہیں بخل سے اور دولت بڑھانے کو امساک کرتے ہیں (دولت کو روکتے ہیں)۔ شیخی بگھارنے کو اور فخر کرنے کو، سو اُن لوگوں کے قلوب میں غفلت خوب جم گئی اور ان کے نفوس پر حرص غالب ہو گئی ان کی حرص دنیا سے فراغت نہ پائے گی ان کی ہمت دنیا کے سوا کسی طرف نہ جائے گی، ان کی محتاجی ثابت ہے اگرچہ ظاہر میں غنی ہوں ان کی ذلت ظاہر ہے

اگرچہ دیکھنے میں معزز ہوں یہ لوگ دنیا سے سیر نہ ہوں گے اور اس کی طلب سے سست نہ ہوں گے اسباب دنیا ان کے ساتھ بازی کرتے ہیں۔ ان کے متفرق رب ہو رہے ہیں یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہی لوگ ہیں غافل ان کے دلوں میں علم کے یاد رکھنے کی اور نصیحت سننے کی جگہ نہیں۔ پس بہت ہی کم ان کے اعمال مقبول ہوتے اور اُن کے احوال صاف ہوتے ہیں کیونکہ اندیشۂ فقر ان کے دلوں میں بس رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جس کے دل میں اندیشۂ فقر جاگزیں ہو، اس کا عمل بہت ہی کم مقبول ہوتا ہے۔ پس جو ایماندار اس بلا سے عافیت میں ہو جس میں وہ پھنسے ہیں اور اس آفت سے سالم ہو جس میں وہ بھر رہے ہیں اور اس کدورت سے پاک ہو جس میں وہ پھر رہے ہیں۔ اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے۔ اس فضل پر جس کے ساتھ اس کو مخصوص کیا اور اپنے عطا سے اس پر انعام کیا اور جب ایسے لوگوں کو دیکھے تو کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَهٗ تَفْضِیْلًا

جیسا جب کسی ایسے کو شخص کو دیکھتا ہے جس پر مصیبت ہوتی ہو تو اللہ کی حمد کرتا ہے جس نے تجھ کو عافیت دی اور اس وقت اپنے مولا کے انعام کا مشاہدہ کرتا ہے، اسی طرح تجھ پر واجب ہے اور سزاوار ہے کہ اللہ کا شکر کرے جب تجھ کو اسباب دنیا اور اس میں پھنسنے سے عافیت عنایت فرمائے اور دوسروں کو مبتلا کرے اور ان کو حقیر نہ سمجھے بلکہ بجائے حقیر سمجھنے کے ان پر رحم کرے اور بجائے بددعا کے ان کیلئے دعا کرے۔

حضرت معروف کرخی کی دعا: عارف باللہ حضرت معروف کرخیؒ کے فعل کا اتباع کر کہ جو سراپا معروف یعنی نیکی تھے، قصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت معروف کرخیؒ اپنے یاروں کے ساتھ دجلہ پر گذرے ان کے یاروں نے دجلہ پر ایک جلسہ دیکھا جو کہ اہل لہو وفسق ونشاط تھے۔ سب نے عرض کیا کہ اے استاد ان کیلئے بددعا کیجئے

آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا، یا اللہ تو نے جیسا ان کو دنیا میں خوش کیا ہے آخرت میں بھی ان کو خوش رکھ۔ یاروں نے عرض کیا کہ: اے استاد! ہم نے تو بددعا کو کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ کو آخرت میں خوش رکھنا منظور ہوگا تو ان کو توبہ کی توفیق دے گا، تمہارا اس میں کیا نقصان ہے۔ اسی وقت اس جلسہ کے لوگ خشکی میں آئے اور مرد ایک طرف اُترے عورتیں ایک طرف، دونوں پاک صاف ہوئے اور توبہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں حضرت معروف کرخیؒ کی دعا کی برکت سے بڑے بڑے عابد وزاہد ہوئے۔ پس جب گناہ گاروں پر نظر پڑے تو یہ سمجھ کر علم ازلی اور مشیت قطعی میں ان پر یوں ہی حکم ہو چکا ہے اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تجھ پر اندیشہ ہے کہ ایسے ہی امتحان میں تو نہ پھنس جائے اور ان کی طرح تو بھی دور ڈال دیا جائے۔

مومن کا مرتبہ

شیخ ابوالحسنؒ کا ارشاد سن کہ فرماتے ہیں ایمان والو کی تعظیم کرو، اگرچہ وہ عاصی فاسق ہوں اور ان کو نیک بات بتلاؤ اور بُری بات سے منع کر اور ان سے ملنا اگر چھوڑے تو وہ بھی شفقت سے ہو، نہ اپنی بڑائی جتلانے کو، شفقت یہ کہ ہمارے ملنا چھوڑنے سے اس کو تنبیہ ہوگی اور راہِ راست پر آ جائے گا اور یہ بھی شیخؒ کا قول ہے کہ اگر مومن عاصی کا نور ظاہر ہو جائے تو زمین و آسمان کے درمیان تمام فضا کو بھر دے تو مومن مطیع کی کیا کیفیت سمجھتے ہو اور اہل ایمان اگرچہ اللہ سے غافل ہوں اُن کی تعظیم کیلئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتَابَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا ... الٰی ... قَوْلِہٖ بِاِذْنِ اللّٰہِ

یعنی پھر وارث کیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے برگزیدہ کیا اپنے بندوں سے سو بعض تو ان میں اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض بیچ کی چال چلتے ہیں اور بعض نیکیوں میں بڑھے ہوئے ہیں اللہ کے حکم سے۔

سو خیال کر کہ باوجود ظالم ہونے کے ان کیلئے اصطفا (نیکی) کس طرح ثابت

فرمایا اور ظلم کو اس کا سبب قرار نہیں دیا کہ ان کو برگزیدگی سے یا وراثت کتاب سے نکال دے اور ان کو ایمان سے پسند کیا اگرچہ گناہ سے ظالم ہوں، پس پاک ہے وسیع رحمت والا بڑی منت والا۔ اور جاننا چاہیے کہ اس کے ملک میں ضرور ایسے بندے بھی ہونے چاہئیں جو مستحق حلم اور مظہر رحمت و مغفرت وقوع شفاعت ہوں اور اس حدیث کو سمجھ کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو ناپید کر کے دوسری قوم کو ظاہر کرتا جو گناہ کرتے پھر استغفار کرتے پھر اللہ ان کو بخشتا۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: میری شفاعت اہل کبائر کیلئے ہے میری امت میں سے۔ ان حدیثوں میں وسعت رحمت اور حکمت وقوع معاصی کا بیان کرنا مقصود ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ گناہ سے اللہ و رسول خوش ہوتے ہیں (یعنی اوپر کے مضمون میں گناہ گار مسلمانوں کی تعظیم اور ان کے مرتبہ کے بیان سے کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ پھر تو گناہ خوب کرنے چاہئیں بلکہ مقصد گناہ کی پیدائش کا بیان کرنا ہے۔ یعنی اظہار مغفرت جس طرح کفر کی پیدائش کی حکمت الٰہی اظہار جلال وغضب ہے۔)

ایک شخص شیخ ابو الحسنؒ کے پاس آ کر کہنے لگا، اے حضرت! گزشتہ شب ہمارے پڑوس میں ایسی ایسی باتیں ہوئیں اور اس شخص سے آثار استبعاد کے ظاہر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے شخص! شاید تو یوں چاہتا ہے کہ اللہ کے ملک میں اس کی معصیت نہ ہو جو شخص یوں چاہتا ہے کہ معصیت نہ ہو وہ یوں چاہتا ہے کہ اس کی مغفرت ظاہر نہ ہو اور حضرت کی شفاعت نہ ہو، ختم ہوا کلام شیخ کا۔ اور بہت سے ایسے گنہگار ہیں کہ ان کی کثرت گناہ اور لغزش موجب رحمت پروردگار ہو جاتی ہے۔ پس تو اس پر رحم کر اور اس کے ایمان کی عزت سمجھ اگرچہ گناہ کرتا ہے۔

قسم دوم: ذخیرہ جمع کرنا مقتصدین یعنی بیچ کی چال چلنے والوں کا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ دولت بڑھانے اور شیخی بگھارنے اور بڑائی جتلانے کیلئے ذخیرہ نہیں کیا بلکہ محتاجی میں اپنے اضطراب کا حال معلوم کیا پس سمجھے کہ اگر ذخیرہ نہیں کرتے تو ان کا ایمان ڈھل مل ہوتا ہے اور یقین ڈگمگ ہوتا ہے۔ پس انہوں نے اس لئے ذخیرہ کر لیا کہ متوکلین کے حال کی ان میں ہمت نہیں اور جانتے ہیں کہ ہم مقام یقین

سے عاجز ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: مومن قوی اللہ کے نزدیک مومن ضعیف سے اچھا ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں پس مومن قوی وہ ہے کہ اس کا نورِ یقین روشن ہو، پس اس نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ میرا رزق ضرور میرے پاس پہنچائے گا۔ خواہ ذخیرہ کرے یا نہ کرے اور اگر میں ذخیرہ نہ کروں گا تو اللہ میرے لئے ذخیرہ کرے گا اور ذخیرہ والے اپنے ذخیروں کے حوالے کئے جاتے ہیں اور توکل والے اللہ کے حوالے ہیں اور کسی شے کے حوالے نہیں کئے گئے۔ سو مومن قوی وہ شخص ہے جو اسباب کا سہارا نہ کرتا ہو خواہ اسباب میں ہو یا نہ ہو اور جو مومن ضعیف ہے وہ اگر اسباب میں داخل ہے تو ان کا کچھ سہارا سمجھتا ہے اور اگر اسباب سے خارج ہے، تو ان کی طرف نگراں ہے۔

قسم سوم: ذخیرہ رکھنے نہ رکھنے کے اعتبار سے وہ لوگ ہیں جو سابقین ہیں، یعنی مراتب میں بڑھے ہوئے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کی طرف بڑھ گئے کیونکہ ان کے دل اس کے ماسوا سے خالص ہو گئے۔ پس ان کو موانع (دنیاوی تمنائیں) اللہ سے نہ روک سکے اور علائق اللہ سے غافل نہ کر سکے۔ پس اللہ کی طرف دوڑ پڑے کیونکہ ان کو کوئی امر مانع نہ تھا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے صرف غیر اللہ کے تعلق کی کوشش نے روک رکھا ہے۔ جب ان کے قلوب اللہ کی طرف جانا چاہتے ہیں وہ تعلق اس چیز کی طرف کھینچتا ہے جس کی طرف تعلق ہے۔ پس وہ واپس لوٹ آتے اور اسی چیز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، سو درگاہِ بے نیاز ایسے شخص کو نصیب نہیں ہوتی جس کی یہ حالت ہو۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ: کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تجھ کو پیچھے سے کوئی چیز کھینچ رہی ہو اور تو خدا کی درگاہ میں پہنچ جائے۔ اس مقام پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ ارشاد سمجھو۔

یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ؕ

یعنی نہ نفع دے گا مال اور اولاد اُس دن مگر جو لایا اللہ کے پاس قلب سلیم۔

اور قلب سلیم وہ ہے جس کو سوائے حق تعالیٰ کے کسی سے تعلق نہ ہو۔ اور فرمایا

اللہ تعالیٰ نے:
وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنَاکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ
یعنی تم ہمارے پاس اکیلے آئے، جیسا ہم نے تم کو اول بار پیدا کیا۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے پاس آنا اور وہاں تک رسائی ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ کل ماسوا سے جدا ہو جائے۔(یعنی ہر چیز سے بے غرض، بے پرواہ اور بے خیال ہو جائے، حتیٰ کہ اپنی جان کا بھی خیال محبت اور عزت دل میں اپنی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس لئے ہو کہ جان کی حفاظت کا حکم شرعی ہے)اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔
اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰیo
یعنی کیا اللہ نے تجھ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس جب ہی ٹھکانا دیتا ہے جب ماسوا (ہر چیز) سے یتیم ہو جاؤ۔اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:
اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَo
یعنی اللہ طاق ہے دوست رکھتا ہے طاق کو۔
یعنی اس قلب کو دوست رکھتا ہے جو مخلوقات کی آمیزش کے ساتھ جفت نہ ہو، پس یہ قلوب اللہ کے ہیں اور اللہ کے ساتھ ہیں۔انہوں نے اللہ کو تصرف کرنے دیا۔ پس اس نے ان کو ان کے نفوس کی طرف نہیں حوالے کیا اور ان کو ان کی تدبیر پر نہیں چھوڑا سو یہ لوگ دربار والے ہیں جن کے ساتھ احسان سے معاملہ کیا جاتا ہے۔ مخلوقات ان کو اللہ سے جدا نہیں کرتی اور حسن عارضی (یعنی دنیا کی حسن زیبائش، ٹھاٹ باٹ وغیرہ) ان کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتا۔ اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں۔

کیا حقیقت ہے تری اے مست ناز ہو اگرچہ حسن میں تو بے نظیر
لیک تجھ میں ایک ہے گنج نہاں اس نے مجھ کو کر لیا اپنا اسیر

بعضوں کا قول ہے کہ اگر مجھ کو غیر کی طرف نظر کرنے کا حکم ہو تو مجھ سے نہ ہو

سکے، کیونکہ غیر تو ہے ہی نہیں جس کو دیکھ سکوں اور یہ ان لوگوں کا حال ہے کہ حفاظت الٰہی جن کی ذمہ دار اور عنایت الٰہی ان کی نگہبان ہے، بھلا ان لوگوں سے کب ہو سکتا ہے کہ ذخیرہ رکھیں وہ تو حاضر باش درگاہ ہیں اور اگر ذخیرہ کرتے ہیں تو اس پر اعتماد نہیں رکھتے اور ان سے کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی اور کا سہارا تکیں، وہ تو اس کی احدیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک بار مجھ پر شہود غالب ہوا، میں نے دعا کی کہ اس کو مجھ سے چھپا لیا جائے۔ حکم ہوا کہ جو جو دعائیں موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ اور محمد حبیب اللہ ﷺ نے مانگی ہیں اگر سب جمع کر کے بھی دعا کرو گے تو قبول نہ ہوگی، مگر یہ دعا کرو کہ تم کو اس کے برداشت کی قوت ہو جائے۔ میں نے دعا کی، اللہ نے مجھ کو قوت بخشی، سو جس شخص کا یہ حال ہو وہ ذخیرہ رکھنے کا محتاج کیوں ہونے لگا یا اس سے کیسے ہو سکتا ہے کہ غیروں کا سہارا ڈھونڈے؟ اور ایماندار کو یہی بہت ہے کہ اپنے ایمان و توکل کا ذخیرہ جمع کرے اور جن کو اللہ کی طرف سے سمجھ ہے وہ اس پر توکل کرتے ہیں۔ پس اللہ ان کیلئے ذخیرہ کرتا ہے اور انہوں نے اس کا پاس کیا وہ ان کا نگہبان ہو گیا اور وہ لوگ اللہ کے ہو گئے اور اس کے ساتھ ہو گئے۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کس طرح ان کا مددگار بن گیا، ان کے مہمات میں کفایت فرمائی اور ان کے غم کو اُن سے دور کیا وہ لوگ رزق کا اہتمام چھوڑ کر اس کے احکام میں یہ یقین کر کے لگ گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خود ان کے حوالے نہ کرے گا اور اپنے فضل سے ان کو محروم نہ رکھے گا، سو یہ لوگ راحت میں داخل ہو گئے اور جنت تسلیم ولذت تفویض میں واصل ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کا مرتبہ بلند کیا اور ان کے انوار کو کامل فرمایا اور وہ لوگ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان سے حساب بھی اٹھا لے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

سبعون الفامن امتی یدخلون الجنت بغیر حساب من هم یارسول اللہ قال هم الذین لا یرقون ولا یشرقون ولا تبطیرون وعلی ربهم یتوکلون.

ستر ہزار آدمی میری امت میں سے بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور بد شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اور ایسے شخص کا کیا حساب ہو جس کے پاس اپنا کچھ نہ ہو اور ایسے شخص کے فعل سے کیا سوال ہو جو مشاہدہ کرتا ہو کہ میرا کچھ فعل ہی نہیں، حساب تو مدعیوں سے ہوگا اور مناقشہ غافلوں سے ہوگا، جو سمجھ رہے ہیں کہ ہم مالک ہیں یا اللہ کے آگے کچھ کر سکتے ہیں اور جس شخص نے اللہ پر یقین و توکل کر کے ذخیرہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے رزق خوشگوار بھیجتا ہے اور اس کے دل میں غنا پیدا کرتا ہے۔

ایک عارف کا قصہ معرفت: کوئی عارف مفلس ہو گیا اس نے اپنی بیوی سے کہا جو کچھ گھر میں ہے سب نکال کر خیرات کر دے، اُس نے ایسا ہی کیا۔ مگر ایک چکی رہنے دی اور اپنے دل میں سوچا کہ شاید اس کی ضرورت ہو اور پھر ایسی نہ ملے فوراً کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ یہ گیہوں شیخ کیلئے آئے ہیں، تمام صحن گیہوں سے بھر گیا۔ جب عارف واپس آئے اور دیکھا کہنے لگے کہ تو نے سب چیزیں گھر میں سے نکال دیں تھیں؟ وہ بولی کہ ہاں ایک چکی رکھ لی تھی، اس خیال سے کہ شاید اس کی ضرورت ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ: اگر چکی بھی نکال دیتی تو آٹا آتا، مگر تو نے چکی رہنے دی ایسی چیز آئی جس سے تو تھکے۔ اگر یہ سابقین ذخیرہ کرتے ہیں تو اپنے لئے نہیں امانت کے طور پر رکھتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ تحویلدار اور امانت دار اور غلامان خاص ہیں۔ اگر دنیا کو رکھتے ہیں تو حق سے رکھتے ہیں، حق سے دیتے ہیں اور جو حق سے دنیا رکھے وہ رتبے میں اس سے کم نہیں جو حق سے خرچ کرے اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے آگے مالک ہیں، بلکہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں، اور نیابتہً اس میں تصرف کرتے ہیں۔ وہ یہ حکم سن چکے ہیں۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ

یعنی خرچ کرو اس چیز سے جس میں تم کو نائب بنایا ہے۔

پس انھوں نے یقین کر لیا کہ اللہ کے آگے ان کی ملک نہیں بلکہ صرف ایک نسبت ہے جو تیری طرف اضافت کی گئی ہے اور ایک ضیافت احسانی ہے جس سے تجھ پر منت رکھی تا کہ تیرا امتحان کرے۔ حالانکہ وہ علیم خبیر ہے کہ تو کیا عقیدہ رکھتا ہے آیا اس کے ظاہر پر رہ جاتا ہے یا اس کے باطن کی طرف پہنچتا ہے۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ کے رو برو ان کی کسی شے میں کوئی ملک نہیں ہوتی کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو، زکوٰۃ تو اس چیز کی واجب ہوتی ہے جو تیری ملک میں ہو، وہ حضرات تو اپنے اموال کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں۔ خرچ کے وقت خرچ کرتے ہیں اور بے موقع نہیں دیتے دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس لئے ہے کہ دینے والے سے جو گناہ وغیرہ ہو گیا ہے اس سے پاکی اور صفائی ہو جائے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَيُزَكِّيهِمْ بِهَا

یعنی ان کے مالوں سے صدقہ لو کہ ان سے ان کو پاک اور صاف کر دوں۔

انبیاء علیہم السلام آلودگی سے پاک ہیں بوجہ معصوم ہونے کے۔ اور اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے نابالغوں پر زکوٰۃ واجب نہیں بتلائی۔ کیونکہ آلودگی گناہ سے ہے گناہ تو بعد مکلّف ہونے کے ہوتا ہے۔ اور مکلّف ہونا بعد بلوغ کے ہے، اس مقام میں ارشاد نبوی کو سمجھو۔

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَآءِ لَانُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ

یعنی ہم لوگ جو انبیاء ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا جو ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

جو بات ہم نے ذکر کی ہے وہ اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور جو ہم نے تقریر کی ہے وہ اس سے واضح ہوتی ہے اور اہل معرفت جو اس کی احدیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں جب ان کا یہ حال ہے کہ اللہ کے سامنے اپنی ملک نہیں سمجھتے، تو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی نسبت کیا سمجھنا، چاہئے کہ اہل توحید و معرفت انھیں کے دریاؤں سے چلو لیتے ہیں اور ان کے انوار سے مستفید ہوتے ہیں۔

حکایت ائمہ رح: حکایت ہے کہ امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما دونوں بیٹھے تھے یکا یک شیبان راعی آ پہنچے، امام احمد نے امام شافعی سے کہا کہ ان کی بڑی شہرت ہے، کچھ ان سے پوچھوں۔ امام شافعی نے فرمایا ایسا مت کرو، امام احمدؒ نے فرمایا ضرور پوچھنا چاہئے۔ پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا شیبان تم اس آدمی کے حق میں کیا حکم دیتے ہو جو چار رکعت میں چار سجدہ بھول گیا، فرمانے لگے اے احمد! یہ دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اس کو سزا دینا چاہئے۔ پس امام احمد یہ سن کر بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو کہنے لگے اس شخص کے حق میں کیا حکم لگاتے ہو جس کے پاس چالیس بکریاں ہوں ان کی زکوٰۃ کس قدر ہے؟ فرمانے لگے کہ ہمارے مذہب پر یا تمہارے مذہب پر، امام احمد نے کہا کیا اس میں دو مذہب ہیں؟ فرمایا ہاں دو مذہب ہیں تمہارے مذہب پر تو چالیس بکریوں پر ایک بکری ہے اور ہمارے مذہب پر یہ ہے کہ غلام آقا کے ہوتے ہوئے کسی شئے کا مالک نہیں ہوتا۔ (بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی تین قسم ہیں عوام کیلئے چہارم خواص کے حق میں نصف)

حضور کے مال جمع کرنے کی وجہ

حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سال کے گزارے کے لائق ذخیرہ رکھا ہے۔ سو یا تو وہی بات ہے جو ہم نے پہلے کہی ہے کہ انبیاء کا ذخیرہ کرنا بطور امانت کے ہوتا ہے کہ وہ ایسا وقت تجویز کیا کرتے ہیں جس میں خرچ کر دینا مناسب ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے عیال کیلئے ذخیرہ رکھا تھا یا یہ وجہ ہے کہ امت کیلئے ذخیرہ رکھنے کا جواز بیان فرمائیں، کیونکہ جب ذخیرہ پر بھروسہ نہ ہو تو منافی توکل نہیں اور دلیل اس کی کہ رسول اللہ ﷺ کا بیان جواز امت کیلئے تھا۔ یہ کہ آپ ﷺ کی غالب حالت یہی ہے کہ ذخیرہ نہیں۔ رکھا تو صرف اس لئے ذخیرہ رکھا کہ امت پر وسعت اور رحمت اور ضعفائے امت پر شفقت ہو کیونکہ اگر آپ ﷺ ذخیرہ نہ فرماتے تو کسی مومن کو آپ کے بعد ذخیرہ کرنا جائز نہ ہوتا۔ سو آپ ﷺ نے یہ اس

لئے کیا کہ اس کا حکم بیان فرمائیں۔ اور ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

انی لا نسی او انسی لامن

کہ میں اسلئے بھول جاتا ہو یا بھلایا جاتا ہوں تا کہ قاعدہ مقرر کروں۔

سو آپ نے ظاہر فرمادیا کہ بھولنا میری صفت اور شان نہیں ہے صرف اس لئے نسیان واقع ہوتے ہیں کہ امت کیلئے اس کا حکم اور جو اس کے متعلق ہو ظاہر فرمائیں۔ خوب سمجھ لو حدیث پاک کو۔

طالب علم کا رزق اور علم کی تعریف

یہ جو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ طالب علم کے رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ لفظ جہاں کہیں قرآن وحدیث میں آیا ہے اس سے مراد علم نافع ہے جس کے ساتھ خوف وخشیت مقرون (اللہ کا خوف ضروری) ہو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

اِنَّمَآ یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا

یعنی اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ علم کو خوف لازم ہے اس سے مفہوم ہوا کہ علماء وہی ہیں جو ڈرتے ہیں۔ اسی طرح یہ آیتیں: قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُو الْعِلْمَ ۝ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ ۝ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ اور یہ حدیثیں: اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا. بِطَالِبِ الْعِلْمِ. اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ اور اس مقام پر جو حدیث ہے: طَالِبُ الْعِلْمِ تَکَفَّلَ اللّٰہُ بِرِزْقِہٖ ان سب احادیث میں علم نافع مراد ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا کلام اس سے برتر ہے کہ وہ کسی معنی پر محمول کیا جائے ہم نے اس کو اور کتاب میں بیان کیا ہے اور علم نافع وہ ہے جو اطاعت الٰہی پر معین ہو اور خشیت الٰہی اور حفظ حدود کو تجھ پر لازم کرے اور یہ علم معرفت ہے اور علم نافع علم ذات وصفات اور علم احکام کو بھی شامل ہے۔ جب اللہ کیلئے سیکھے، پس یہ جو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ طالب علم کی روزی کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذمہ کیا ہے کہ اس کو رزق پہنچائے گا خوشگواری سے اور عزت سے اور سالم رکھے گا

حجاب سے۔ اور ہم نے یہ تاویل کیوں کی اور کفالت کو ایک خاص طرح کی کفالت کیوں لیا؟ وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تو سبھی کی روزی کا ذمہ دار ہے، خواہ علم طلب کریں یا نہ کریں۔ اس سے معلوم ہو کہ یہ کفالت کوئی خاص کفالت ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا کیونکہ اس کو جداگانہ بیان کیا۔

شیخ کی دعا اور طلب رزق: اسی وجہ سے شیخ ابوالعباسؒ نے اپنی حزب میں جہاں بہت سی چیزوں کی دعا کی ہے کہ ہم کہ فلاں فلاں چیز عطا فرما۔ وہاں یہ بھی کہا:

وَالرِّزْقَ الْهَنِيَّ الَّذِیْ لَا حِجَابَ بِهٖ فِی الدُّنْيَا وَلَا سُوَالَ وَلَا حِسَابَ وَلَا عِقَابَ عَلَيْهِ فِی الْاٰخِرَةِ عَلٰی بِسَاطِ عِلْمِ التَّوْحِيْدِ وَالشَّرْعِ سَالِمِيْنَ مِنَ الْهَوٰی وَالشَّهْوَةِ وَالطَّبْعِ.

یعنی ہم کو رزق خوشگوار عطا فرما جس سے دنیا میں حجاب نہ ہو اور آخرت میں اس پر سوال وحساب وعذاب نہ ہو اس حال میں کہ ہم مقام حقیقت وشریعت پر قائم رہیں اور حرص وشہوت وتقاضائے طبع سے سالم رہیں۔

سو انھوں نے اللہ سے رزق خوشگوار مانگا اور وہ رزق وہ ہے جس کی کفالت طالب علم کیلئے ہوئی ہے پھر اس کی تفسیر یوں کی کہ اس سے دنیا میں حجاب نہ ہو اور آخرت میں حساب نہ ہو۔ کیونکہ جس سے دنیا میں حجاب ہو جائے اس میں کچھ خوشگواری نہیں، کیونکہ حجاب موجب دلشکنی ہے کہ حضوری سے محرومی ہو اور مواجہت (باری تعالیٰ کی معرفت واستحضار) سے دوری نہ کہ جیسا عوام سمجھتے ہیں کہ خوشگوار رزق وہ ہے جو بے محنت اور بے مشقت مل جائے۔ سو خوشگواری غافلین (دنیا والے) کے نزدیک باعتبار بدن کے ہے اور اہل فہم (اللہ والے) کے نزدیک باعتبار قلوب کے اور حجاب جو رزق سے ہو جاتا ہے اس کی دو وجہ ہیں، یا تو اسباب میں پڑ کر اللہ سے غفلت ہو جاتی ہے، یا اس کے برتنے میں یہ قصد نہیں ہوتا کہ اطاعت خداوندی پر قوت حاصل کریں۔ سو اول تو حصول میں حجاب ہے اور دوسرا استعمال میں۔

نعمتوں کا حساب وسوال

یہ جو شیخ نے فرمایا کہ اس پر سوال وحساب وعذاب آخرت میں نہ ہو، سو سوال تو نعمتوں کے حقوق سے ہوتا ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ○

یعنی پھر تم پوچھے جاؤ گے اس روز نعمت سے۔

رسول اللہ ﷺ نے اور بعض صحابہؓ نے کچھ کھانا نوش جان فرمایا پھر ارشاد ہوا: واللہ تم آج کی نعمت سے سوال کئے جاؤ گے اور شیخؒ فرماتے تھے کہ سوال دو قسم ہے ایک سوال تشریف یعنی واسطے اظہار شرف کے اور دوسرا تعنیف یعنی واسطے لعنت وملامت کرنے کے۔ سو اہل اطاعت ومستحقان عنایت سے تو سوال تشریف ہوگا اور اہل غفلت واعراض سے سوال تعنیف اور اس بات کو سمجھ اللہ تجھ پر رحم کرے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اگرچہ صادقین کے اخبار اور پوشیدہ اسرار پر مطلع ہے۔ مگر پھر بھی ان سے سوال فرمائے گا تا کہ ان کا مرتبہ اور صدق اور لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے اور اُن کی خوبیاں قیامت میں کھول دے جیسا آقا اپنے غلام سے پوچھے تم نے فلاں فلاں مقدمے میں کیا کیا اور خود واقف ہے کہ اس کو خوب عمدہ پختہ کیا ہے مگر منظور یہ ہے کہ حاضرین بھی جان لیں کہ غلام اس مولیٰ کے حکام کو کیسے اہتمام سے بجالایا اور مولیٰ کو اس کے حال پر کیسی عنایت ہے۔ اور جو شیخ کا قول ہے کہ حساب نہ ہو سو حساب نتیجہ سوال کا ہے جب سوال سے سالم رہیں گے حساب سے بھی سالم رہیں گے اور جب ان دونوں سے سالم رہے تو عقوبت سے سالم رہے سو اگرچہ یہ مضامین باہم لازم وملزوم تھے۔ مگر پھر بھی شیخ نے ان کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ رزق خوشگوار میں کتنی نعمتیں ہیں کہ اگر ان میں ایک بھی ہوتی تب بھی قابل طلب کرنے کے تھی۔

رزق کے ساتھ مقام توحید یعنی دنیا کے ساتھ دین

جو شیخ نے یہ کہا کہ ہم توحید وحقیقت پر قائم ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ تیری

رزق دی ہوئی چیز میں تجھ کو مشاہدہ کروں اور تیری کھلائی ہو چیز میں تجھ کو دیکھوں اور کسی کا مجھ کو مشاہدہ نہ ہو دوسرے کی طرف اس کی نسبت نہ کروں، اور اہل اللہ کی یہی حالت ہے کہ اللہ ہی کے خوان پر کھاتے ہیں خواہ ظاہر میں ان کو کوئی کھلائے۔ کیونکہ ان کو یقین ہے کہ اللہ کے آگے کوئی مالک نہیں اس یقین کے باعث اُن کے قلوب سے مخلوقات کا مشاہدہ جاتا رہتا ہے۔ پس غیر اللہ کیلئے اپنی محبت کو صرف نہیں کرتے اور کسی کی طرف اپنی مودت کو متوجہ نہیں کرتے کیونکہ دیکھ رہے ہیں کہ وہی ان کو کھلاتا ہے اور اپنے فضل سے دیتا اور خاطر کرتا ہے۔

شیخ کا ارشاد: شیخ ابوالحسنؒ نے ایک روز فرمایا کہ ہم کو سوائے اللہ کے کسی سے محبت نہیں یعنی ہماری محبت مخلوق کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ ایک شخص بولا کہ حضرت آپ کے دادا نے اس کا انکار کیا ہے بدلیل اس حدیث کے جبلت القلوب علی حب من احسن الیھا۔ یعنی قلوب میں یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ محسن نہیں سمجھتے اس لئے ہمارے قلوب میں اسی کی محبت پیدا ہوئی اور جو شخص یہ سمجھے گا کہ اللہ ہی کھانے کو دیتا ہے سو جس قدر نعمتیں نئی نئی ملتی جائیں گی اسی قدر اللہ کی محبت زائد اور روز بروز تازہ ہوتی جائے گی۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی محبت کرو چونکہ تم کو اپنی نعمتیں کھلاتا ہے اور اس کا بیان پہلے گذر چکا اور جو شخص یہ سمجھے گا کہ اللہ ہی کھانے کو دیتا ہے یہ مراقبہ اس کو مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے سے اور غیر خدا کی طرف محبت کے ساتھ قلب کے مائل ہونے سے محفوظ رکھے گا۔ کیا تم نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قول نہیں سنا؟:

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝

یعنی ایسا اللہ کہ وہی کھلاتا ہے مجھ کو اور پلاتا ہے مجھ کو۔

سو انہوں نے اسی امر سے اللہ تعالیٰ کے منفرد ہونے کی گواہی دی اور اس کے واحد ہونے کا اقرار کیا۔

مکار صوفی کا حال: یہ جو شیخ نے کہا کہ توحید کے ساتھ شریعت پر بھی قائم رہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص اطلاق توحید میں چل نکلتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مالک اللہ

ہی ہے اور کسی کی ملک ہی نہیں اور ظاہر شریعت کا پابند نہیں رہتا ایسا شخص اپنے کو دریائے زندیقی میں ڈال دیتا ہے اور اس کا حال اس پر وبال ہو جاتا ہے۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ حقیقت کے ساتھ موئد ہو شریعت کا مقید ہو اور محقق ایسا ہی ہوتا ہے نہ تو حقیقت کے ساتھ چھٹا چلا جائے نہ صرف ظاہر نسبت شریعت کیساتھ ٹھہر جائے اس کے درمیان میں رہے۔ سو ظاہر نسبت جو ملک کی مخلوقات کی طرف ہے اس پر ٹھہر جانا شرک ہے۔

ف: یعنی اصطلاح حقیقت میں اور حقیقت کے ساتھ چل نکلنا کہ شرع کی پابندی نہ رہے معطل ہو جانا ہے اور اہل ہدایت کا مقام دونوں کے۔۔۔درمیان ہے جیسا گوبر اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ نکلتا ہے کہ پینے والوں کے گلے میں اترتا چلا جاتا ہے۔

رزق اور اس کے اثرات وکیفیات

اور جاننا چاہیے کہ مقدمہ رزق میں بہت سے امور وارد ہوتے ہیں اور بہت سے عوارض پیش آتے ہیں اور شیخؒ نے ان میں سے بہت سے اس اپنے قول میں بیان کئے ہیں۔

اَمُرَھٰذَا الرِّزْقِ وَاعصمنی مِنَ الْحِرْصِ والتَّعُبِ فِیْ طَلْبِہٖ وَمِنْ شغلِ الْقَلْبِ وَتَعَلّقُ الْھَمِّ بِہٖ وَمِنَ الذُّلِّ لِلْخلقِ بِسَبَبِہٖ وَمِنَ التَّفکّرُ وَالتَّدْبِیرِ فِی تَحْصِیْلِہٖ وَمِنَ الشُّحِّ وَالْبُخلِ بَعْدَ حُصُوْلِہٖ.

یعنی یا اللہ مسخر کر دے میرے لئے قصہ اس رزق کا اور بچا مجھ کو حرص سے اور اس کی طلب میں مشقت سے اور اس کے ساتھ قلب کے مشغول ہونے سے اور اس کی تحصیل میں فکر و تدبیر کرنے سے اور بعد حاصل ہونے کے حرص و بخل سے۔

اور عوارض جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں کچھ منحصر نہیں کہ پورے بیان کئے جائیں۔ سو ہم بھی صرف شیخ کے مضامین پر گفتگو شروع کرتے ہیں۔ سو جاننا چاہئے کہ رزق کی نسبت بندے کی تین حالتیں ہیں: ایک تو ملنے سے پہلے یہ تو حالت

سعی کی ہے۔ دوسری حالت اس کے بعد یہ حصول کی حالت ہے۔ تیسری حالت اس کے گزرنے کے بعد یعنی وہ رزق جب ختم ہو چکے۔ سو جو حالت قبل حصول پیش آتی ہے وہ حرص ہے اور طلب میں مشقت اٹھانا اور اس کے ساتھ قلب کا مشغول ہونا اور اس کے ساتھ فکر کا متعلق ہونا اور اس کے سبب مخلوق کے روبرو ذلت اٹھانا اور اس کی تحصیل میں فکر و تدبیر کرنا۔ سو حرص کی حقیقت تو یہ ہے تحصیل رزق سے نفس کے ساتھ ایک رغبت قائم ہو اور اس پر بالکل اوندھا ہو جائے اس کا منشاء ہے یقین نہ ہونا اور یقین کا ضعیف ہونا اور ان دونوں کا منشاء ہے نور نہ ہونا اور اس کا منشاء وجود حجاب ہے۔ کیونکہ اگر قلب انوار مشاہدہ سے معمور ہوتا اور رمنت الٰہی اس کو گھیرے ہوتی تو اس پر واردات حرص نہ آتی اور اگر نور یقین قلب پر پھیلا ہوتا تو اس کو قسمت سابقہ مکشوف ہو جاتی تو حرص ممکن نہ ہوتی اور یہ شخص یقین کر لیتا کہ اللہ کے پاس میری قسمت کا رزق ہے ضرور میرے پس پہنچائے گا اور تعب کرنا طلب رزق میں دو قسم ہے یا تو تعب جسمانی یا تعب روحانی اگر تعب جسمانی ہے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہئے۔ کیونکہ جب طالب رزق پر تعب جسمانی (جسمانی مشقت) غالب ہوتا ہے اس کہ بجا آوری احکام سے باز رکھتا ہے اور راحت کے ساتھ جو رزق ملتا ہے اس میں فرصت اطاعت اور بجا آوری خدمت سہل ہے اور اگر تعب روحانی ہے تو اس سے اور بھی زیادہ پناہ مانگنا چاہئے وجہ اس کی یہ ہے کہ تعب روحانی اس سے ہوتا ہے کہ طلب رزق میں کلفت اٹھائے اس میں فکر کرے اور اس کا بوجھ اس کو گرانبار کر دے اور راحت بغیر توکل میسر نہیں ہوتی کیونکہ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بوجھ کو اتار دیتا ہے اور اس کے عوض خود اٹھالیتا ہے جیسا فرمایا۔

وَمَنۡ یَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ

پھر شیخ نے دعا میں کہا کہ قلب کے مشغول ہونے اور اس میں فکر کے متعلق ہونے سے بچا سو قلب کا قصہ رزق کے ساتھ مشغول ہونا حجاب عظیم ہے۔

یہاں تک کہ شیخ ابوالحسنؒ کا قول ہے کہ اکثر جس نے مخلوق کو محجوب کر رکھا ہے

وہ دو چیزیں ہیں۔ فکر رزق اور خوف خلق اور دونوں میں فکر رزق بڑا حجاب ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ خوف خلق سے فارغ ہیں مگر فکر رزق سے بہت ہی کم خالی ہیں، خصوصاً ایسی حالت میں کہ احتیاج تیرے وجود کے ساتھ قائم ہے اور تو ایسی چیز کا محتاج ہے کہ تیری ترکیب کو قائم رکھے اور تیری قوت کو مضبوط کرے۔ اور یہ جو شیخ نے کہا کہ فکر متعلق ہونے سے بچا اس سے مراد یہ ہے کہ رزق کے ساتھ ہمت اس قدر متوجہ ہو کہ اس میں استغراق کی نوبت آ جائے یہاں تک کہ اور کسی شے کی گنجائش نہ رہے، اور یہ وہ حالت ہے کہ دوری کی موجب ہے اور نور وصال کو تاریک کر دیتی ہے اور بآواز بلند کہتی ہے کہ اس حالت والے کا قلب نور یقین سے اجڑ گیا اور قوت و تمکین سے مفلس ہو گیا اور یہ جو کہا کہ رزق کے باعث مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے سے بچا۔ سو جاننا چاہیے کہ جس شخص کا یقین ضعیف ہو اور دولت عقل سے کم نصیب ہو اس کیلئے ذلت ضروری ہے، کیونکہ اس کو مخلوق سے طمع ہو گی خالق پر یقین نہ ہو گا۔ وجہ اس کی یہ ہے اس نے قسمت ازلی کو نہ دیکھا اور اس کے صادق الوعدہ ہونے کا یقین اس کو نصیب نہیں ہوا، اس لئے مخلوق کے آگے تملق کر کے ذلیل ہوا اور ان کو لو لگا کر ان کو لپٹا اور یہ اس کی سزا ہے کہ اللہ سے غافل ہوا اور آخرت میں جو سزا ہو گی وہ اور بھی سخت ہے۔ اور اگر اس شخص کا ایمان اور توکل صحیح ہوتا تو یہ اس سے معزز ہوتا۔ فرمایا اللہ نے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

یعنی اللہ ہی کی عزت ہے اور رسول کی اور مومنین کی۔

سو مومن اپنے رب سے عزت حاصل کرتا ہے اور کسی سے عزت نہیں لیتا کیونکہ یقین رکھتا ہے کہ عزت سب اللہ ہی کی ہے اور وہی عزت والا ہے اس کے سامنے کوئی عزت والا نہیں اور وہی عزت دینے والا ہے، کوئی دوسرا عزت دینے والا نہیں۔ سو اس شخص کو اعتماد نے عزت دی اور توکل نے حمایت کی پس اس کو خواری نہیں کیونکہ اس کو اپنے رب پر اپنی قسمت پر سچا بھروسہ ہے، اور اس کو غم نہیں کیونکہ

اللہ کی منت پر اس کو پورا اعتماد ہے اور وہ اس ارشاد خداوندی کو سن رہا ہے:

وَلَا تَهِنُوْ وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥

یعنی نہ ذلیل ہو نہ مغموم ہو تم ہی اونچے رہو گے اگر ایمان دار ہو۔

سو مومن کی عزت اس میں ہے کہ مخلوق سے طمع نہ کرے اور بادشاہ حقیقی پر یقین کرے اس کا ایمان نہیں مانتا کہ وہ اپنی حاجت غیر رب کی طرف لے جائے یا اپنے قلب کو ماسوا کی طرف متوجہ کرے، اسی لئے بعضوں نے کہا ہے۔

ہو جو مومن اس کو قطعاً ہے حرام	رکھے اوروں سے جو امید عطا
ٹھہر جا اے یار اور کر ذکر حق	ہو فنا اس میں اس میں ہو بقاء
ملک گیری بادشاہوں کو ہو نصیب	یہ وہ شاہی ہے نہیں جس کو فنا

جس شخص کو اللہ نے طمع کی غلامی سے آزاد کیا ہو اور تقویٰ کی عزت دی ہو اس پر بڑا احسان فرمایا اور اس پر کامل انعام کیا اور یوں جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو متعدد خلعت عنایت کئے، خلعت ایمان، خلعت معرفت، خلعت اطاعت، خلعت سنت، تو مخلوق سے طمع کر کے اور غیروں کا آسرا لگا کر ان کو میلا نہ کر۔

شیخ کا ایک خواب: شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، ارشاد فرمایا: اے علی اپنے کپڑے میل کچیل سے صاف رکھ، ہر دم تجھ کو اللہ کی مدد پہنچے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے کپڑے کون سے ہیں؟ فرمایا: جان کہ اللہ تعالیٰ تجھ خلعت ایمان، خلعت معرفت، خلعت توحید، خلعت محبت، عنایت فرمایا ہے۔ شیخ کہتے ہیں اس وقت میری سمجھ میں اس آیت کے معنی آئے: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ٥ پس جو شخص اللہ کو پہچانے گا، اس کی نظر میں سب چیزیں چھوٹی معلوم ہوں گی اور جو اللہ سے محبت رکھے گا اس کے روبرو سب چیزیں بے قدر ہو جائیں گی۔ اور جو شخص اللہ کو واحد سمجھے گا وہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے گا، اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا وہ ہر بلا سے مامون رہے گا، اور جو اللہ کا مطیع ہوگا، اس کی نافرمانی نہ کرے گا اور اگر نافرمانی ہوگی تو عذر کرے گا اور عذر کرے گا

تو مقبول ہوگا۔

صوفی کیلئے ہدایت: جان تو تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ سالک آخرت کو مخلوق سے امید اٹھانا اور ان سے کچھ واسطہ نہ رکھنا ایسی زینت ہے کہ دلہن کیلئے زیور بھی نہیں اور ان لوگوں کو اس امر کی اس سے بھی زیادہ حاجت ہے، جیسے جان کو پانی کی اور جس شخص کو شاہی خلعت پہنایا جائے اور وہ اس کو محفوظ رکھے تو زیبا ہے کہ ہمیشہ اس کے پاس رہے اور اس سے نہ چھینا جائے اور جو خلعت عنایت کو میلا کر دے تو مناسب ہے کہ اس کے پاس نہ رہنے دیں۔ سوا ے بھائی! اپنے ایمان کو طمع مخلوق سے میلامت کر اور سوائے رب العالمین کے کسی پر اعتماد مت کر، اگر تو اللہ سے عزت حاصل کرے گا تو اس کے دوام سے تیری عزت بھی دائم رہے گی اور اگر غیر سے عزت حاصل کی تو چونکہ اسے دوام نہیں عزت بھی دائم نہ ہوگی ایک فاضل نے مجھے شعر سنایا۔

مانگ عزت رب سے جس کو ہو قرار　　　مردے کی عزت ہے سب ناپائدار

ایک عارف کا قول معرفت: کوئی شخص کسی عارف کے پاس روتا ہوا گیا انہوں نے وجہ پوچھی کہنے لگا میرا استاد مر گیا۔ عارف نے فرمایا کہ تو نے ایسے کو کیوں استاد بنایا جو مر گیا (یعنی آدمی کو کیوں استاد بنایا حی لایموت کو بنانا تھا) اور تجھ سے کہا جاتا ہے کہ جب تو غیر اللہ سے عزت ڈھونڈے گا نہ پائے گا اور جب غیر کا سہارا چاہے گا نہ ملے گا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو فرمایا تھا کہ: اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو لگا بیٹھا تھا ہم اس کو جلائیں گے، پھر اس کی راکھ دریا میں اڑادیں گے، تمہارا معبود تو وہ ہے جس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں، گھیر لیا اس نے ہر چیز کو علم سے۔

حیات ابراہیمؑ کا سبق: اے شخص ابراہیمی بن جا تیرا باپ ابراہیم علیہ السلام لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ٥ فرمارہے ہیں یعنی میں فانیوں سے محبت نہیں کرتا اور اللہ کے سوا سب فانی ہیں یا بالفعل یا بالامکان اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا حکم ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام یعنی اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کر۔ سو مومن پر واجب ہے کہ ملت

ابراہیمی کا اتباع کرے اور ملت ابراہیمی میں سے یہ بھی ہے کہ اپنی امید خلقت سے اٹھائے، کیونکہ وہ جس روز منجنیق میں بٹھلا کر دور سے آگ میں پھینکے گئے ہیں جبرئیل علیہ السلام نے کچھ ذکر چھیڑا آپ نے یہی فرمایا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے، انہوں نے کہا خیر اللہ ہی سے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کا علم میرے سوال سے کفایت کرتا ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے مخلوق سے اپنی ہمت کو کس طرح بلند رکھا اور اس کو بادشاہ حقیقی کی طرف متوجہ کیا نہ جبرئیل علیہ السلام سے مدد چاہی نہ دعا پر حوالہ رکھا بلکہ حق تعالیٰ کو جبرئیل اور دعا دونوں سے قریب تر دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو نمرود اور اس کی عقوبت سے بچالیا اور اپنے عطاو فضل سے ان پر انعام کیا اور توجہ کے ساتھ ان کو مخصوص فرمایا اور منجملہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے غافل کرے اس سے عداوت کرے اور ہمت کو اللہ کی طرف متوجہ کر دے۔ جیسا کہ ان کا قول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

یعنی سوا رب العالمین کے سب سے میری عداوت ہے۔

مالدار ہونے کا مجرب نسخہ کیمیا

غنا کی راہ اگر چاہتے ہو تو وہ اس میں ہے کہ لوگوں سے امید قطع کر دے اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ میں خود اس سے مایوس ہو چکا ہوں کہ میں اپنے کو نفع پہنچاؤں تو اس سے کیوں نہ مایوس ہوں گا کہ اور کوئی مجھ کو نفع پہنچائے اور اللہ سے اوروں کیلئے امید رکھتا ہوں تو اس سے اپنے لئے کیسے امید نہ رکھوں، یہی بڑی کیمیا اور اکسیر ہے کہ جس کو مل گئی اس کو ایسی تونگری حاصل ہوگئی جس میں محتاج ہی نہیں اور وہ عزت ملی جس میں ذلت نہیں اور وہ خرچ ملا جس کا خاتمہ نہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی کیمیا ہے جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے۔

شیخ کا واقعہ: شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص میرے ساتھ ہوا اور مجھ کو گراں معلوم ہوتا تھا میں نے اس کو بے تکلف کیا۔ وہ بے تکلف ہو گیا، میں نے اس سے

پوچھا: اے صاحبزادے! تم کو کیا حاجت ہے اور تم میرے ساتھ کیوں ہوئے؟ کہنے لگا حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ کیمیا جانتے ہیں، میں اس لئے ساتھ ہوا ہوں کہ اس کو سیکھوں۔ میں نے اس سے کہا تو سچا ہے اور جس نے تجھ سے کہا وہ بھی سچا ہے، مگر خیال کرتا ہوں کہ تو اس کو قبول نہ کرے گا۔ کہنے لگا: کیوں نہیں ضرور قبول کروں گا، میں نے کہا کہ میں نے جو مخلوق کو دیکھا وہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک دشمن، دوسرا دوست، دشمنوں کو جو خیال کیا تو یقین کیا کہ بے حکم خداوندی کے ایک کانٹا بھی نہیں چبھا سکتے۔ میں نے اپنی نظر ان سے ہٹالی۔ پھر دوستوں سے تعلق کیا تو ان کو دیکھا کہ وہ بھی بے حکم خدا مجھ کو ذرہ برابر نفع نہیں پہنچا سکتے۔ ان سے بھی قطعی ناامیدی کر لی اور اللہ کے ساتھ تعلق کیا، تو مجھ سے کہا گیا کہ اس امر کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ ہمارے معاملہ میں بالکل شک نہ رہے اور غیر سے بالکل مایوس نہ ہو جائے کہ وہ قسمت کے علاوہ تجھ کو کچھ دے سکے۔

عمل خیر کی کسوٹی اور اثر: ایک مرتبہ فرمایا اس وقت بھی کسی نے کیمیا پوچھی تھی فرمایا اپنے قلب سے طمع کو نکال دے اور اس سے قطعاً ناامید ہو جا کہ قسمت سے زائد کچھ مل سکے اور یہ جامعہء بندگی نہیں کہ عمل بہت سے ہوں وظائف پر دوام کرے، بلکہ اس کی نورانیت کی دلیل تو یہ ہے کہ اپنے رب کے ساتھ اوروں سے غنی ہو اور اپنے قلب سے اس کا مقید ہو جائے اور غلامی طمع سے بچے اور زینت تقویٰ سے آراستہ ہو، اور اسی سے اعمال میں خوبی اور احوال میں صفائی آتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

یعنی ہم نے زمین پر کی چیزیں اس کی سجاوٹ بنائیں تا کہ ہم جانچیں کہ ان میں کون اچھے عمل والا ہے۔

پس اعمال کی خوبی اس سے ہے کہ اللہ کی طرف کی سمجھ ہو اور سمجھ وہی ہے کہ اللہ کے ساتھ غنا حاصل ہو اسی پر اکتفا کرے، اسی پر بھروسہ ہو، اسی سے حاجت پیش

کرے، اسی کے روبرو ہمیشہ رہے، یہ سب ثمرے اسی کے ہیں کہ اللہ کی طرف کی سمجھ ہو اور پرہیز گاری کو اپنے نفس میں اوصاف سے زیادہ ڈھونڈھا کر، اور مخلوق سے طمع رکھنے سے پاک رہ کیونکہ طامع مخلوق (مخلوق سے امید رکھنے والا) اگر سات دریاؤں سے پاک ہونا چاہے تو کوئی چیز اس کو پاک نہیں کرسکتی، بجز اس کے کہ ان سے مایوس ہو اور ان سے اپنی ہمت بلند رکھے۔

حضرت علیؓ کا وعظ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں تشریف لائے، جامع مسجد میں آ کر واعظوں کو دیکھا کہ وعظ کہہ رہے ہیں سب کو اٹھا دیا۔ یہاں تک کہ حسن بصری کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے نوجوان! میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ اگر جواب دے دیا تو تجھے رہنے دوں گا، نہیں تو تجھے بھی اٹھا دوں گا۔ جیسا اوروں کو اٹھا دیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر کچھ آثار رشد (بزرگی کی نورانیت) دیکھے تھے۔ حضرت حسن نے عرض کیا: پوچھئے جو آپ کا جی چاہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ بتلاؤ دین کی جڑ کیا ہے؟ کہا: پرہیز گاری۔ فرمایا: دین کی خرابی کیا چیز ہے؟ کہا: طمع۔ فرمایا: تو بیٹھا رہ تجھ جیسا شخص لوگوں کو وعظ کرسکتا ہے۔ میں نے اپنے شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میں اوائل زمانے میں حدود سکندریہ میں تھا، کسی شناسا کے پاس جا کر کوئی چیز آدھے درہم کو خریدی، پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید یہ شخص مجھ سے دام نہ لے، اسی وقت ایک ہاتف نے آواز دی کہ دین کی سلامتی اس میں ہے کہ مخلوق سے طمع نہ رکھی جائے، میں نے ان سے سنا ہے کہ طمع والا کبھی سیر نہیں ہوتا۔ طمع کے حرفوں کو دیکھو سب خالی ہیں طا میم عین۔ شیخ سعدی کا قول مشہور ہے۔

طمع را سہ حرفست و ہر سہ تہی   ازیں نیست مرطامعاں راہی

سوائے مرید! تجھ کو لازم ہے کہ مخلوق سے اپنی ہمت کو بلند رکھ اور مقدمہ رزق میں ان کے سامنے خوار مت بن، کیونکہ وہ...... تیرے وجود سے پہلے قسمت میں لکھا گیا اور تیرے ظہور سے پہلے ثابت ہو چکا۔

ایک بزرگ کا قول: ایک بزرگ کا مقولہ سن، اے مرد آدمی جو چیز تیری ڈاڑھوں کے چبانے کیلئے مقدر ہو چکی ہے وہ ڈاڑھیں ضرور اس کو چبائیں گی۔ سو کمبختی مارے، اس کو عزت سے کھا ذلت سے مت کھا۔ جاننا چاہیے کہ جو اللہ کو پہچانے گا اس کی ضمانت و کفالت پر یقین رکھے گا اور جب تک کہ اللہ کے پاس کی چیز پر اس سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جتنا اپنے پاس کی چیز پر ہوتا ہے، اور حق تعالیٰ کی ذمہ داری پر اس سے زیادہ یقین نہ ہو جتنا مخلوق کی ذمہ داری پر ہو جاتا ہے اس وقت تک بندے کی سمجھ کامل نہیں ہوتی اور جاہل ہونے کیلئے یہی بہت ہے کہ یہ حالت نہ ہو۔

اللہ والوں کے قصے رزق کے متعلق

کسی شخص نے ایک آدمی کو جو کہ عارف تھا دیکھا کہ ہر وقت جامع مسجد میں رہتا ہے باہر نہیں جاتا، اس شخص نے اس قدر اس کی پابندی سے تعجب کیا اور اپنے دل میں سوچا کہ یہ کہاں سے کھاتا ہے؟ وہ عارف اس شخص کے خطرے پر مطلع ہو کر ایک روز اس سے پوچھنے لگا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میرا کوئی دوست یہودی ہے اس نے مجھ سے دو روٹی روزانہ کا وعدہ کیا ہے وہ دے جاتا ہے، اس عارف نے کہا اے غریب تو نے اپنے لئے ایک یہودی کے وعدے پر یقین کیا اور میرے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین نہیں کیا، حالانکہ اس کا ایسا سچا وعدہ ہے جو کبھی خلاف نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا. وہ شخص شرما کر چلا گیا۔

کسی اور بزرگ کا قصہ ہے کہ چند روز کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ امام کو ان کے ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہنے اور اسباب کے چھوڑنے سے تعجب ہوا۔ پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ذرا ٹھہر جا میں پہلے اپنی نمازیں تو لوٹا لوں پھر بتلاؤں گا۔ کیونکہ میں ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتا جو اللہ میں

شک رکھتا ہو۔ اس بارے میں اور بہت سی حکایتیں ہیں۔

حضرت علی کا ارشاد: کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کو ایک کوٹھری میں بند کر کے اوپر سے گارا لیپ دیا جائے، تو اس کا رزق کہاں سے آئے گا؟ آپ نے فرمایا جہاں سے موت آئے گی۔ اس حجت کو دیکھ کیسی روشن ہے اور یہ دلیل کیسی واضح ہے اور یہ جو شیخ نے کہا کہ بچا ہم کو فکر و تدبیر کرنے سے، اس کے حاصل کرنے میں سو تفکر تو یہ ہے کہ اپنے دل میں یہ مضمون حاضر کرے کہ کوئی غذا ضرور چاہیے جس سے یہ جسم قائم رہے اور تدبیر یہ ہے کہ دل میں کہے کہ فلاں فلاں طریقہ سے رزق ملے گا۔ پھر کہے نہیں بلکہ فلاں فلاں اسباب سے میسر ہوگا اور یہی ادھیڑ بن یہاں تک بڑھے گا کہ نماز میں خبر نہ ہو کہ کتنی رکعت پڑھی اور تلاوتِ قرآن میں خبر نہ ہو کہ کیا پڑھا۔ پس وہ اطاعت جس میں تو لگا تھا مکدر ہو جائے اور اس کے انوال (عبادت کی نعمتیں) سے تو بے نصیب رہے اور اس کے اسرار سے تو محروم رہے، سو جب یہ خیال تجھ کو گھیرے تو کدال توکل سے اس کی بنا کو منہدم کر دے اور وجود یقین سے اس کو ریزہ ریزہ کر دے۔

جان تو تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ اللہ تعالیٰ تیری تدبیر کا انجام تیرے ہونے سے پہلے کر چکا ہے۔ اگر تو اپنے نفس کی خیر خواہی چاہتا ہے تو اس کیلئے تدبیر مت کر۔ کیونکہ اس کیلئے تیرا تدبیر کرنا ضرر ہے، کیونکہ اس تدبیر کے سبب سے تجھ کو تیرے ہی حوالے کر دیا جائے گا اور مدد لطف تجھ تک نہ پہنچے گی اور حق تعالیٰ ایماندار کو تدبیر اور مقابلہ تقدیر نہیں کرنے دیتا ہے۔ اگر تجھ کو یہ پیش آئے یا اس کا خطرہ آئے تو اس پر قائم مت رہ۔ کیونکہ نور ایمان اس کو نہیں رہنے دیتا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَo

یعنی ہمارے ذمے ہے حمایت ایمان والوں کی۔

اور فرمایا:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌo

بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو ناحق پر پس وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے پھر وہ جاتا رہتا ہے۔

یہ جو شیخ نے کہا کہ بعد حصول کے حرص و بخل سے بچا سو یہ دونوں عوارض بعد حصول کے ہیں اور یہ دونوں ضعفِ یقین اور بے اطمینانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس وقت حرص و بخل واقع ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں حرص و بخل دونوں کی مذمت فرمائی ہے۔ فرمایا:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○

یعنی جو شخص حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اس سے مفہوم ہوا کہ صاحب شُحّ کو فلاح نہیں یعنی اس کو نور نہیں اور فلاح نور کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حال میں فرمایا:

اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ○

یعنی وہ لوگ جو مال پر حریص ہیں یہ لوگ ایمان نہیں لائے پس اکارت کر دیئے اللہ نے ان کے کام۔

اور فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ اِلٰى قولِهٖ مُعْرِضُوْنَ○

اور فرمایا: وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ○

یعنی جو بخل کرتا ہے وہ حقیقت میں اپنے سے بخل کرتا ہے۔

کیونکہ نفع انفاق کا اسی کو ملتا تھا۔ (یعنی اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کیا کرتا تو خود ہی اس کا فائدہ اٹھاتا، خرچ نہ کر کے اپنا ہی نقصان کیا)۔

بخل کی قسمیں اور تعریفات

لفظ حرص و بخل تین قسم پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

اول قسم: یہ ہے کہ اپنے مال کو واجبات میں خرچ کرنے سے بخل کرے۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ مال میں ایسی جگہ خرچ کرنے سے بخل کرے جہاں لوگوں پر خرچ کرنا واجب نہیں۔

تیسری قسم: یہ ہے کہ اپنی جان کو اللہ کیلئے خرچ کرنے میں بخل کرے۔ سو قسم اول بخل کی یہ ہے کہ بخل کر کے زکوٰۃ نہ دے، حالانکہ اس کا حکم ہے۔ یا کوئی ایسا حق جو تجھ پر معین ہو گیا ادا نہ کرے۔ مثلاً ماں باپ کو دینا جب وہ محتاج ہوں، اولاد کو دینا جب وہ محتاج ہوں یا نابالغ ہوں، بیوی کو دینا۔ غرض جو حق تجھ پر اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اس سے کوتاہی کرنا۔ زبان ملامت کو...... تجھ پر کشادہ کرے گا اور تو مستحق عقوبت ہوگا اور اس باب میں یہ آیت آئی ہے: وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ...... تا...... قَوْلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ. علماء نے فرمایا ہے کہ کنز اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ جب زکوٰۃ دے دی کنز نہ رہا مطلب یہ ہے کہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا اور اس پر ملامت کی زبان نہ کھولی جائے گی۔

دوسری قسم بخل کرنا ایسی جگہ خرچ کرنے سے جس کے ساتھ وجوب متعلق نہیں جیسے ایک شخص نے مال کی زکوٰۃ تو نکالی مگر اس کے بعد پھر کچھ خرچ نہیں کیا۔ اور اس شخص نے اگرچہ حکم خداوندی کی تعمیل کی کہ جو واجب تھا نکال کر دے دیا مگر صرف اس پر بس کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ صرف واجبات پر کفایت کرنا اور نفل خیرات کو ترک کرنا یہ کم ہمت لوگوں کا کام ہے۔ سو جو شخص مومن ہو اپنا حال اللہ کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہو اس کو زیبا نہیں کہ جو چیز اس پر اللہ نے واجب کی اس میں اللہ کے ساتھ بالکل معاملہ نہ رکھے، کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کی حالت اس شخص کی سی ہے کہ فرائض تو پڑھتا ہے مگر سنن نہیں بجالاتا اور اے شخص! تجھ کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جو حدیث قدسی میں وارد ہوا کافی ہے کہ:

ماتقربون بمثل اداء ماانترضت عليهم ولا يذال يتقرب الى بالنوافل حتى احبه فاذااجبته كنت لهٗ سمعاً وبصرًا والساناً وقليا وعقلا ديدًا ومويدا.

قرب ڈھونڈنے والوں کو میرے ساتھ کسی عمل سے ایسا قرب نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ ادائے فرض سے ہوتا ہے اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل سے میرا قرب ڈھونڈتا رہتا ہے

یہاں تک کہ اس کو اپنا پیارا بنا لیتا ہوں جب میں اس کو اپنا پیارا بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان اور آنکھ اور دل اور زبان اور عقل اور ہاتھ اور مددگار بن جاتا ہوں۔

سو حق تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ تکرار نوافل اور اس کا اہتمام بندے کو اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے اور نوافل وہ اعمال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تجھ سے بطور وجوب کے طلب نہیں کیا۔ خواہ نماز ہو یا صدقہ یا حج یا اور کچھ۔ اور جو شخص صرف فرض نمازیں پڑھتا ہے اور دوسرا شخص فرض و نفل دونوں بجالاتا ہے یا ایک شخص صرف زکوٰۃ دیتا ہے دوسرا شخص زکوٰۃ کے ساتھ کچھ اور بھی سخاوت کرتا ہے، ان دونوں آدمیوں کی ایسی مثال ہے جیسے کسی مالک کے وہ غلام ہوں اور اس مالک نے دونوں غلاموں پر دو دو درہم روزانہ خراج (کمائی، ٹیکس) مقرر کر دیا۔ سو ایک غلام تو اتنا ہی لا کر مالک کو دیتا ہے اور اس سے زیادہ نہیں لاتا نہ کچھ ہدیہ دیتا ہے نہ کچھ محبت کرتا ہے اور دوسرا غلام مالک کیلئے وہ بھی لاتا ہے جو اس کا یار لاتا ہے اور علاوہ خراج معین ظروف و میوہ جات ہدیہ لاتا ہے، پس یہ غلام بلاشک مالک کے نزدیک زیادہ بہرہ ور اور حصہ محبت کا زیادہ مستحق اور اس کی عنایت سے زیادہ نزدیک ہوگا کیونکہ جو غلام صرف اسی قدر لاتا ہے جتنا معین کر دیا اس کو مالک سے محبت نہیں، صرف خوفِ سزا سے دیتا ہے اور جو غلام علاوہ خراجِ معین ہدیہ وغیرہ بھی لاتا ہے وہ مالک سے محبت کی راہ چلتا ہے اور اس کی محبت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ یہی غلام مالک کے قرب و محبت نصیب ہونے کا زیادہ مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر صرف اسی وجہ سے واجب کر دیا کہ ان کا ضعف و کسل کہ جو ان کی حالت وصفت ہے اس کو معلوم تھی سو جو کچھ واجب کیا اس لئے واجب کیا کیونکہ انہیں چیزوں میں جو اَب واجب کی ہیں اختیار دے دیتے تو اس کو ہرگز نہ بجالاتے مگر قدرے قلیل اور ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں اس لئے ان پر اپنی اطاعت واجب کر دی اور حقیقت میں دخول جنت کو واجب کیا پس ان کو وجوب کی زنجیروں میں باندھ کر جنت کو روانہ کیا حدیث میں ہے کہ: تیرا پروردگار ایسے لوگوں

سے تعجب فرماتا ہے جو زنجیروں میں باندھ کر جنت میں بھیجے جاتے ہیں۔

نوافل کی حکمت

جان تو اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے کہ ہم نے واجبات کو غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جتنی عبادتیں واجب کی ہیں۔ انھیں کی جنس سے کچھ نفل بھی مقرر کئے ہیں تا کہ اس نفل سے اس خلل کا تدارک ہو جائے جو ادائے واجب میں مکلّف سے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اول بندے کی فرض نماز کو دیکھا جائے گا اگر اس میں کچھ نقصان ہوا تو نوافل سے اس کی تکمیل کر دی جائے گی۔ اس کی خوب سمجھ لے اللہ تجھ پر رحم فرمائے اور صرف اسی عمل پر اکتفامت کر جو اللہ نے تجھ پر فرض کیا ہے۔ بلکہ تجھ میں ایک مستعد کرنے والی محبت بھی ہونی چاہیے جو اس امر پر تیرے متوجہ ہونے کا باعث ہو کہ اللہ نے جو چیز تجھ پر واجب نہیں فرمائی اس میں بھی اللہ سے معاملہ ہونا چاہیے اور اگر بندے اپنی میزان عمل میں صرف واجبات کے کرنے اور حرام کے چھوڑنے کا ثواب دیکھیں تو ان کو اس قدر خیر و منت میسر ہو جائے گی جس کو کوئی گننے والا گن نہیں سکتا اور اندازہ کرنے والا اندازہ نہیں کرسکتا۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کیلئے دروازہ معاملہ کا کشادہ فرمایا اور اسباب وصال کو بیان کر دیا۔

فرائض کیلئے وقت کی قید کیوں ہے؟: جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میرے بندو میں کم ہمت بھی ہیں اور ہمت والے بھی، اس لئے واجبات کو واجب کیا اور حرام کو بیان کیا۔ جو کم ہمت تھے انہوں نے صرف ادائے واجبات اور ترکِ محرمات پر بس کیا اور ان کے دلوں میں غلبہءِ محبت اور شیفتگی نہیں ہے جو ان کو باعث ہو کہ بغیر واجب کئے بھی معاملہ کریں سو ان کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کا حال مالک کو معلوم ہے کہ اگر اس پر خراج مقرر نہ کروں گا تو یہ کچھ نہ لائے گا۔ اسی لئے حق تعالیٰ سبحانہٗ نے اوراد کو موقت فرمایا (فرائض کو وقتوں پر مقرر کیا) اور اعمال عبودیت کو

مقرر کیا اور طلوع و غروب اور زوال اور سایہ کے برابر ہو جانے سے نماز کے اوقات بتلائے اور نقد اور تجارت اور مواشی میں جو مال بڑھتا ہے اس میں سال گزرنے پر مقرر کیا اور کھیتی میں جب پیداوار ہو جیسا فرمایا: وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ یَوۡمَ حَصَادِهٖ یعنی کھیتی کا حق کاٹنے کے دن دو اور حج کو عشرۂ ذی الحجہ میں مقرر کیا اور روزے ماہ رمضان میں ٹھہرائے۔ پس ان اعمال کو معین کیا ان کا وقت مقرر کیا اور ان سے جو وقت بچے اس میں حظوظ بشریہ (دنیاوی ضرورتیں) اور سعی اسباب کیلئے فرصت دی اور جو اہل اللہ ہیں ان کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے انہوں نے تمام اوقات کو ایک وقت کر دیا اور تمام عمر کو اللہ کی طرف قصد کرنے کا راستہ بنایا اور جان لیا کہ سارا وقت اسی کا ہے۔ اس کا کچھ حصہ بھی غیر کیلئے نہیں ٹھہرایا۔

شیخ کا بتایا ہوا وظیفہ: اسی لئے شیخ ابو الحسنؒ نے فرمایا ہے کہ بس ایک وظیفہ اختیار کر لو، اور وہ ترک کرنا ہے خواہش نفسانی" کا اور محبت کرنا مالک سے پھر محبت اس محبّ کو بجز اطاعت محبوب کے کوئی کام ہی نہ کرنے دے گی اور وہ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے سانس میں حق تعالیٰ کی امانتیں اور ودیعتیں ہمارے پاس ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان کے لحاظ رکھنے کا مطالبہ ہم سے کیا جائے گا۔ پس انہوں نے اپنی ہمتیں اس کی طرف متوجہ کر دیں اور جیسا کہ اللہ کی ربوبیت دائم (ہمیشہ) ہے۔ اسی طرح تجھ پر حقوق ربوبیت بھی دائم ہیں، سو اس کی ربوبیت جیسے کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں اس کے حقوق ربوبیت بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں۔

شیخ ابو الحسنؒ فرماتے ہیں کہ ہر وقت کیلئے عبودیت کا ایک حصہ ہے جس کا تقاضا حق تعالیٰ تجھ سے بحکم ربوبیت فرماتا ہے۔ اب ہم کو لازم ہے کہ کلام کی باگ روک لیں تا کہ مقصود کتاب سے علیحدہ نہ ہو جائیں۔

تیسری قسم سخاوت کی وہ جان دینا ہے راہ مولیٰ میں یہ سب اُقسام میں افضل ہے اور دوسری قسمیں سخاوت کی اسی کے حاصل کرنے کیلئے ہیں۔ پس جو شخص اللہ کے ساتھ واجب میں دریغ نہیں کرتا کبھی غیر واجب خیرات میں دریغ کرتا ہے

اور جو غیر واجب میں دریغ نہیں کرتا کبھی جان دینے میں دریغ کرتا ہے اور اس کے خرچ کرنے میں سخی نہیں بنتا کیونکہ جان کی سخاوت کرنا اور اس کو خرچ کرنا یہ اخلاق صدیقین اور حالات اہل یقین سے ہے جن کو اللہ کی معرفت ہوگئی، انہوں نے اپنی جانیں دے ڈالیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ غلام مالک کے آگے کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اور جب جان کی سخاوت سب اقسام میں کامل تر ہے تو اس کا بخل بھی سب سے بدتر ہوگا۔ اس بیان سے شیخ کے اس قول کے معنی واضح ہوگئے کہ ہم کو حرص و بخل سے بعد حصول رزق کے بچا اور یہ اشارۃً وہ اجمالاً بیان ہوا ہے نہ تفصیلاً۔ کیونکہ کتاب اس مضمون کیلئے نہیں بنائی گئی۔

مضمون اصلی شروع: تیسری قسم ان عوارض کی جو مقدمہ ءرزق میں پیش آتے ہیں کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ عوارض جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں وہ تین طرح کے ہیں۔ ایک قبل الحصول، دوسر وقت الحصول ان دونوں کا ذکر تو کلامِ شیخ میں ہو چکا اور ہم نے اس کو خوب بیان کر دیا۔ یہ تیسری قسم وہ عوارض ہیں جو بعد حصول اور ختم ہو جانے رزق کے پیش آتے ہیں۔ یعنی افسوس ہونا، پچھتانا، ہمیشہ اس کا نگراں رہنا۔ سو اس سے بھی پاک ہونا چاہیے اور یہ ارشاد خداوندی سنو:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰاكُمْ

یعنی تا کہ نہ مغموم ہو تم اس چیز پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اتراؤ اس پر جو تم کو دے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی کا بچہ انتقال کر گیا۔ آپ نے فرمایا: یعنی قاصد سے کہ ان کو یہ بات بتلا دو کہ اللہ ہی کا تھا جو لے لیا اور اللہ ہی کا ہے جو دے رکھا ہے اور جو شخص بجز اللہ کے کسی چیز کے نہ ملنے پر افسوس کرے وہ بآواز بلند اپنی جہالت اور خدا سے دوری کی خبر دے رہا ہے۔ کیونکہ اگر اللہ کو پاتا تو ماسوا کو ڈھونڈھتا نہ پھرتا پس جو شخص اللہ کو پا لیتا ہے پھر وہ کسی شے کو نہیں پاتا کہ اس کو تلاش کرے اور بندے کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو چیز اس کے ہاتھ نہیں آتی وہ اس کا حصہ نہ تھی یا کوئی چیز اس کے پاس تھی اور گم ہوگئی وہ اس کا حق نہ تھی۔ کیونکہ وہ اگر اس کا رزق ہوتا تو

دوسرے کے پاس نہ جاتا بلکہ اس کے پاس عاریت تھی جس نے عاریت دی تھی اس نے لے لی اور جس نے ایجاد کیا تھا اس نے واپس کرلیا۔

نکاح کا ایک قصہ: کسی شخص کی ایک چچازاد بہن تھی بچپن سے اس کے نامزد تھی جب یہ شخص بڑا ہوا ایسے امور پیش آئے کہ اس سے نکاح نہ ہوا اس لڑکی کا اور کسی سے نکاح ہوگیا۔ ایک سمجھدار آدمی اس کے پاس آیا اور کہا کہ جس شخص نے تیری چچا زاد بہن سے نکاح کیا تجھ کو مناسب ہے کہ اس سے جا کر معذرت کر۔ کیونکہ تو اس لڑکی کو لینا چاہتا تھا اور وہ ازل میں اس کی زوجہ تھی۔

ف: یعنی یہ معذرت کر کہ میں نے تمہارے حق لینے کا ارادہ کیا تھا نادانستگی میں مجھ سے یہ خطا ہوئی، اب تم معاف کردو اور کدورت نہ رکھو، اور ایماندار کو اس مضمون میں کہ فوت ہوئی چیز پر نادم نہ ہو، یہ آیت کافی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُo

یعنی بعض آدمی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے اگر اس کو کوئی مال مل گیا تو اس میں مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی آزمائش لگی تو الٹے منہ لوٹ جاتا ہے۔ ٹوٹے میں پڑا یہ شخص دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہ کھلا ٹوٹا ہے۔

حق تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت فرمائی جو چیز کے ملنے کے وقت اس کے ساتھ جی لگائے۔ دیکھو کس طرح فرمایا: فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ یعنی اس مال پر جی لگا بیٹھا اور اگر اس کو سمجھ ہوتی تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز سے دل نہ لگاتا اور صرف اللہ ہی کے ساتھ اس کا دل لگتا۔ اسی طرح اس شخص کو بھی مذمت فرمائی جو ان چیزوں کے گم ہو جانے کے وقت مغموم ہو، کیونکہ فرمایا: وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ اور فتنے کی تفسیر ہے اس مرغوب چیز کا گم ہو جانا جس سے جی لگا تھا۔ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ یعنی اس کی عقل متحیر ہو جاتی ہے اور نفس بھول جاتا ہے، قلب غافل ہو جاتا ہے اور یہ

صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ کی معرفت اس کو نصیب نہیں اور اگر اللہ کو پہچانتا تو اس کا موجود ہونا تمامی موجودات سے بے پرواہ کر دیتا اور اس کے باعث ہر مفقود سے مستغنی ہو جاتا۔

معرفت الٰہیہ: جس نے اللہ کو نہ پایا اس نے کچھ بھی نہ پایا اور جس نے اللہ کو پالیا اس نے کسی چیز کو گم نہیں کیا اور جس شخص نے ایسی ذات کو پالیا جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اس کو کیونکر کہیں کہ اس نے کسی چیز کو گم کیا ہے۔ اور جس نے موجد اشیا کو پالیا اس کو کیسے کہیں کہ اس نے کسی چیز کو گم کیا ہے اور جس نے ایسی ذات کو پالیا جو ہر چیز میں جلوہ گر ہے، اس کو کیسے کہیں کہ اس کی کوئی چیز گم ہو گئی۔ پس ماسوائے اللہ اہل معرفت کے نزدیک یافت و نایافت (ہونے یا نہ ہونے کا خیال) کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا، وجہ یہ کہ اس کے آگے کوئی موجود ہی نہیں، کیونکہ اس کی احدیت ثابت ہے اسی طرح کوئی چیز مفقود بھی نہیں کیونکہ مفقود وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے موجود ہوتی ہو اور اگر حجابِ وہم پھٹ جائے .... تو معائنہ ہو جائے کہ اشیاء عالم موجود نہیں اور نور یقین چمک اٹھے اور وجود کائنات کو ڈھانپ لے، اور جب تو اس کو سمجھ چکا تو تجھ کو لازم ہے کہ کسی چیز کے گم ہونے پر غم مت کر اور کسی شے کے موجود ہونے کی طرف میل مت کر کیونکہ جو شخص ایسا ہو کہ چیز پائے تو میلان کرے اور نہ پائے تو مغموم ہو۔ اس نے ثابت کر دیا کہ وہ اس چیز کا بندہ ہے جس کے ہونے نے اس کو خوشنود اور گم ہونے نے غم آلود کیا ہے اور اس مقام میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنو:

تعس عبدالدنیا تعس عبدالدرھم تعس عبدالخمیصه تعس وانتکس وَاِذا شک فلا انتقش.

برباد ہو جائے بندہ دینار کا، برباد ہو جائے بندہ درم کا، برباد ہو جائے بندہ کملی کا، برباد ہو جائے اور سرنگوں ہو جائے اور اگر اس کے کانٹا لگے تو نکلنا نصیب نہ ہو۔

سوا اپنے دل میں بجز اللہ کی محبت اور دوستی کے کسی چیز کو محکم مت کر، کیونکہ

تیرا رُتبہ اس سے زیادہ ہے کہ تو غیر کا بندہ بنے، اللہ نے تو تجھ کو لائق غلام بنایا تو نالائق غلام کیوں بنتا ہے؟ اور جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے ان کی فہم ان کو کسی شے کے ہونے کی طرف مائل نہیں ہوتی اور نہ کسی شے کے نہ ملنے سے نگران (پریشان) ہونے دیتی ہے تاکہ ان کی عبودیت محفوظ رہے اور ماسوا سے آزادی درست رہے۔

انسانوں کی دو قسمیں

میں نے اپنے شیخ ابو العباسؒ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ اہل حال دو قسم ہیں ایک تو وہ شخص جو حال میں حال کا ہو رہا ہے (یعنی حالت کا غلام) اور ایک وہ شخص جو حال میں حال پیدا کرنے والے کا ہو رہا ہے۔ سو جو شخص کہ حال میں اپنے حال کا ہو رہا ہے وہ بندۂ حال ہے اور اس کی کیفیت مولانا رومی نے یہ فرمائی ہے۔

روز ہا گر رفت گورو باک نیست　　　　تو ایمان اے انکہ چوں تو پاک نیست

کہ اگر حال کو پاتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور جب نہیں پاتا تو غمگین ہوتا ہے اور جو شخص کہ حال میں حال پیدا کرنے والے کا ہو رہا ہے، وہ بندۂ خدا ہے نہ کہ بندۂ حال اور اس کی یہ کیفیت ہے کہ اگر حال کو نہ پائے تو غمگین نہیں ہوتا اور جو پائے تو خوش نہیں ہوتا۔ پس یہ ارشاد خداوندی ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدَ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ اس کی تفسیر یہ ہے کہ عبادت کرتا ہے اللہ کی ایک کنارے پر، یعنی ایک جہت پر وہ جہت اگر زائل ہو گئی تو اس کی اطاعت بھی زائل ہو گئی اور اس کی اطاعت منقطع ہو گئی اور اگر اس کو ہماری طرف کی سمجھ ہوتی تو ہر حالت اور ہر جہت میں ہماری عبادت کرتا جیسا وہ تیرے ہر حال میں تیرا رب ہے، اسی طرح تو ہر حال میں اس کا بندہ رہ، فرمایا: فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِاطْمَاَنَّ بِهٖ ج یعنی اس کو اگر کوئی خیر پہنچتی ہے جو اس کے نفس کے موافق ہو کہ اس کی نظر میں خیر ہے اور کبھی واقع میں شر ہوتی ہے۔ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِالْقَلَبَ یعنی اگر وہ خیر جاتی رہے جس سے مطمئن ہوا تھا اور اس کو فتنہ یعنی آزمائش فرمایا کیونکہ نعمت سے گم ہونے ہیں مومن کے ایمان کا امتحان ہوتا

ہے اور نہ ہوت میں لوگوں کے حال معلوم ہوتے ہیں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گمان کرتے ہیں کہ ہمارا غنا اللہ کے ساتھ ہے۔ حالانکہ ان کا غنا اسباب سے اور طرق اکتساب سے ہے اور بہت سے لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے رب سے انس ہے اور حالانکہ ان کا انس اپنے حال سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حال جاتا رہنے سے انس بھی جاتا رہتا ہے۔ پس اگر رب سے انس ہوتا تو وہ تو دائم و باقی ہے انس بھی دائم و باقی رہتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے: خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ دنیا کا تو یہ نقصان ہوا کہ مراد دنیاوی حاصل نہ ہوئی اور آخرت کا اسلئے نقصان ہوا کہ اس کیلئے عمل نہیں کیا۔ سو جو اس کا مطلوب تھا جاتا رہا، اور اس نے ہم کو تو طلب کیا نہ تھا کہ ہم اس کے ہو جاتے، خوب سمجھ لو۔

اللہ کے مقابلہ میں تدبیر کرنے والوں کی مثالیں اور خدا کی بندگی کرنے کی عقلی دلیلیں

اس فصل میں مثالیں ذکر کریں گے اللہ کے آگے تدبیر چلانے کی، اور تدبیر چلانے والوں کی، اور مثالیں رزق کی اور اللہ تعالیٰ کے کفیل ہونے کی۔ کیونکہ مثال سے خوب حال کھلتا ہے۔

مثال نمبر ۱: جو اللہ کے آگے تدبیر چلائے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے سمندر کے کنارے پر مکان بنایا ہو وہ جس قدر عمارت میں کوشش کرتا ہے موجیں بڑھتی جاتی ہیں اس کے سارے حیلے رخصت ہوتے جاتے ہیں۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ کے آگے تدبیر کرتا ہے کہ وہ تو تدبیر کی عمارتیں تیار کرتا ہے اور تقدیر آ کر اس کو گرا دیتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ مدبر تدبیر کرتا ہے اور تقدیر ہنستی ہے اور شاعر نے کہا ہے۔

عمارت کب وہ پوری ہو کہ تو اس کو بناتا ہو ۔۔۔ مگر ہو دوسرا اس جا کہ وہ اس کو گراتا ہو

مثال نمبر ۲: مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص ریگ کے ڈھیر میں اگر اس پر

مکان چنے آندھی جو آئی سب ریگ اڑ گیا جو بنایا تھا وہ گر گیا جیسا کہ کہا گیا۔

مٹ گئے گھر ان کے مل کر ریگ میں کب رہے قائم جو ہو گھر ریگ میں

مثال نمبر۳: مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک لڑکا اپنے والد کے ساتھ سفر کرے اور دونوں رات کو چلیں اور باپ چونکہ اپنے لڑکے پر غایت درجہ کا شفیق ہے وہ لڑکے کی بے خبری میں دیکھ بھال کر رہا ہے، مگر لڑکا بوجہ حائل ہونے تاریکی کے باپ کو نہیں دیکھتا۔ اس لئے وہ لڑکا اپنی فکر میں مبتلا ہے کہ کس طرح کرے، یکا یک چاند نکل آیا اور باپ کو دیکھا کہ پاس ہے اس کا جی ٹھہر گیا اور دل کو سکون ہو گیا، چونکہ اپنے باپ کو پاس دیکھا اس وقت باپ کی تدبیر پر اپنی تدبیر سے مستغنی ہو گیا ایسا ہی جو شخص اپنے لئے تدبیر کرتا ہے وہ اس لئے تدبیر کر رہا ہے کہ شب دوری میں مبتلا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب معلوم نہیں۔ اگر ماہتاب توحید یا آفتاب معرفت طلوع کرے تو اللہ کا قرب مشاہدہ کرے پھر تدبیر کرتا ہوا شرمائے اور اللہ کی تدبیر پر اپنی تدبیر سے مستغنی ہو جائے۔

مثال نمبر۴: تدبیر ایک درخت ہے، پانی اس کا بدگمانی ہے، پھل اس کا اللہ سے دوری ہے، کیونکہ اگر بندے کو اپنے رب سے حسن ظن ہوتا تو درخت تدبیر بوجہ اس کی غذا موقوف ہو جانے کے اس کے قلب میں خشک ہو جاتا اور اس کا پھل اللہ سے دوری اس لئے ہے کہ جو شخص اپنے لئے تدبیر کرتا ہے وہ اپنی عقل پر اکتفا کرتا ہے اور اپنی تدبیر پر راضی ہوتا ہے اور اپنی ہستی پر حوالہ کرتا ہے، اس کی سزا یہ ہے کہ اسی پر حوالہ کر دیا جائے اور منت الٰہیہ کو اس کے پاس نہ جانے دیا جائے۔

مثال نمبر۵: تدبیر کی ایسی مثال ہے جیسے کسی غلام کو اس کے مالک نے ایک شہر میں واسطے درستی کسی متاع (کام کرنے) کے بھیجا، وہ غلام اس شہر میں گیا اور کہنے لگا میں کہاں رہوں، کس سے شادی کروں، غرض وہ اسی میں لگا رہا اور اپنی ہمت کو اسی لئے صرف کر دیا اور جو مالک نے حکم دیا تھا اس کو نہ مانا۔ جب وہ مالک اس کو اپنے پاس بلائے گا تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو دوری اور مہجوری کا مزہ چکھائے۔ کیونکہ وہ

اپنے بکھیڑوں میں مالک کے حق سے غافل ہوگیا۔

پس اے مومن! ایسا ہی تیرا حال ہے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اس دنیا میں بھیجا اور اپنی خدمت کا حکم دیا اور تیرے لئے تدبیر کا سرانجام کیا اگر تو اپنی تدبیر میں لگ کر اپنے مالک کے حق سے غافل ہوگیا تو طریق ہدایت سے تو نے روگردانی کی اور ہلا کی کی راہ چلا۔

مثال نمبر ٦: مدبر اور غیر مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک تو اپنے آقا کے احکام میں لگا رہے۔ کھانے پہننے کی طرف التفات نہ کرے اس کی بڑی فکر آقا کی خدمت گزاری ہو۔ اس امر نے اس غلام کو اس کے حظوظ وضروریات کی فرصت سے غافل کر رکھا ہو اور ایک دوسرا غلام ہے جب اس کو آقا بلاتا ہے کبھی اپنے کپڑے دھو رہا ہے، کبھی اپنے جانوروں کو مل دل رہا ہے، کبھی اپنا بناؤ سنگار کر رہا ہے۔ سو پہلا غلام عنایت آقا کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت دوسرے غلام کے، جو کہ اپنے حظوظ وضروریات لگ کر آقا کے حقوق سے غافل ہے اور غلام کو اس لئے خریدا جاتا ہے کہ آقا کی خدمت کرے نہ کہ ہر وقت اپنے کام میں لگا رہے، ایسا ہی حال بندۂ دانا کا ہے، اس کو ہمیشہ اسی حال میں دیکھو گے کہ اپنے نفس کے مرغوبات اور مہمات (ضروری اور من پسند کاموں) کو چھوڑ کر اللہ کے حقوق اور احکام کی نگہداشت میں لگا رہتا ہے، جب اس کا یہ حال ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے سارے کام بنا دے گا اور اس کی طرف اپنی اعطائے جزیل سے متوجہ ہوگا، کیونکہ وہ توکل میں صادق ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کو کافی ہوتا ہے اور غافل کا یہ حال نہیں بلکہ اس کو جب دیکھو گے اپنے دنیا کے اسباب حاصل کر رہا ہوگا، اپنی خواہش نفسانی کے ذریعے جمع کر رہا ہوگا، اپنے نفس کی تدبیر کر رہا ہوگا اور اسی پر حوالہ کر دیا گیا ہے خوبی یقین وصدق توکل سے دور پڑا ہے۔

مثال نمبر ٧: مدبر کی ایسی مثال ہے جیسا پھیلا ہوا سایہ کہ جب کہ آفتاب برابر نہیں ہوتا اور جب آفتاب ٹھیک سر پر آجاتا ہے تو وہ سایہ فنا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ

یوں ہی سایہ ایک نشان رہ جاتا ہے کہ استواء کے وقت محو نہیں ہوتا۔ یہی حال ہے آفتاب معرفت کا جب قلوب کے مقابل آتا ہے، وجود تدبیر کو محو کر دیتا ہے۔ البتہ کچھ تدبیر بندے کی اس لئے رہ جاتی ہے کہ اس پر احکام شرعی جاری ہوسکیں۔

مثال نمبر ۸: مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے کوئی گھر یا کوئی غلام فروخت کیا پھر جب سودا پورا ہو چکا تو بائع مشتری (بیچنے والا، خریدنے والا) کے پاس آیا اور کہا کہ اس میں کوئی مکان مت بنانا یا فلاں کوٹھری اس کی گرا دینا اس میں فلاں بات کرنا یا خود بائع ان کاموں کو کرنے چلا۔ پس اس سے کہا جائے گا کہ تو تو فروخت کر چکا ہے۔ اب فروخت کرنے کے بعد مبیع میں تیرا تصرف نہیں رہا، (جو چیز بیچ دی گئی اب اس پر بیچنے والے کا کوئی اختیار نہیں رہا)۔ کیونکہ بیع کرنے کے بعد منازعت نامعقول ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اس نے سب مسلمانوں کی جانیں اور اموال بعوضِ جنت کے خریدے ہیں۔ سو مومن پر لازم ہے کہ اپنے اور اپنے نام لگی چیز کو اللہ کے سپرد کر دی۔ کیونکہ اسی نے پیدا کیا اور اسی نے خرید لیا اور سونپنے کو یہ بات لازم ہے کہ جو چیز سونپ دے اس کی تدبیر ترک کر دے۔

رہ گیا رزق سو بندے کی رزق کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام سے کہے اس گھر میں فلاں کام میں لگا رہ، سو یہ نہیں ہوسکتا کہ کام کرنے کا حکم توڑ دے اور کھانے پینے پہننے کی خبر نہ لے اور اس کی کفایت و رعایت کا سرانجام نہ کرے اسی طرح بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اطاعت و بجا آوری احکام کا حکم فرمایا ہے اور اس کی روزی کا کفیل ہو گیا۔ سو بندے کو خدمت کرنا چاہیے، مالک اپنی عنایت سے اس کا خبر گیراں ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے: وَأْمُرْ اَهْلَكَ ...... الی ...... قَوْلِهٖ لِلتَّقْوٰى اور اس کا بیان اوپر گزر چکا۔

مثال نمبر ۹: بندے کی مثال دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا بچہ اپنی ماں کے ساتھ، ماں کبھی بچے کو اپنی کفالت سے نہیں چھوڑتی اور رعایت سے نہیں نکالتی، ایسے ہی اللہ تعالیٰ مومن کی کفالت فرماتا ہے اور اس کو نعمتیں بھیجتا ہے اور محنتیں

دفع کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا جس کے پاس بچہ تھا، آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ یہ اپنے بچہ کو آگ میں پھینک دے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ ماں اپنے بچے پر جس قدر مہربان ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے مومن پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔

مثال نمبر ۱۰: بندے کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسا ایک غلام ہو اس کو مالک نے حکم کیا کہ فلاں جگہ جا اور اپنا کام پکا کر لے، کیونکہ یہاں سے فلاں طرف کو تجھے سفر کرنا ہے اور اپنا ساز و سامان لے لے۔ جب مالک نے اس کو یہ اجازت دے دی تو یقینی بات ہے کہ اس کیلئے مباح کر دیا کہ جس چیز سے اپنی ترکیب جسمانی قائم رکھنے میں مدد ملے اس کو کھائے پیئے تا کہ ساز و سامان کے طلب کرنے میں سعی و اہتمام کر سکے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے بندے کو اس دنیا میں پیدا کیا اور حکم فرمایا کہ یہاں سے سفر آخرت کیلئے توشہ لے لے چنانچہ ارشاد ہوا:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰیo

یعنی توشہ لے لو، پس سب سے اچھا توشہ تقویٰ ہے۔

پس معلوم ہو گیا کہ جب آخرت کیلئے توشہ لینے کا حکم فرمایا تو دنیا سے ایسی چیزوں کا لینا مباح کر دیا جن سے توشہ کے جمع کرنے اور سفر کیلئے آمادہ ہونے اور آخرت کیلئے سامان درست کرنے میں مدد پہنچے۔

مثال نمبر ۱۱: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی مالک نے کہ اس کے پاس ایک باغ ہے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس باغ میں درخت لگا دے۔ زراعت کرے اور اس کی درستی کا اہتمام کرے، سو اگر یہ غلام حکم پاتے ہی مالک کے حکم کو بجا لایا اور کسی ساعت باغ سے نہیں نکلتا۔ سو اگر یہ غلام اس باغ میں سے کچھ کھا پی لے تو مالک نہ ملامت کرے گا نہ اس کھانے سے منع کرے گا کیونکہ جب اس سے کھائے گا تو اس میں محنت بھی کرے گا، لیکن اس غلام کو چاہیے کہ اسی قدر کھائے جس سے کاروبار میں سہارا لگے لذت اور خواہش کیلئے نہ کھائے۔

مثال نمبر۱۲: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے بہت بڑا باغ لگایا اور بہت بڑا مکان بنایا، کسی نے پوچھا کہ کس کیلئے یہ سامان کیا ہے؟ اس نے کہا اپنے لڑکے کیلئے کیا ہے جس کے پیدا ہونے کی امید ہے۔ سو اس نے بوجہ محبت کے لڑکے کی ضرورت کی چیزیں اس کے پیدا ہونے کے پہلے مہیا کر دیں۔ کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ جب اس کے ہونے سے پہلے سب کچھ تیار کر رکھا ہے کیا اس کے ہونے کے بعد اس کو نہ دے گا۔ اسی طرح بندے کی حالت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ اللہ نے بندے کے پیدا ہونے سے پہلے دنیا میں نعمت مہیا کر رکھی ہے اگر فہم ہو تو نعمت تیرے ہونے سے پہلے ہو چکی ہے، کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اس کی اعطا تیرے وجود سے پہلے اور اس کی نعمت تیرے ظہور سے پہلے ہو چکی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں اعطا فرما چکا ہے قبل اس کے کہ بندہ موجود ہو اور اس کا کچھ محل وقوع میں آئے سو جو چیز اللہ نے ازل میں تیری قسمت میں لکھ دی ہے اور تیرے لئے جمع کر دی ہے اس سے تجھ کو محروم نہ کرے گا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہونے سے پہلے مہیا کر دے اور ہونے کے بعد نہ دے؟

مثال نمبر۱۳: بندہ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا بادشاہ کسی نوکر کو اپنے گھر لایا اور حکم دیا کہ فلاں کام کر، سو یہ نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ نوکر کو لائے اور اس سے اس گھر میں کام لے اور بے کھلا اس کو چھوڑ دے۔ کیونکہ بادشاہ کی شان اس سے بلند ہے۔ ایسا ہی بندے کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، سو دنیا تو اللہ کا گھر ہے اور تو نوکر ہے اور کام اطاعت کرنا ہے اور اجرت جنت ہے، سو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو کام کرنے کو فرمائے پھر تیرے پاس وہ سامان نہ بھیجے جس سے تو مدد لے سکے۔

مثال نمبر۱۴: بندے کی مثال اللہ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک بادشاہ کریم کے گھر مہمان ہوا، سو اس مہمان کو سزاوار ہے کہ اپنے کھانے پینے کی فکر نہ کرے، کیونکہ اگر ایسا کیا تو بادشاہ پر تہمت و بدگمانی ہے اور یہ مضمون شیخ ابو مدینؒ کا مقولہ اوپر

گزر چکا ہے۔ اسی طرح دنیا اللہ کا گھر ہے اور اس میں جو لوگ ہیں وہ اس کے مہمان ہیں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کی زبانی بندوں کو تو مہمان داری کا حکم فرمادے اور خود مہمان کی خبر نہ لے، سو جو شخص دنیا میں اپنے کھانے پینے کی دھن میں ہے وہ بادشاہ حقیقی کی نظر میں مبغوض (ناگوار) ہے۔ کیونکہ اگر اس کو اللہ میں شک نہ ہوتا تو اپنے حال کی کیوں فکر کرتا؟

مثال نمبر ۱۵: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک غلام کو بادشاہ نے حکم دیا کہ فلاں جگہ جا کر رہے اور اس جگہ جو غنیم (دشمن) ہے اس سے لڑے اور اپنی ہمت اس کے مقابلہ میں صرف کرے اور اس کے مقابلہ میں ہمیشہ لگا رہے، سو یقینی بات ہے کہ جب بادشاہ نے اس کو یہ حکم دیا ہے تو اس کیلئے یہ بھی مباح کر دیا ہے کہ اس شہر کے تحائف وخزائن سے امانت داری کے ساتھ کھایا کرے، تاکہ جس کے مقابلہ کا حکم بادشاہ نے دیا ہے اس کے مقابلہ میں قوت حاصل کرے۔ اسی طرح بندوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ شیطان سے لڑیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ.

یعنی اللہ کی راہ میں خوب مجاہدہ کرو جیسا مجاہدہ کا حق ہے۔

اور فرمایا:

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ

یعنی بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اس کو دشمن ہی سمجھو۔

پس جب بندوں کو شیطان سے لڑنے کا حکم دیا تو اس کی بھی اجازت دے دی کہ اس کی نعمتوں سے اس قدر کھالیں جس سے محاربہ شیطان (شیطان سے مقابلے) میں قوت حاصل کریں۔ کیونکہ اگر کھانا پینا چھوڑ دو گے تو اطاعت کا بجالانا اور خدمت میں آمادہ ہونا ممکن نہ ہوگا، سو بادشاہ کا مجاہدہ کیلئے حکم فرمانا اس کو بھی شامل ہے کہ جتنی چیزیں بادشاہ کی کہلاتی ہیں جن کو تیرے لئے تیار کر رکھا ہے اس کا برتنا مباح ہے، لیکن بطریق امانت وحفاظت حقوق کے ہو۔ یعنی کسی اور کا حق نہ کھالے۔

مثال نمبر ۱۶: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا کسی شخص نے ایک درخت لگایا اس ارادے سے کہ یہ بڑھے اس کی پود پھیلے سو درخت کو اگر علم ہو تو وہ خود جان سکتا ہے۔ ورنہ ہم اس کی نسبت یقیناً جانتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو لگائے اور پانی نہ دے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کو تو شوق ہے کہ اس کی پودھ بڑھے، یہ بڑا ہو، اسی طرح اے شخص تو درخت ہے، اللہ تعالیٰ تیرا بونے والا اور ہر دم سینچنے والا ہے۔ تیری غذا پہنچانے کا سامان کرنے والا ہے، تو اس پر یہ بدگمانی مت کر کہ تیرے درخت وجود کو بوئے اور بونے کے بعد پانی نہ دے، کیونکہ وہ غافل نہیں۔

مثال نمبر ۱۷: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک بادشاہ نے جس کے بہت سے غلام ہیں ایک گھر بہت عمدہ بنایا اور اس کو خوب سجایا اور اس میں باغ اور اس میں جمیع مرغوبات (تمام بہترین اور عمدہ چیزیں) پورے طور سے رکھے، مگر ابھی یہ غلام دوسری جگہ ہیں اور بادشاہ کو منظور ہے کہ ان کو اس گھر میں لائے، کیا گمان کر سکتے ہو کہ یہ بادشاہ جس کی نظر میں اس تمام تر ذخیرہ اور سامان کے علت نمائی (بنانے اور تیار کرنیکی وجہ) یہی غلام ہیں، وہ ان لوگوں کو ان لوگوں کی معمولی جگہ میں اپنی نعمت اور فضلہء طعام (بچا ہوا خراب کھانا) سے منع کرے گا، اسی طرح سے بندوں کی حالت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ان کو دنیا میں پیدا کیا اور جنت کو مہیا کیا اور اس کو منظور ہے کہ دنیا میں سے وہ چیز برتوائے (استعمال کرائے) جس سے اس کا وجود قائم رہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللهِ اور فرمایا: كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اور فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اور فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ. سو جبکہ تیرے لئے نعمت باقی (یعنی جنت جس کو کبھی فنا نہیں) کو ذخیرہ فرمایا اور تجھ پر اس سے احسان کیا تو فانی (دنیا کی نعمتوں) سے تجھ کو کیوں محروم کرے گا۔ اور اگر محروم کرے تو اُسی خیر سے محروم کرے گا جو تیری قسمت میں نہیں وہ تیرا حق نہیں، سو ایسا نہ دینا یہ بھی عطا و شفقت ہے، اس کو معلوم ہے کہ اس

میں تیری مصلحت اور تیرے کام کی درستی ہے، جیسا درخت سے لگاتار پانی آنے کو روک دیتے ہیں تاکہ ہروقت کا پانی اس کو تلف نہ کردے۔

مثال نمبر ۱۸: جو شخص دنیا کی فکر میں زادِ آخرت سے غافل ہو جائے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص ہو کہ درندہ اس پر چڑھ آتا ہے اور قریب ہے کہ اس کو پھاڑ ڈالے اور ایک مکھی بھی آکر بیٹھ گئی یہ شخص مکھی کے ہٹانے میں لگ کر شیر سے کچھ بچاؤ نہیں کرتا، سو ایسا شخص بڑا احمق ہے، بالکل عقل کو کھوئے بیٹھا ہے، اور اگر یہ عقل کے ساتھ موصوف ہوتا تو اس کو شیر کا اور اس کے حملے کا اور اس کے چڑھے چلے آنے کا اتنا بڑا دھندا تھا کہ مکھی کے قصے میں مشغول ہونے کی فکر بھی نہیں کر سکتا، یہی حال اس شخص کا ہے جو دنیا کی فکر میں آخرت کے توشے جمع کرنے سے غافل ہوگا۔ یہ اس کی حماقت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر صاحب فہم وعقل ہوتا تو آخرت کیلئے سامان کرتا جس کی اس سے باز پرس ہوگی وہاں کھڑا کیا جائیگا اور مقدمہء رزق کے اہتمام میں مشغول نہ ہوتا کیونکہ اس کا اہتمام کرنا آخرت کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے شیر کے سامنے مکھی۔

مثال نمبر ۱۹: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا کہ باپ کے سامنے بچہ کہ باپ کے ہوتے ہوئے کوئی غم نہیں پالتا اور نہ افلاس سے ڈرتا ہے، کیونکہ جانتا ہے کہ باپ میرا کفیل ہے، اس کے اعتماد نے اس کی زندگی خوش کر دی اور اس کا غم زائل کر دیا، اسی طرح مومن کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ وہ کچھ غم نہیں پالتا، اس کے میدان قلب میں رزق کی بابت غموم (یعنی غم وفکر کی آندھیاں) نہیں آتیں کیونکہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مہمل (بیکار) نہ چھوڑے گا اور اپنے فضل سے جدا نہ کرے گا اور اپنے جودُ واحسان سے محروم نہ کرے گا۔

مثال نمبر ۲۰: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے غلام ایک غلام ہے اس کا مالک تو انگر ہو، ثروت اور غلاموں سے احسان کرنے کے ساتھ موصوف ہو انکار کرتا ہوا کبھی نہ دیکھا گیا ہو جود وعطا میں معروف ہو، اور غلام کو اس کے فضل پر

اعتماد ہے اس کے احسان پر نظر رکھتا ہے، اپنے مالک کی توانگری معلوم ہے۔ اس لئے تمام رنج و محن سے علیحدہ ہے اور یہی مضمون حضرت شفیق بلخیؒ کی توبہ کا باعث ہوا، فرماتے ہیں ایک بار قحط کے ایام میں کسی جگہ میرا گذر ہوا ایک غلام کو دیکھا کہ خوش و خرم ہے اس مصیبت کی خبر نہیں جس میں لوگ گرفتار ہیں، میں نے پوچھا، اے جوان! تجھ کو خبر نہیں لوگ کس بلا میں مبتلا ہیں؟ کہنے لگا مجھ کو تو پرواہ بھی نہیں، میرے مالک کے پاس ایک پورا گاؤں ہے ہر روز کے خرچ کے لائق ہمارے یہاں آ جاتا ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس کے مالک کے پاس ایک گاؤں ہے تو میرے مالک کے پاس تو زمین و آسمان کے کے خزانے ہیں مجھ کو اس کی نسبت اپنے مالک کے ساتھ یقین کرنا زیادہ زیبا ہے، یہی سبب میری آگاہی کا ہوا۔ (ان کی بہت بڑی تجارت ہوتی تھی سب ترک کر دی)

مثال نمبر ۲۱: جو شخص سبب میں مشغول ہے اور اسباب سے روزی دیا جاتا ہے اس کی مثال تو اس غلام کی سی کہ اس سے مالک نے کہا کہ کام کر اور اس میں سے کھا اور جو شخص اسباب کا تارک ہے، اس کی مثال اس غلام کی سی ہے جس سے مالک نے کہا تو میری خدمت میں رہا کر میں اپنی نعمت تجھ کو دیتا رہوں گا۔

مثال نمبر ۲۲: جو شخص اسباب میں اللہ تک نظر پہنچائے اس کی مثال ایسی ہے کہ جب آسمان سے بارش ہونے لگے تو کوئی آدمی پرنالے کے نیچے بیٹھ جائے، پس وہ اللہ ہی کا شکر کرتا ہے اور پرنالے کے نیچے بیٹھ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ بارش کو اس کی طرف نسبت کرے، بلکہ یقیناً جانتا ہے کہ اگر پرنالے میں پانی نہ آئے تو خاک بھی نہ ملے اسی طرح اسباب نعم الٰہی کے پرنالے ہیں، پس جو شخص اسباب میں داخل ہو مگر ہمت اللہ کے ساتھ متعلق رہی نہ کہ اسباب کے ساتھ اس کو اسباب سے کوئی نقصان نہیں اور اس پر اندیشہ دوری درگاہ نہیں اور جو شخص اسباب پر کھڑا رہ جائے وہ مالک اسباب سے غافل ہو اس کی مثال چوپائے کی سی ہے کہ جب مالک اس کے پاس سے ہو کر گزرتا ہے تو وہ اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتا اور حالانکہ وہ

مالک ہے اور سائیس کو اس جانور کا خرچہ وہی دیتا ہے اور جب سائیس آتا ہے تو نظر خوشامد سے اس کو دیکھتا ہے اور شوق ظاہر کرتا ہے، کیونکہ اس کے ہاتھ سے کھانے کا خوگر ہے، بندے کی بھی یہی حالت ہے، کیونکہ جب خلقت کے ہاتھ سے احسان جاری ہو اور یہ ان ہی کی طرف سے مشاہدہ کرے اور ان سے گزر کر آگے اپنی نظر نہ ڈالے اس کی مثال چوپائے کی سی ہے، بلکہ جو پایہ کی حالت اس سے اچھی ہے۔ جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

اُولٰٓئِکَ کَالْاَ نْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغَافِلُوْنَ○

مثال نمبر۲۳: جو شخص اسباب پر کھڑا رہ جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ تک نظر پہنچائے ان کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے کہ حمام میں گئے ایک تو کامل العقل ہے۔ دوسرے پر حماقت غالب ہے، یکا یک پانی بند ہو گیا جو عاقل ہے اس کو معلوم ہے کہ اس پانی کا کوئی پیچھے سے پھیرنے والا ہے کہ پھیر رہا ہے اور کوئی چلانے والا ہے کہ چلا رہا ہے وہ اس کے پاس آئے گا تاکہ جس کو بند کر لیا ہے اس کو چھوڑ دے یا اور جو مرضی ہو وہ کرے اور دوسرا شخص جو ہے وہ نل کے پاس آ کر کہتا ہے: اے نل! ہمارے لئے پانی جاری کر دے، تجھ کو کیا ہوا کہ اپنا پانی بند کر دیا۔ اس سے یہ ہی کہا جائے گا کہ تو احمق ہے اور نل کچھ سن سکتا ہے یا کچھ کر سکتا ہے، وہ تو ایک محل اور پانی کا راستہ ہے، جو اس میں جاری کیا جاتا ہے، وہ ظاہر ہوتا ہے۔

مثال نمبر۲۴: ذخیرہ کرنے والے کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بادشاہ کا ایک غلام ہے اس کو باغ میں مقرر کر دیا تاکہ اس کو بنائے سنوارے سو غلام کو اس باغ کے پھل میں سے اس قدر کھانا جائز ہے کہ درخت لگانے کھیتی بونے میں مدد پہنچے اور جمع کر کے رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس باغ کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا مالک غنی قدرت والا ہے۔ پس اگر بغیر اجازت مالک کے اپنے لئے جمع کر کے رکھا اور مالک پر بدگمانی کی تو خائن ہوا اور جو شخص ذخیرہ نہیں رکھتا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک غلام ہے مالک کے گھر میں یا باغ میں اور جانتا ہے کہ میرا مالک مجھ کو نہ بھولے گا اور نہ

مہمل چھوڑے گا بلکہ میرے لئے مال خرچ کرے گا اور اپنا احسان مجھ کو پہنچائے گا، سو اپنے مالک کے باعث ذخیرہ رکھنے سے مستغنی ہوگا۔ اور اس کی تو انگری کے سبب محتاجی کی پروانہ کرے گا اور اس کے سوا کسی شے پر اعتماد نہ کرے گا، ایسا غلام لائق اس کے ہے کہ اس پر توجہ کی جائے اور اعطا سے اس کے کام پورے کئے جائیں۔

مثال نمبر ۲۵: جو شخص امانت کے طور پر ذخیرہ کرے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بادشاہ کا غلام ہے کہ مالک کے آگے کوئی چیز اپنی نہیں سمجھتا اور جو کچھ اس کے پاس ہے نہ اس کے ذخیرہ کرنے پر اعتماد کرتا ہے نہ خرچ کرنے پر بلکہ وہی بات اختیار کرتا ہے جو مالک اس کیلئے پسند کرتا ہے۔ سو جب یہ سمجھے کہ مالک کو اس چیز کا رکھنا مقصود ہے، تو مالک کیلئے رکھتا ہے نہ کہ اپنے لئے یہاں تک کہ موقع صرف کا منتظر رہتا ہے۔ جب مالک کی مرضی خرچ کرنے کی سمجھتا ہے اس میں صرف کر دیتا ہے، سو اس شخص پر رکھنے میں کچھ ملامت نہیں۔ کیونکہ اس نے اپنے مالک کیلئے رکھا ہے، اپنے لئے نہیں رکھا۔ یہی حال ہے اہل معرفت کا اگر خرچ کرتے ہیں تو اللہ کیلئے اور اگر رکھتے ہیں تو اللہ کیلئے، اُسی کی رضا مندی طلب کرتے ہیں، انفاق و امساک (خرچ کرنے اور جمع کرنے) سے وہی مقصود ہے۔ پس یہ لوگ امین تحویلدار اور بڑے مرتبے کے غلام اور کریم آزاد ہیں، حق تعالیٰ نے ان کو غلامئ مخلوق سے آزاد فرمایا ہے، پس انہوں نے مخلوق کی طرف محنت سے میلان نہیں کیا نہ مودت (محبت اور دل کے رجوع) سے متوجہ ہوئے، ان کے دلوں میں جو اللہ کی حجت و مودت بس گئی اور ان کے سینوں میں اس کی عظمت بھر گئی۔ وہ اس سے مانع ہوئی اور جو اللہ کیلئے رکھے وہ کسی طرح رتبے میں اس شخص سے کم نہیں جو اللہ کیلئے خرچ کرے۔ ان کے ہاتھ میں اشیاء کا وہی حال ہے جب ان کے پاس پہنچنے سے پہلے خزائن الٰہی میں حال تھا، کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا اور ہماری ملک کا مالک ہے۔ جو اللہ کیلئے اچھی طرح رکھنا نہیں جانتا وہ اللہ کیلئے اچھی طرح خرچ کرنا بھی نہیں جانتا۔ خوب سمجھ لو۔

خدا تعالیٰ کا بندوں سے خطاب اولیاء اللہ کی زبانی

اس میں ہم اس مضمون کا ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو با تفاق حقائق کی زبانی مقدمہ رزق و تدبیر میں خطاب فرماتا ہے۔ یعنی حقائق زبان حال سے منجانب حق تعالیٰ کے بندے سے کہہ رہے ہیں۔

خطاب نمبر ۱: اے بندے! اپنے کان کو حضور دل سے میری جانب متوجہ کر میری طرف سے تجھ کو زیادہ نعمت ملے گی اور اپنے گوشِ دل کو ادھر جھکا میں تجھ سے دور نہیں ہوں۔

خطاب نمبر ۲: اے بندے! میں تیری تدبیر میں اس وقت تھا کہ تو اپنا بھی نہ تھا، سو اپنا اس طرح بن کہ اپنا نہ رہے اور میں نے تیرے ظہور سے پہلے تیری رعایت کی اور اب بھی رعایت میں ہوں۔

خطاب نمبر ۳: اے بندے! میں ایجاد و تصویر میں یکتا ہوں میں حکم و تدبیر میں یگانہ ہوں تو خلق و تصویر میں میرا شریک نہ ہوا، سو میرے حکم و تدبیر میں بھی شریک مت ہو، میں اپنے ملک کا مدبر ہوں اور میرا کوئی پشتیبان (سہارا اور مددگار) نہیں، میں اپنے حکم میں اکیلا ہوں، کسی وزیر کا محتاج نہیں۔

خطاب نمبر ۴: اے بندے! جو شخص ایجاد سے پہلے تیری تدبیر میں ہو اس سے مراد میں نزاع (مقصد حاصل کرنے کیلئے جھگڑا) مت کر اور جس نے خوبی و شفقت کا تجھ کو خوگر کر رکھا ہو اس کا مقابلہ دشمنی اور غصہ سے مت کر۔

خطاب نمبر ۵: اے بندے! میں نے تجھ کو اپنی خوبی و شفقت کا خوگر کر رکھا ہے تو بھی میرے آگے تدبیر کو ترک کر دے۔

خطاب نمبر ۶: اے بندے! کیا تجربے کے بعد شک ہے اور بیان کے بعد حیرت ہے اور ظہور ہدایت کے بعد گمراہی ہے؟ کیا یہ اعتقاد بھی تجھ کو میرے حوالے نہیں کرتا کہ میرے سوا کوئی مدبر نہیں۔ کیا میری خیر سابق بھی (جو نعمتیں میں تجھ کو پہلے دے

چکا ہوں) تجھ کو میرے ساتھ منازعت کرنے سے برکنار نہیں کرتی (جھگڑے سے نہیں روکتی)۔

خطاب نمبر ۷: اے بندے! میری کائنات کے ساتھ اپنی نسبت کر کے دیکھ، تجھے معلوم ہوگا کہ تو مخلوق فانی کے روبرو بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ پھر خالق جو فانی نہیں اس کے ساتھ کیا نسبت سمجھتا ہے؟ اور تو میرے انتظامِ سلطنت کو تسلیم کر چکا ہے اور تو بھی میری سلطنت میں داخل ہے۔ سو میری ربوبیت میں نزاع مت کر اور میرے آگے اپنی تدبیر چلا کر میری الوہیت سے مخالفت مت کر۔

خطاب نمبر ۸: کیا تجھ کو یہ بات کافی نہیں کہ میں تجھ کو کافی ہوں؟ کیا تجھ کو مجھ پر اس سے بھی اطمینان نہیں ہوتا کہ میرے سابق احسان(۱) تیرے ساتھ کتنے ہو چکے ہیں۔

(۱) جو نعمتیں میں تجھ کو پہلے دے چکا ہوں)

خطاب نمبر ۹: میں نے تجھ کو تیرا محتاج کب بنایا ہے کہ اب تو اپنے حوالے کر دیا جائے گا اور میں نے اپنے ملک کی کوئی چیز کسی غیر کے سپرد کب کی ہے جس کو تیرے سپرد کر دوں گا۔

خطاب نمبر ۱۰: اے بندے! میں نے تجھ کو اپنے وجود کا مظہر بھی نہ بنایا تھا اس وقت اپنے کرم کو تیرے ساتھ مہیا کیا تھا اور میں ہر شے میں اپنی قدرت سے ظاہر ہوں تجھ کو میرا انکار کرنا کیسے ممکن ہے۔

خطاب نمبر ۱۱: اے بندے! میں جس کا مدبر بنا اس کو کب ٹوٹا ہوا اور جس کا میں حامی ہوا وہ کب بے ساتھی رہا۔

خطاب نمبر ۱۲: اے بندے! تو قسمت کی جستجو چھوڑ کر میری خدمت میں لگا رہ اور ربوبیت پر بدگمانی سے باز آ کر میرے ساتھ نیک گمان رکھ۔

خطاب نمبر ۱۳: اے بندے! یہ سزاوار نہیں کہ محسن پر بدگمانی کی جائے یا قدرت والے سے منازعت کی جائے یا غلبہ والے سے مخالفت کی جائے یا حکمت والے کے حکم پر اعتراض کیا جائے یا لطف کرنے والے کے سامنے غم پالا جائے۔

خطاب نمبر۱۴: اے بندے! وہ شخص مراد کو پہنچا جو میرے سامنے اپنے ارادے سے علیحدہ ہوا اور آسانی کی راہ بتلایا گیا جس نے مجھ پر حوالہ کیا اور اس کو خزانہ غنا مل گیا، جو سچے طور سے میری طرف حاجت لایا اور میری حمایت کا مستحق ہو گیا، جس نے میرے ساتھ جنبش کی جب کبھی جنبش کی اور بڑی مضبوط رسی پکڑی جس نے میری رسی پکڑی میں نے بذات خود قسم کھائی کہ اہل تدبیر کو یہ بدلا دوں گا کہ ہمیشہ مکدر رہیں اور جو بنائیں اس کو گرا دوں، جو باندھیں اس کو کھول دوں اور ان کو ان ہی کے حوالہ اور سپرد کر دوں، ان کو راحت رضا اور نعمت تفویض نصیب نہ ہو۔ سو اگر ان کو میری طرف کی سمجھ ہوتی تو میری تدبیر جو ان کیلئے ہے اس پر قناعت کر کے اپنے لئے تدبیر نہ کرتے اور میں جو ان کی نگہداشت کرتا ہوں اس کو کافی سمجھ کر اپنے لئے نگہداشت نہ کرتے، اس وقت میں ان کو رضا کی راہ چلاتا اور اہل ہدایت کا رستہ بتلاتا اور روشن طریق میں ان کو دوڑاتا اور اپنی عنایت کو تمام خوف کی چیزوں سے ان کیلئے سپرو نگہبان بنا دیتا اور تمام امیدوں کی چیزیں حاصل کر دیتا اور یہ مجھ کو آسان ہے۔

خطاب نمبر۱۵: اے بندے! ہم تجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو چاہ اور ہمارے آگے اور کسی چیز کا ارادہ مت کر اور ہم تیرے لئے یہ بات تجویز کرتے ہیں کہ ہم کو اختیار کر اور ہمارے آگے اور کسی کو اختیار مت کر اور ہم تیرے لئے یہ بات پسند کرتے ہیں کہ ہم کو پسند کر اور ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تو غیروں کو پسند کرے۔

خطاب نمبر۱۶: اے بندے! اگر میں تجھ کو کامیاب کر دوں سو اس وجہ سے کہ اپنا فضل تجھ پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں اور اگر تجھ کو ہرا دوں تو اس وجہ سے کہ اپنی قضا میں تیرے پاس اپنے اسرار لطف بھیجنا چاہتا ہوں۔

خطاب نمبر۱۷: اے بندے! جو کچھ میں نے اپنی نعمت تیرے اندر ظاہر فرمائی اس کا یہ بدلہ مت کر کہ مجھ سے منازعت کرنے لگے اور میں نے تجھ پر عقل دے کر احسان کیا جس سے تجھ کو اوروں سے ممتاز کیا اس کا عوض یہ مت کر کہ مجھ سے مخالفت کرے۔

خطاب نمبر ۱۸: اے بندے! جیسا زمین و آسمان میں میری تدبیر کرنا اور حکم و قضا میں یکتا ہونا تو نے تسلیم کر لیا ہے اسی طرح اپنا میرے ملک میں ہونا بھی تسلیم کر لے۔ کیونکہ تو میری ملک میں ہے اور میرے سامنے تدبیر مت کر کیونکہ تو میرے ساتھ معیت رکھتا ہے اور مجھ کو کارساز سمجھ اور میرے کفیل ہونے پر یقین کامل کر تجھ کو عطائے کثیر اور فخر کبیر دوں گا۔

خطاب نمبر ۱۹: اے بندے! میں ازل میں حکم کر چکا ہوں کہ میرے بندے کے دل میں نورِ تسلیم اور ظلمت منازعت جمع نہ ہوں گے۔ جب ایک ہوگا دوسرا نہ ہوگا، اب اپنے لئے جو چاہے پسند کر لے، کمبختی مارے ہم نے تو تیرا مرتبہ اس سے بڑا بنایا ہے کہ تو اپنے ذاتی کام میں لگے، سو اپنی قدر مت گھٹا۔ اے وہ شخص! جس کو ہم نے بلند قدر کیا۔ میرے غیر پر حوالہ کر کے ذلیل مت ہو۔ اے وہ شخص! جس کو ہم نے معزز کیا۔ کمبختی مارے تو ہمارے نزدیک اس سے بلند قدر ہے کہ غیروں کے ساتھ مشغول ہو، میں نے تجھ کو اپنی ہی درگاہ کیلئے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف بلایا اور اپنے جذباتِ عنایت (بڑی عظیم الشان عزت) سے تجھ کو کھینچا۔ اگر اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہوگا تجھ کو محجوب (اندھیرے اور پریشانیوں میں مبتلا) کر دوں گا اور اگر اس کی خواہش کا اتباع کیا، تجھ کو نکال دوں گا اور اگر نفس سے جدا ہوا تجھ کو مقرب بنا لوں گا اور اگر ماسوا سے اعراض کر کے مجھ سے محبت کی تجھ کو قبول کر لوں گا۔

خطاب نمبر ۲۰: اے بندے! اگر تو کفایت اور ہدایت چاہے تو کیا یہ امر کافی و ہادی نہیں ہے کہ میں وہ ہوں کہ میں نے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور صدقہ دیا پھر عطا دی، میرے احکام میں منازعت کرنی اور میرے افعال میں معارضہ کرنے سے کیا یہ امر مانع نہیں ہوسکتا۔

خطاب نمبر ۲۱: مجھ پر ایمان نہیں رکھتا، مجھ سے منازعت کرتا ہے، مجھ کو واحد نہیں سمجھتا، میرے آگے تدبیر کرتا ہے، مجھ سے خوش نہیں، میری نازل کی ہوئی بلا پر اوروں سے شکایت کرتا ہے اور اس شخص نے مجھ کو اختیار نہیں کیا جس نے میرے

سامنے اختیار رکھا اور میرا حکم بجا نہیں لایا جس شخص نے میرے قہر کے آگے گردن نہ جھکائی، مجھ کو نہیں پہچانا، جس نے اپنا کام میرے سپرد نہیں کیا اور مجھ سے ناواقف رہا جس نے مجھ پر توکل نہیں کیا۔

خطاب نمبر۲۲: اے بندے! تیری یہی جہالت بہت ہے کہ اپنے قبضے کی چیز پر تو دل کو قرار ہو، اور میرے قبضے کی چیز پر قرار نہ ہو، اور میں تو تیرے لئے یہ بات پسند کروں کہ تو مجھ کو اختیار کرے اور تو میرے مقابلہ میں اوروں کو اختیار کرتا پھرے۔ کمبختی مارے عبودیت اور اختیار جمع نہیں ہوتے نہ تاریکی اور انوار نہ یہ بات کہ میری طرف بھی متوجہ ہو اور مخلوق کی طرف بھی، سو یا تو میں تیرا رہوں گا یا تو اپنا رہے گا، سو خوب سوچ سمجھ کر ایک بات اختیار کر لے اور ہدایت کی عوض زیان (نقصان گوارہ) مت لے۔

خطاب نمبر۲۳: اے بندے! خود اگر مجھ سے اپنے لئے تدبیر کو طلب کرے تو تیرا جہل ہے اور تو اپنی تدبیر کرے اس کا تو کیا ذکر اور اگر میرے آگے کسی چیز کو اختیار کرے تو تیری بے انصافی ہے چہ جائے کہ مجھ کو چھوڑ کر کسی کو اختیار کرے۔

خطاب نمبر۲۴: اے بندے! اگر میں تدبیر کی اجازت بھی دے دیتا تب بھی تجھ کو لازم تھا کہ تدبیر کرتا ہوا شرماتا چہ جائے کہ تجھ کو یہ حکم کر چکا ہوں کہ تدبیر مت کر۔

اے وہ شخص! جو اپنے نفس کی فکر میں لگا ہے اگر تو اس کو ہمارے حوالے کر دیتا تو آرام پاتا۔ کمبختی کے مارے تدبیر کے بوجھ کو بجز ربوبیت کے کوئی برداشت نہیں کر سکتا، بشریت کو اس کی قوت نہیں، کمبختی مارے تجھ کو تو اور کوئی اٹھا رہا ہے، تو کیوں بوجھ اٹھاتا ہے، ہم کو تیری راحت منظور ہے، تو اپنی جان کو مشقت میں مت ڈال۔ پیٹ کے اندھیرے میں تیری کس نے تدبیر کی تھی، بعد موجود ہونے کے جو تم نے چاہا تجھ کو دیا، تجھ کو زیبا نہیں کہ اب وہ جو چاہتا ہے اس میں منازعت کرے۔

خطاب نمبر۲۵: اے بندے! تجھ کو میں نے اپنی خدمت کا حکم دیا اور اپنے رزق کا تیرے لئے ذمہ دار ہوا، تو نے میرا حکم مہمل چھوڑا اور جس چیز کی ذمہ داری کی تھی اس

میں شک کیا اور میں نے صرف ذمہ داری پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس پر قسم بھی کھائی، پھر قسم پر بھی اکتفا نہیں کیا۔ اس کی مثال بھی بیان کی اور سمجھدار بندوں کو خطاب کیا۔ پس کہا میں نے: وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ٥ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ ٥ اس آیت میں ہے ذمہ داری اور قسم اور مثال جیسا اوپر گزر چکی اور عارفین نے میرے اوصاف پر اکتفا کیا اور اہل یقین نے میرے کرم پر حوالہ کیا۔ سو اگر میرا وعدہ بھی نہ ہوتا تب بھی وہ یقین کرتے کہ میں ان سے اپنی واردات عطاء کو بند نہ کروں گا اور اگر میری ضمانت بھی نہ ہوتی تو میری صفت احسان پر وہ لوگ یقین کر لیتے اور میں ان لوگوں کو رزق دیتا ہوں جو غفلت و معصیت میں مبتلا ہیں۔ تو ان کو کیسے رزق نہ دوں گا جو میری اطاعت اور رعایت کرتے ہیں۔ ارے کمبختی مارے جو درخت کو بوتا ہے وہی سینچتا بھی ہے اور خلقت کا مدد کرنے والا وہی ہے جس نے اس کو پیدا کیا اور مخلوق کیلئے یہی بات بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے اور پاداش دینے والا ہے۔ مجھ سے ایجاد ہوا میرے ہی ذمے دوام امداد (ہمیشہ مدد کرنا) بھی ہے، مجھ سے تخلیق ہوئی میرے ہی ذمہ ہمیشہ رزق دینا بھی ہے۔ ارے کمبختی مارے تو اپنے گھر میں کسی کی بھی دعوت کرتا ہے۔ سوائے اس کے جس کو کھانا کھلانا منظور ہو اور کسی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، سوائے اس کے جس کی خاطر منظور ہو۔

خطاب نمبر ۲۶: اے بندے! تو بجائے فکر رزق کے ہماری فکر رکھ کیونکہ جو چیز میں اپنے ذمہ لے چکا ہوں تو اس میں کیوں تعب (مشقت ومحنت) اٹھاتا ہے اور جس چیز کو تو اپنے ذمے لے چکا ہے، یعنی عبادت تو اس کا ہو رہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم تجھ کو اپنے گھر میں لائیں اور اپنے احسانوں سے محروم رکھیں تجھ کو وجود میں ظاہر کریں اور تیری مدد نہ کریں تجھ کو ہستی کی طرف لائیں اور اپنا کرم نہ کریں کیا اپنا حق تو تجھ سے طلب کروں گا اور اپنا رزق تجھ کو نہ دوں گا کیا تجھ سے خدمت چاہوں گا اور حصہ نہ دوں گا۔ ارے کمبختی مارے میرے پاس تیرے لئے طرح طرح کی بخششیں ہیں

اور تجھ کو اپنا مظہر رحمت بنایا اور میں نے تیرے لئے صرف دنیا پر بس نہیں کیا یہاں تک کہ جنت کو ذخیرہ کر کے رکھا اور اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اپنے دیدار سے تحفہ دیا پس ہرگاہ میرے یہ افعال ہیں پھر میرے افضال میں کیسے شک کرتا ہے۔

خطاب نمبر ۲۷: اے بندے! میری نعمت کا کوئی لینے والا اور میرے فضل کا کوئی قابل ضرور ہونا چاہیے اور میں اس سے غنی ہوں کہ منافع سے نفع حاصل کروں اس پر دلیل قطعی قائم ہے۔ سو اگر تو مجھ سے یہ بھی درخواست کرے کہ تجھ کو اپنا رزق نہ دوں تب بھی تیری بات نہ مانوں اگر تو مجھ سے یہ دعا کرے کہ تجھ کو اپنے فضل سے محروم کروں تب بھی محروم نہ کروں۔ پھر اس وقت تو کیونکر محروم کر دوں گا کہ ہمیشہ تو مانگا کرتا ہے اور اکثر اوقات طلب کیا کرتا ہے، سو مجھ سے اب حیا کر اگر ابھی تک حیا نہ کرتا تھا اور میری طرف کی بات سمجھ اس کو سب کچھ ملا جو میری طرف کی بات سمجھا۔

خطاب نمبر ۲۸: اے بندے! مجھ کو اختیار کر اور مجھ کو چھوڑ کر اور کسی کو مت اختیار کر اور اپنے دل کو صدق سے میری طرف متوجہ کر۔ اگر تو ایسا کرے گا تو تجھ کو غرائب لطف اور عجائب کرم (بے مثال مہربانیاں اور عجیب وغریب عنایتیں) دکھلاؤں گا اور تیرے باطن کو اپنے مشاہدہ سے متمتع کروں گا۔ میں نے اہل تحقیق کیلئے رستہ ظاہر کر دیا ہے اور صاحبانِ توفیق کیلئے نشان ہدایت کے واضح کر دیئے ہیں۔ سو اہل یقین نے تحقیق کے ساتھ میری طرف تسلیم کیا ہے اور اہل ایمان نے دلیل کے ساتھ مجھ پر توکل کیا ہے۔ انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ میں ان کیلئے اس سے بہتر ہوں کہ وہ اپنے لئے ہوں اور میری تدبیر ان کیلئے زیادہ کارآمد ہوگی بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے لئے ہوں تدبیر کریں۔ پس انہوں نے گردن جھکا کر میری ربوبیت کو مان لیا اور اپنے کو میرے سامنے تفویض کر کے ڈال دیا میں نے اس کی عوض ان کی جانوں میں راحت دی اور عقلوں میں نور اور قلوب میں معرفت اور باطن میں یقین قرب، یہ تو اس دنیا میں ہوا اور جب میرے پاس آئیں گے اس وقت ان کے منصب کو بڑا کروں گا، ان کا مرتبہ بلند کروں گا اور بزرگی کے جھنڈے ان پر کھولوں گا اور جب

اُن کو اپنے گھر (یعنی جنت الفردوس) میں داخل کروں گا تو ان کیلئے ایسی چیزیں ہیں جو نہ آنکھ نے دیکھی اور نہ کان نے سنی، نہ کسی بشر کے قلب پر گزری۔

خطاب نمبر ۲۹: اے بندے! جو وقت آگے آتا ہے میں نے اس میں تجھ سے خدمت طلب نہیں کی، تو مجھ سے اس وقت کی روزی کیسے مانگتا ہے؟ جب میں تجھ کو عبادت کی تکلیف دوں گا تو رزق کا بوجھ خود اٹھاؤں گا اور جب تجھ سے خدمت طلب کروں گا تو کھانا بھی کھلاؤں گا اور یقین کر کہ میں تجھ کو نہ بھولوں گا اگرچہ تو مجھ کو بھلا دے اور میں تجھ کو یاد کرتا ہوں قبل اس کے کہ تو مجھ کو یاد کرے اور میرا رزق تجھ پر جاری رہے گا۔ اگرچہ تو میری نافرمانی کرے، میں حالت اعراض میں جب تجھ سے ایسا ہوں، سو اگر تو میری طرف متوجہ ہوا اس وقت مجھ کو اپنے ساتھ کس طرح سمجھتا ہے؟ تو نے میری قدر کما حقہ نہیں پہچانی۔ اگر میرے قہر کے آگے گردن نہ جھکا دی اور میرے احسان کی تو نے رعایت نہیں کی، اگر میرا حکم نہ بجالایا سو مجھ سے اعراض مت کر، تجھے ایسا کوئی نہ ملے گا جو میرا بدل ہو سکے۔ کسی سے مل کر مجھ سے بے پرواہی مت کر، کوئی مجھ سے تجھ کو بے نیاز نہیں کر سکتا۔ میں اپنی قدرت سے تیرا پیدا کرنے والا ہوں میں اپنی نعمت تجھ پر فراخ کرنے والا ہوں، سو جیسا میرے سوا کوئی خالق نہیں، ایسا ہی میرے سوا کوئی رازق نہیں، کیا پیدا خود کروں گا اور غیروں پر ٹال دوں گا اور میں بڑے فضل والا ہوں اور بندوں کو غیروں سے روکتا ہوں، سو اے بندے! مجھ پر یقین کر میں رب العالمین ہوں اور میرے آگے اپنی مراد سے علیحدہ ہو جا۔ میں تجھ کو عین مراد کو پہنچا دوں گا اور میرے الطافِ سابقہ یاد کر اور حق محبت مت بھلا۔

اس کے بعد مصنف کہتے ہیں۔

دعا و خاتمہ کتاب

ہم کو منظور ہوا کہ اس کتاب کو ایسی دعا پر ختم کریں جو اس مضمون کے مناسب ہو جس کیلئے یہ کتاب بنائی گئی ہے اور وہ دعا یہ ہے:

یاالٰہی! ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت بھیج۔ جیسا تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر اہل عالم میں رحمت بھیجی۔ بے شک تو محمود ہے، بزرگ ہے۔

یاالٰہی! ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جو تیری اطاعت کرنے والے ہیں اور ہم کو اس سے علیحدہ کر کہ تیرے آگے یا تیرے مقابلہ میں تدبیر کریں اور ہم کو اہل تفویض سے کر دے۔ یاالٰہی! تو ہمارا اس وقت تھا کہ ہم بھی اپنے نہ تھے، پس ہمارے ہونے کے بعد بھی ہمارا اسی طرح بنا رہ، جیسا ہمارے ہونے سے پہلے تھا اور ہم کو اپنے لطف کی خلعت پہنا اور اپنی عنایت و مہربانی سے ہم پر متوجہ ہو اور تدبیر کے اندھیرے ہمارے دلوں سے نکال اور ہمارے باطن میں نور تفویض کو روشن کر اور اپنا حسن اختیار ہم کو مشاہدہ کرا دے، یہاں تک کہ جس چیز کا تو ہمارے لئے حکم فرمائے اور پسند کرے وہ ہم کو اس سے زیادہ پیاری ہو جائے جس کو ہم اپنے لئے پسند کریں۔

یاالٰہی! جس چیز کی تو نے ہمارے لئے ذمہ داری کی ہے اس میں ہم کو مت لگا کہ تیرے حکم سے غافل ہو جائیں۔ یاالٰہی! تو نے ہم کو اپنی اطاعت اور دوام خدمت کیلئے بلایا اور ہم کو یہ طاقت نہیں، مگر ہاں اگر تو قدرت دے دے اور ہماری یہ ہمت نہیں مگر ہاں اگر تو قوت دے دے اور جب تک کہ تو ہم کو کسی حالت میں نہ کر دے ہم اس حالت میں کہاں ہو سکتے ہیں اور جب تک کہ تو نہ پہنچائے ہم کسی مطلب کو کہاں پہنچ سکتے ہیں اور جب تک کہ تو ہماری اعانت نہ کرے، ہم کو کسی شے کی قدرت کہاں ہے؟ سو ہم کو اپنے حکم بجا لانے کی توفیق دے اور منہیات (منع کی ہوئی چیزوں) سے بچنے پر مدد فرما۔

یاالٰہی! ہم کو روضہء تفویض اور جنت تسلیم میں داخل فرما اور ہم کو اس جنت میں چین سے رکھ اور ہمارے باطن اپنے ساتھ مشغول رکھ، اس کی نعمت ولذت کے ساتھ ہم کو اپنی لذت دے نہ اس کی زینت ورونق۔ یاالٰہی! ہم پر اپنی فرمانبرداری اور توجہ کیلئے انوار روشن فرما، جس سے ہمارے باطن پر رونق اور ہمارے انوار کامل ہو جائیں۔ یاالٰہی تو نے سب چیزوں کے ہونے سے پہلے ان کی تدبیر فرمائی اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہی ہوگا جو تو چاہے گا اور اس یقین سے ہم کو جب ہی فائدہ ہوگا کہ جب تو چاہے گا۔ سو ہم کو اپنی خیر دے کر رخصت کر اور اپنے فضل سے ہماری شان بلند کر اور اپنی عنایت سے ہماری طرف قصد فرما اور اپنی رعایت سے ہم کو گھیر لے اور اپنی اہل ولایت کے خلعت ہم کو پہنا اور اپنی حمایت میں ہم کو داخل فرما۔ بے شک تجھ کو ہر شئے پر قدرت ہے۔

یاالٰہی! ہم جانتے ہیں کہ تیرے حکم کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اور تیری قضا کی کوئی مخالفت نہیں کرسکتا اور ہم تیری قضا کے ہٹا دینے سے اور تیرے حکم کے ٹال دینے سے عاجز ہیں، سو ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی قضا میں لطف فرما اور حکم میں تائید فرما اور ہم کو اس باب میں ان لوگوں میں سے کر دے جن کی تو رعایت فرماتا ہے۔ اب رب العالمین یاالٰہی! تو ہمارا حصہ لگا چکا ہے جس کو ہمارے پاس پہنچا دے گا، سو اس کو ہمارے پاس خوشگواری اور بے مشقتی کے ساتھ پہنچا دے کہ حجاب سے محفوظ رہیں انوار وصل ہم کو گھیرے ہوں اس کو تیری جانب سے دیکھیں تاکہ شکر کریں اور اس کو تیری طرف منسوب کریں اور عالم میں سے کسی کی طرف نسبت نہ کریں۔

یاالٰہی! تمام رزق تیرے ہاتھ میں ہے دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔ سو ہمیں دونوں میں سے اس قدر عنایت فرما جس میں تو ہماری مصلحت ومنفعت جانے۔ یاالٰہی ہم کو ان لوگوں میں سے کر جنہوں نے تجھ کو اختیار کرلیا ہے اور ان لوگوں میں سے مت کر جو تجھ کو چھوڑ کر اور کسی چیز کو اختیار کرتے ہیں اور ہم کو ان لوگوں میں سے کر جو تیری طرف تفویض کرنے والے ہیں ان لوگوں میں سے مت کر جو تجھ پر

اعتراض کر رہے ہیں۔ یاالٰہی ہم تیرے محتاج ہیں تو ہم کو عطا فرما اور ہم اطاعت سے عاجز ہیں ہم کو قدرت دے اور ہم کو اپنی اطاعت کی ہمت دے اور اپنی نافرمانی سے عاجز کر دے اور اپنی ربوبیت کے آگے گردن جھکانا نصیب کر اور اپنے احکام الوہیت پر پابندی عنایت فرما اور اپنی طرف نسبت کئے جانے کی عزت بخش اور توکل کی راحت روزی کر اور ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جو رضا کے میدان میں جاتے ہیں اور تسنیم تسلیم سے منہ لگا کر پیتے ہیں اور معارف کے پھل چنتے ہیں اور خلعت خصوصیت پہنائے گئے ہیں اور قرب کے تحفے اور دربار عشق کے عطیات دیئے گئے ہیں جو ہمیشہ تیری خدمت میں رہتے ہیں۔ تیری معرفت کا یقین رکھتے ہیں۔ تیرے رسول ﷺ کے متبع ان کے وارث ہیں۔ ان سے فیض لیتے ہیں، اُن ہی کے ہو رہے ان کی نیابت کو بجالاتے ہیں اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما یارب العالمین۔

وَصلی اللہ تعالیٰ علٰی سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ وسلم تسلیماہ

☆☆☆☆☆☆☆

خاتمہء ترجمہ مع قطعتین تاریخ از مترجم

الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۲۱ محرم الحرام روز سہ شنبہ وقت ظہر ۱۳۱۲ ہجریہ مقام مکہء معظمہ میں رسالہ الاکسیر فی اثبات التقدیر ترجمہ تقدیر کیا ہے؟ اتمام کو پہنچا دو قطعہ تاریخ ایک فارسی دوسرا اردو نذر ناظرین با تمکین ہے۔

بالفارسیہ

چوں با مدادِ الہ و فیض او — ختم شد ایں نسخہ بر طرزِ نکو
گفت دل چوں جستم از وے سال ختم — مبحث تقدیر ازلی خوش بگو

بالہندیۃ

جب بامدادِ فضل ربِ قدیر — ہوا تیار نسخہء اکسیر
سیر بیدین اڑا کے ہاتف نے — لکھی تاریخ ترجمہء تنویر

تمام شد

مناجات

نظم مناجات خاتمہء کتاب از مولانا سید حمزہ صاحب دہلوی حسب ارشاد

حضرت قبلہء وکعبہ پیرو مرشد مولانا الحافظ الحاج الشیخ الشاہ محمد امداد اللہ صاحب ضعفت برکاتہم برائے سہولت حفظ اہل ذوق وشوق کہ بوقت مناجات آں راتکرار کنند وحفظ گیرند

اے خدائے قابل حمدو سپاس — تجھ سے اب یہ ہے ہماری التماس
بھیج تو رحمت شہ لولاک پر — بعد ان کے ان کی آل پاک پر
جس طرح بھیجی ہے ابراہیم پر — اور ان کے آل باتکریم پر
شک نہیں اس میں کہ تو محمود ہے — سب سے اعلیٰ یعنی تو معبود ہے
یاالٰہی ہم کو ان لوگوں میں کر — جو اطاعت سے تری ہیں بہرہ ور
تیری خدمت کیلئے استادہ ہیں — تیری طاعت کیلئے آمادہ ہیں
دے ہمیں تفویض کا اعلیٰ مقام — تا کہ ہم تدبیر سے رکھیں نہ کام
یا الٰہی جب کہ ہم معدوم تھے — تیرے افضال و کرم قیوم تھے
اب جو ہم موجود دنیا میں ہوئے — اب بھی وہ ہی فضل کا سایہ رہے
اے خدا پہنا دے خلعت لطف کا — کر عنایت کی نظر ہم پر ذرا!
ظلمت تدبیر قلبوں سے نکال — نور بھر تفویض کا...... اے ذوالجلال
اے خدا اے حاکم حکمت شعار — ہم کو دکھلا اپنا حسن اختیار
تا کہ ہو تیرے پسندیدہ سے کار — ہو پسند اپنی نظر میں اپنی خوار
تو نے ہے جس چیز کا ٹھیکہ لیا — اس میں یا رب ہم کو ایسا مت لگا
جو ترے احکام میں غفلت کریں — تیرے ذمے کی نہ کچھ وقعت کریں
یاالٰہی حکم ہے تیرا ہمیں! — دائما تیری اطاعت میں رہیں!
لیک ہم کو اس قدر طاقت نہیں — بازوئے ہمت میں کچھ ہمت نہیں
پر سہارا دے تری توفیق گر — قوت و ہمت ہو میری بیشتر
جب تلک تو دے نہ ہم کو کوئی حال — ہم کو ہو اس حال کی کیسے مجال
تو نہ جب تک ہم کو پہنچا دے بھلا — ہم درِ مقصود تک پہنچیں گے کیا

تو ہماری جب اعانت میں نہ ہو — کوئی بھی شے اپنی قدرت میں نہ ہو
بس الٰہی ہم کو یہ توفیق دے — ہو تعلق حکم کی تعمیل سے
اور منہیات سے یا رب بچا — روضہء فردوس کی سیریں دکھا
اور اس جنت میں رکھ راحت کے ساتھ — اور دل مشغول رکھ طاعت کے ساتھ
نے تعلق ہم کو ہو لذت کے ساتھ — نے علاقہ کچھ رہے نعمت کے ساتھ
اپنی لذت کو یا رب تو چکھا — دے نہ اس کی زینت و رونق مزا
نور طاعت اور اطاعت کا دکھا — اور دلوں کو اس سے پر رونق بنا
تا کہ ہو انوار کو اپنے کمال — یعنی حاصل ہو ہمیں قرب و وصال
جب کہ تھی ہر چیز بے نام و نمود — نام کو بھی وہ نہ رکھتی تھی وجود
تو نے کی تدبیر اس کے واسطے — فائدے ان کے مہیا کر دیئے
ہے یقیں ہم کو جو مرضی ہے تری — پیش سب کو آنے والا ہے وہی
اس یقین کا فائدہ بھی جب ملے — جب نظر اس پر تری خواہش کرے
ہم کو اپنی خیر پر فائز بنا — اور اپنے فضل سے رتبہ بڑھا
کر عنایت اپنی تو ہم پر بسیط — کر رعایت اپنی تو ہم پر محیط
ہم کو پہنا خلعت اہل ولا — اور دے اپنی حمایت میں بھی جا
تجھ کو ہے ہر شے پہ قدرت بیگماں — تجھ کو ہے ہر شے پہ قوت بیگماں
ہو مقابل کون تیرے حکم کا! — بالیقیں ممکن نہیں ضدِ قضا!
ہم سے ہو سکتی نہیں ردّ قضا — ہم سے ٹل سکتا نہیں جو ہو چکا
التجا ہے اس لئے اے ذوالمنن — لطف کر اپنی قضا میں بے محن
حکم میں اپنی مدد کر کردگار — اپنے ان لوگوں میں کر پروردگار
جن کی کرنی ہے رعایت ہی تجھ — یعنی کرنی ہے عنایت ہی تجھے
تو نے قسمت میں لکھا ہے جو اللہ — وہ ہمیں پہنچائے گا بے اشتباہ
اس کو اچھی طرح پہنچا اے خدا — ہو مشقت کا نہ ہم کو سامنا
تا حفاظت ہم کو دوری سے رہے — روشنی نور حضوری سے رہے
اس کو تیری طرف سے جائیں مگر — شاکروں میں تا کہ ہو اپنا مقر

اس کی نسبت تیری ہی جانب کریں
دوسرے کو اس سے نسبت ہی نہ دیں

یا الٰہی روزیٔ دنیا و دیں
ہے تمامی پاس تیرے بالیقیں

بس ہمیں تو اس قدر دے مائدہ
جس قدر سمجھے ہمارا فائدہ

ہم کو ان لوگوں میں کر اے کردگار
کر لیا تجھ کو جنہوں نے اختیار

ہم کو ان لوگوں میں مت کر اے خدا
دوسرے کے ہو گئے جو بے وفا

ان میں جو تفویض کے ہیں مفترض
کر نہ ان میں جو ہیں تجھ پر معترض!

ہیں ترے محتاج دے حاجت ہمیں
عاجز طاعت ہیں دے قدرت ہمیں

ہمت اطاعت ہمیں دے اے کریم!
معصیت میں عاجزی مستدیم

وہ ہمیں توفیق دے بارِ خدا
دیں ربوبیت کے آگے سر جھکا

پھر الوہیت کے سب احکام پر
استقامت سے رہیں بستہ کمر

ذات والا سے ہمیں دے انتساب
تا کہ عزت سے بنیں ہم بہرہ یاب

دے توکل سے ہمارے دل کو چین
اور کر ان میں خدائے مشرقین

جن کو تسلیم و رضا دونوں مقام
ہو گئے حاصل علیٰ وجہ التمام

اور عرفاں میں ترے کامل ہوئے
خاص لوگوں میں ترے داخل ہوئے

قرب سے تیرے ہوئے جو بہرہ ور
چکھ چکے جو عشق کا اپنے ثمر

جو ہمیشہ تیرے ہیں خدمت گزار
ہیں یقیں معرفت سے کام گار

جو کہ پیرو ہیں رسولؐ پاک کے
اور وارث ہیں شہ لولاک کے

فیض سے ان کے سدا ہیں بہرہ یاب
صرف ان سے رکھتے ہیں وہ انتساب

حق نیابت کا ادا کرتے ہیں وہ!
حق وارث کا ادا کرتے ہیں وہ

کر میسر ہم کو حسن خاتمہ
ہے دعا کا بھی یہ حسن انتہا

بھیج آقا پر ہمارے تو مدام!
کاملہ رحمت خدایا اور سلام

ہے محمدؐ جن کا نام مفتخر
اور ان کی آل اور اصحاب پر

ناظم وقاری کے حق میں اے خدا
کیجئے مقبول یہ ساری دعاء

☆☆☆☆☆

قطعہ تاریخ

از مولانا حمزہ حفظہ اللہ من شر کل ہمزۃ لمزہ متخلص بشیدا دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مخلوق ہے تدبیر کی ظلمت میں مقید
تقدیر پہ ایمان اگر ہے تو بہ تقدیر

منظور ہو اس لئے آقا کو ہمارے
ویران جو دل ہیں انہیں اب کیجئے تعمیر

اس نورِ مجسم کو ہوا غیب سے روشن
کیا خوب ہو اردو میں جو ہو جائے یہ تنویر

یہ کام ملا مولوی صاحب کو ہمارے
وہ مولوی صاحب کہ جو ہیں علم کی تفسیر

وہ حضرت اشرف کہ شرف جنسے بیاں کو
تقریر کی آنکھوں میں وہ سرمہ کی تحریر

پس حکم سے مرشد کے لکھا چند دنوں میں
اُس نسخہء اکسیر نے یہ نسخہء اکسیر

تدبیر نے ادبار جو دیکھا تو حد سے
تقدیر سے بولی تری اللہ رے تقدیر

پھر فیض نے مرشد کے مرے ہاتھ سے شیدا
بے ساختہ بے فکر کیا سال یہ تسطیر

ظلمت سے نکلنے کی جو تدبیر ہے اس میں
تاریخ ہے اس واسطے تنویر کی تدبیر

ہماری چند دیگر اسلامی و اصلاحی کتب